
ایک پراسرار اور خوفناک ناول
مقدس خنجر
ایم اے راحت

پیش لفظ

محترم ایم اے راحت کا ایک اور شاہکار ناول "مقدس خنجر" پیشِ خدمت ہے۔ ایم اے راحت ان معدودے چند قلمکاروں میں سے ایک ہیں جن کا نام مقبولیت کی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ وہ ادبی دنیا کی ایسی قد آور شخصیت ہیں کہ انھیں اس میدان کا لیجنڈ کہا جا سکتا ہے۔ پڑھنے والے ان کے آنے والے ناولوں کے انتظار میں رہتے ہیں اور ہر نئے آنے والے ناول کی پذیرائی کرتے ہیں۔

آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ایم اے راحت میں وہ کون سی خوبی ہے جو انھیں اپنے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہے؟ انھوں نے بے تحاشا لکھا ہے اور جتنا بھی لکھا ہے۔ معیار کو برقرار رکھا ہے اور یہی وہ خوبی ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ بلند مقام حاصل کر لینا اتنا مشکل کام نہیں ہوتا جتنا مشکل اپنے آپ کو اس مقام پر قائم رکھنا ہوتا ہے۔

ایم اے راحت کو انسانی نفسیات پر مکمل دسترس حاصل ہے۔ ان کو علم ہے کہ انسان فطرتاً تجسس پسند ہوتا ہے اور ہر چیز کے بارے میں جاننے کی خواہش اس میں بہت شدت سے پائی جاتی ہے۔ جب کسی چیز' واقعے کے بارے میں وہ جان نہیں پاتا تو اس پر پُراسراریت کا ٹھپہ لگا دیتا ہے اور اسے ماوراء عقل اور مافوق الفطرت قرار دے کر اپنی تجسس پسند طبیعت کی تسکین کر لیتا ہے۔

ایم اے راحت نے انسان کی اسی فطرت کو مدِ نظر رکھ کر زیادہ تر لکھا ہے۔ اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ "مقدس خنجر" بھی ایسا ہی ایک ناول ہے جو بے حد پُراسرار واقعات' بے تحاشا تجسس سے بھرپور ہے۔ سسپنس اتنا ہے کہ آپ سطریں چھوڑ کر پڑھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ انوکھی کہانی آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گی اور کہانی ختم ہونے تک آپ اس سحر سے آزاد نہیں ہو سکیں گے۔

ادارہ

میرا نام شعور ظفریاب علی خاں ہے۔ چودہ سال کی عمر تھی جب والدین ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بھرے پُرے گھر کا رہنے والا ہوں جن میں تایا' چچا' پھوپھا' پھوپھیاں اور پھر ان سب کی اولادیں۔ یعنی میرے بہت سے کزن۔

جوائنٹ فیملی سسٹم میں زندگی کس قدر ہنگامہ خیز ہوتی ہے اس کا اندازہ اگر بہترین طریقے سے لگانا ہو تو اس حویلی کا جائزہ لے لیا جائے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کی ایک فوجِ بے اماں تھی اور اتنے سارے افراد کی موجودگی میں زندگی جس قدر ہنگامہ خیز ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ ویسے اس حویلی کی مکمل تاریخ مشکل سے ہی بتائی جا سکتی ہے خاندان کے کسی پشت کے بزرگ نے یہ حویلی بنوائی ہو گی اس کے بعد اسے اس خاندان کے لوگ استعمال کرتے چلے آ رہے تھے۔ ہو سکتا ہے کسی زمانے میں اس حویلی کی بہت بڑی حیثیت ہو اس میں رہنے والے صاحبِ ثروت لوگ ہوں لیکن موجودہ صورتِ حال کافی مختلف تھی۔ اب یہاں رہنے والے عام لوگ تھے۔ بے شک سب یکجا رہتے تھے لیکن اپنی اپنی دال روٹی کے حصول میں مصروف۔ کوئی نوکری کرتا تھا' کوئی کاروبار' آپس میں رنجشیں بھی تھیں' رقابتیں بھی' لیکن حویلی کوئی نہیں چھوڑتا تھا۔

میرے والد ظفریاب علی خاں کے پانچ بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ سب ہر طرح

سے "شدہ تھے" یعنی شادی شدہ، بچے شدہ وغیرہ۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا نورِ نظر تھا۔

لیکن پھر میری بدقسمتی کا آغاز یوں ہوا کہ میرے والدین ایک ہوائی حادثے کا شکار ہوئے اور میں تنہا رہ گیا۔

اتنی بڑی حویلی میں اور اتنے بڑے خاندان میں لفظ تنہا بے حد عجیب ہے لیکن انسانوں کی کہانیاں عجیب ہوتی ہیں۔ یہاں نفرتوں اور محبتوں کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں خون کے رشتے کیا ہوتے ہیں اور لوگوں نے یہ کہانیاں کیوں گھڑلی ہیں میرا تجربہ تو اس سلسلے میں کچھ اور رہی ہے۔

بہرحال اس وقت میرے تایا فتح یاب علی خاں نے میری کفالت کی ذمے داری قبول کی۔ تایا صاحب کسی قدر نفیس انسان تھے لیکن تائی صاحبہ زیادہ نفاست پسند نہیں تھیں اور ان کی اس طبیعت کے مظاہرے میں کئی بار دیکھ چکا تھا۔ بہرحال تایا صاحب نے بھی تائی صاحبہ کے اس سلوک کو محسوس کرکے مجھے ملک سے باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور تمام تیاریاں مکمل کرکے آخر کار مجھے لندن بھیجنے کا انتظام کردیا گیا۔ اس پر بھی لے دے ہوئی، لیکن تایا صاحب نے والد صاحب کے اثاثوں کا پورا حساب پیش کرکے دوسروں کو مطمئن کردیا اور بتا دیا کہ میرے اخراجات میرے والدین کے ترکے سے ہوں گے۔ اس کے بعد کسی کے بولنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

چنانچہ میں لندن آگیا لیکن وطن کے رشتے آسانی سے نہیں ٹوٹتے۔ دو چار سال میں آنا جانا ہوجاتا تھا اور شناسائیوں میں کمی نہیں ہوئی تھی، لیکن پھر ایک سانحے نے سچ مچ پریشان کردیا۔ تایا جان کا اچانک انتقال ہوگیا تھا۔

عمرِ شعور میں یہ دوسرا احساس ہوا کہ اب یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ فوراً ہی کسی نے بدسلوکی نہیں کی تھی لیکن کچھ عرصے قیام کے بعد ہی کانا پھوسیاں ہونے لگیں، اور

پھر تایا نمبر دو یعنی احتشام علی خاں نے ایک دن سوال کر ہی ڈالا۔

"میاں اب کیا کرنے کا ارادہ ہے، لندن واپس جاؤ گے یا..........؟"

"نہیں تایا جان۔ اب کس کے بل بوتے پر لندن جاؤں گا۔ یہیں رہ کر کچھ کروں گا۔"

"کہیں اور قیام کرنا پڑے گا تمہیں، حویلی تو پہلے ہی اوور لوڈ ہے۔" انہوں نے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"مگر مجھے تو ایک ہی کمرہ درکار ہوگا، اور پھر میرا آپ کے سوا اور کون ہے؟" میں نے غم و غصے سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کمرہ کوئی نہیں ہے، تم خود دیکھ رہے ہو۔" تایا جان بولے۔

"کیا حویلی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، میرے والد بھی تو..........."

"تھا، اب نہیں ہے، آپ کی لندن کی تعلیم کے سلسلے میں آپ کے تایا صاحب نے آپ کے والد کے حصے کا سب کچھ ختم کردیا۔ وکیل ضرغام احمد کاظمی صاحب سے مل لینا ان کے پاس سارے حسابات موجود ہیں۔" احتشام علی خاں نے میری بات کاٹ دی۔

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا۔" میں نے پریشانی سے کہا۔

"کاظمی صاحب سمجھا دیں گے۔" احتشام علی نے بیدردی سے کہا۔

تنہا ذات تھی، کسی کزن سے کوئی عشق نہیں چل رہا تھا۔ کہیں بھی اپنے لئے ٹھکانہ بنا سکتا تھا لیکن ان لوگوں کے رویے سے بہت دل برداشتہ ہوا تھا اور شدید غصہ آگیا تھا۔ اتنی آسانی سے انہیں نہیں چھوڑوں گا، کچھ بھی ہو جائے۔

دوسرے دن کاظمی صاحب کا پتہ معلوم کرکے ان کے آفس جا پہنچا' وہاں سے پتہ چلا کہ وہ آفس نہیں آئیں گے۔ ہاں ذات کو ان کے گھر پر ملاقات ہوسکتی ہے۔ وہیں سے ان کے گھر کا نمبر حاصل کیا اور اس کے بعد ایک وقت کا تعین کرکے کاظمی صاحب کے گھر جا پہنچا۔

کاظمی صاحب نے اپنے ڈرائنگ روم میں میرا استقبال کیا تھا۔ میں نے تعارف کرایا تو بڑے تپاک سے ملے اور پھر میں نے کسی تمہید کے بغیر انہیں اپنی آمد کا مقصد بتادیا۔ میں نے کاظمی صاحب سے کہا۔

"میں نے تو ملک سے باہر زندگی گزاری ہے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ تھوڑا سا وقت ملنے کے بعد میں اپنے آپ کو مالی طور پر بھی مطمئن کرلیتا اور شاید یہاں پر کسی پر بھی بوجھ نہ بنتا لیکن کاظمی صاحب! میں انہی لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا تھا' میرا تو کوئی بھی نہیں ہے' لیکن باہر کی دنیا میں میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے کہ میرا ایک خاندان ہے' سگے چچا' سگے تایا' پھوپھیاں اور بہت سے کزن ہیں میرے' لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس عظیم الشان حویلی میں جو میرے آباؤ اجداد کی ہے مجھ سے کہا جارہا ہے کہ کوئی ایک کمرہ میرے لئے نہیں ہے' نہ میں نے ان لوگوں سے دولت مانگی ہے اور نہ کوئی اور بات کی ہے' لیکن وہ حساب کی بات کرتے ہیں' کیا حساب ہے میرا؟"

کاظمی صاحب نے رحم آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا' پھر وہ کہنے لگے۔

"اب کیا کہوں' کسی کے ذاتی معاملات میں ٹانگ اڑانا تو بس یہ سمجھ لو کہ بلاوجہ اپنی شامت مول لینا ہے' حویلی کے رہنے والے بھی معمولی لوگ نہیں ہیں لیکن بس اصل میں فتح یاب علی خان صاحب نے تمہارے سلسلے میں سب ہی سے جھگڑے مول لئے تھے' شروع میں جہاں تک میرے علم میں ہے کچھ ایسی باتیں ہوئی تھیں کہ تمہارے والدین کی موت کے بعد ان لوگوں نے آپس میں کچھ مشورے کئے تھے اور

تمہارے لئے کچھ تجاویز دی گئی تھیں' لیکن فتح یاب علی خان صاحب اس وقت کچھ شدت پسندی پر آمادہ ہوگئے تھے' جس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے مخالفتیں مول لے لیں اور خاص طور سے تمہاری تائی صاحبہ اور پھر شعور میاں.......... یہ بات تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور ان کے والدین احساسِ کمتری میں مبتلا ہوگئے تمہارے سامنے' کیونکہ تم نے ان کی دانست میں بہت اعلیٰ جگہ تعلیم حاصل کی ہے یعنی جسے یہ لوگ ولایت کہتے ہیں اور اسے آسمانوں کا ایک حصہ سمجھتے ہیں' خیر جو حسابات تمہارے کھاتے میں ڈالے گئے ہیں' غلط بے شک نہیں ہیں' فتح یاب علی خاں صاحب نے بھی انتہا پسندی سے کام لیتے ہوئے تم پر بڑی بڑی رقمیں خرچ کی ہیں اور بہرحال ان کا حساب یہ بتاتا ہے کہ تمام اثاثوں میں سے تمہارا حصہ ختم ہوچکا ہے' بلکہ فتح یاب علی خان صاحب ذاتی طور پر بھی تم پر کچھ لگا چکے ہیں۔"

"ٹھیک.......... اس کا مطلب ہے کہ اب وہاں میرے لئے کچھ نہیں ہے۔"

"قانونی طور پر تو واقعی کچھ نہیں ہے' لیکن یہ ایک غیر انسانی عمل ہے' کل دن میں کوئی وقت رکھ لیتے ہیں' میں وہاں پہنچ جاؤں گا اور بات کروں گا' احتشام علی صاحب سے اور دوسرے لوگوں سے بھی.......... پتہ تو چلے آخر ان کے ذہنوں میں کیا ہے' اور وہ کیوں تمہیں وہاں سے بے دخل کردینا چاہتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر تم چاہو تو میں حساب کے تمام کاغذات بھی لے آؤں..........؟"

"جب مجھے اس حویلی سے نکلنا ہی ہے کاظمی صاحب تو میرا خیال ہے پھر حسابات بھی سامنے کرلئے جائیں تاکہ میرے ذہن میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ دوسرے دن باقاعدہ ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ کاظمی صاحب وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے تھے' میرے لئے بڑی ٹینشن تھی' اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے

میرا کوئی بھی ہمدرد نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا چکر چلایا تھا یہاں کے لوگوں نے یا تایا فتح یاب علی خان نے میرے خلاف یا تائی صاحبہ نے میرے لئے نفرت کا یہ ماحول کیوں پیدا کردیا تھا۔ بہرحال حسابات ہوئے اور یوں سمجھ لیجئے کہ ایک طرح سے مجھے بالکل خالی ہاتھ کر دیا گیا' واقعی تمام باتیں تسلیم کرنا پڑی تھیں لیکن پھر ایسے موقع پر ایک اور چھوٹی سی نئی کہانی کا آغاز ہوا۔

ہمارے گھر کے ملازم بابا عبدالحق صاحب تھے' ان کے بارے میں بھی کہا جاتا تھا کہ یہ حویلی کے نوادرات میں سے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر پچانوے سال تھی لیکن صحت اب بھی قابلِ رشک تھی' آنکھیں بھی کام کرتی تھیں' دماغ بھی کام کرتا تھا' ہاتھ پاؤں بھی سلامت تھے' یہ الگ بات تھی کہ ملازموں کے کوارٹر میں جگہ ملی ہوئی تھی۔ انہوں نے پیش کش کرتے ہوئے کہا۔

"اب یہ تو اچھی بات نہیں ہے کہ حویلی ہی کا ایک بچہ گھر سے نکال دیا جائے۔ ظفریاب کی روح کیا خوش ہوگی اس بات سے۔ تم لوگ برا کررہے ہو اور برا کرنے کے نتیجے اچھے نہیں ہوتے' اس بات کو دماغ میں رکھنا۔" احتشام علی صاحب نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

"بابا صاحب آپ کو شاید یہ بات یاد نہیں رہی ہے کہ بہرحال آپ اس گھر کے ملازم ہیں اور آپ کے اتنے ہی حقوق ہیں کہ جو آپ سے کہا جائے' آپ صرف وہی کریں' آپ کی عمر اور خدمات کے پیشِ نظر آپ کو یہ عزت دی گئی ہے کہ اب جب کہ آپ کے قویٰ کمزور ہو چکے ہیں اور آپ کوئی کام کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں' تب بھی اس گھر میں آپ کو پناہ دی جارہی ہے' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمارے ذاتی معاملات میں بولنا شروع کردیں۔"

"بیٹے' بات تمہارے بزرگوں کی ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدے کئے تھے اور

کہا تھا کہ زندگی کے آخری سانس تک میرا احترام کیا جائے گا۔ میں کسی پر کوئی الزام نہیں لگانا چاہتا' میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ اس بچے سے آخر تم کو کیا دشمنی ہے کہ اسے حویلی میں رکھنے پر بھی تیار نہیں' جیسے تم لوگ اپنے اپنے کام دھندے کرکے کھا کما رہے ہو' یہ بھی ایسا ہی کرے گا۔ آخر اس میں تمہیں کیا تکلیف ہے' اور دوسری بات یہ کہ نہ رکھو تم لوگ اسے۔ میرے ساتھ میرے کوارٹر میں بھیج دو' میں رکھ لوں گا۔"

"میں نے کہا بابا حق صاحب' حد سے زیادہ بڑھنے کی کوشش نقصان دہ ہوتی ہے' اور ایسی کوئی کوشش آپ نہ کریں' حویلی کا ایک فرد کسی ملازم کے کوارٹر میں رہے گا' اس سے ہماری بدنامی ہوگی' پھر یہ جوان آدمی ہے' لندن میں تعلیم پائی ہے انہوں نے' معمولی بات تو نہیں ہے' یہ اگر لندن ہی واپس چلے جائیں تو زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔"

پتہ نہیں تایا احتشام علی صاحب کو آخر مجھ سے ایسی کیا دشمنی ہوگئی تھی۔ یہاں تو دوستی کی نگاہ کو ہی ترس رہا تھا میں۔ میں نے خود ہی اپنے مؤقف پر مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنے آپ سے' آپ لوگوں کی نفرت کی وجہ نہیں معلوم کرپایا تھا۔ اگر نفرت بے مقصد اور بے وجہ ہے تو آپ لوگ بھی اطمینان رکھئے کہ میں نفرت کے اس ماحول میں رہنا بالکل پسند نہیں کروں گا' اور جہاں تک میرے حصوں یا حساب کا تعلق ہے تو یہ تو بزرگوں کے کھیل ہوتے ہیں۔ اچھا ہے اپنے آپ کو آزمانے کا موقع ملے گا۔ ٹھیک ہے آپ لوگ مطمئن رہیں' لیکن ایک مختصر سا وقت تو ضرور دیں گے کہ میں یہاں رہ کر اپنے لئے کوئی جگہ تلاش کرسکوں۔"

"ہاں.......... اب ایسی بھی قیامت نہیں ٹوٹ رہی کہ تم سے یہ فوراً کہا جائے کہ تم یہ گھر چھوڑ کر باہر نکل جاؤ' لیکن ذہن میں رکھو۔ بہت مختصر وقت میں اپنے لئے جگہ تلاش کرلو۔" احتشام علی صاحب نے بے رحمی سے کہا۔ پھر اچانک ہی بابا عبدالحق

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔

"وکیل صاحب' سارے حساب کتاب ہوگئے ہیں' میں نے اپنے ایک حق کا اظہار کیا تھا' اور وہ اظہار یہ تھا کہ یہاں رہنے والوں نے مجھے ہمیشہ یہ بتایا کہ میں اس گھر کا ملازم نہیں بلکہ ایک فرد ہوں' آج مجھ سے یہ کہہ دیا گیا کہ مجھ پر احسان کرتے ہوئے مجھے یہاں رکھا جارہا ہے' چنانچہ میرے لئے تو اب ایک لمحہ بھی یہاں ٹھہرنا مشکل ہوگیا ہے' میں یہ بات بالکل نہیں کہہ رہا کہ میں اس بچے کی محبت میں ڈوب کر یہاں سے جارہا ہوں اور اس جانے کے بارے میں بھی آپ لوگوں کو تفصیل نہ بتاتا' لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ گھر کے تمام افراد جمع ہیں اور اس وقت مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جو راز میرے سینے میں موجود ہے میں اسے سب کے سامنے بیان کردوں۔ اصل میں آپ لوگوں کو ہوسکتا ہے مرحومہ زیب النساء یاد نہ رہی ہوں' لیکن وہ اس خاندان کی ایک معزز بزرگ تھیں اور جو کچھ وہ تھیں اب اس کے بارے میں آپ جیسے لوگوں کو بتانا بالکل بے کار ہے' بس اتنا کہوں گا وکیل صاحب کہ عبادت گزار تھیں اور بہت ہی بہتر شخصیت کی مالک تھیں...........

تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک بار کچھ واقعات پیش آئے تھے ان کے ساتھ۔ ان کے شوہر مرحوم کا انتقال ہوچکا تھا اور وہ تنہا ہی تھیں۔ مجھے بھائی کہہ کر مخاطب کرتی تھیں اور کبھی کبھی دل کی باتیں مجھ سے کہہ لیا کرتی تھیں' عبادت گزار تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے صندل کی لکڑی کا صندوقچہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ بھائی اسے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لینا اس میں کچھ قیمتی چیزیں ہیں اور جب تک میں نہ کہوں اسے کسی کے حوالے نہ کرنا۔ وہ صندوقچہ میں نے اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ بعد میں مجھے اس صندوقچے کی کہانی معلوم ہوئی۔ آپ لوگ تو اسے کہانی ہی سمجھیں گے لیکن جب کہانیوں کو ٹھوس حقیقت میں منظرِ عام پر پیش کیا جائے تو وہ کہانیاں نہیں رہتیں۔ اصل

میں ہوا یہ کہ مرحومہ زیب النساء جو آپ لوگوں کی دادی تھیں' جیسا کہ میں نے کہا کہ تہجد گذار تھیں اور اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بس ان کا واسطہ عبادتِ الٰہی سے رہ گیا تھا' تو کسی طرح ان کا تعلق کچھ ایسی پُراسرار شخصیتوں سے ہوگیا جو اس رُوئے زمین کی رہنے والی نہیں تھیں۔ ہم انہیں کچھ بھی کہہ سکتے ہیں' بہرحال آتشیں مخلوق کا ذکر کلام پاک میں بھی ہے اور ہمارے درمیان ہونے والے واقعات میں بھی............

تو ایک بار بہن زیب النساء نے مجھے بتایا کہ "طُور علی" نامی ایک جن نے انہیں اپنی بہن بنایا ہے اور اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ بہرحال میں کیا کہتا ایک ایسی عبادت گذار خاتون جھوٹ تو نہیں بول سکتی تھیں۔ پھر ایک رات میں نے انہیں ایک بہت ہی قیمتی لباس میں دیکھا۔ بس لباس کیا تھا جو کچھ بھی تھا آپ لوگوں کو دکھا سکتا ہوں میں۔ ہنس کر کہنے لگیں کہ بھائی طُور علی کے بیٹے کی شادی تھی' بہن کو یہ لباس دیا ہے انہوں نے اور کچھ تحفے بھی دیئے ہیں' اب یہ تو بتاؤ حق' کہ میں ان کا کیا کروں' تم انہیں اپنے پاس رکھ لو اور جب تک میں نہ کہوں انہیں کسی کے سامنے نہ کھولنا...........

تو مرحومہ تو چلی گئیں اس دنیا سے' میرے شانوں پر وہ بوجھ چھوڑ گئیں۔ میرے پاس وہ صندوقچہ اور وہ لباس موجود ہے۔ اب جب حساب کتاب کی بات آئی ہے تو میرا خیال ہے کہ اس حساب میں ان کا حصہ باقی ہے' میں اپنے شانوں پر یہ بوجھ لے کر کیوں مروں کیونکہ آپ لوگوں کے رویے کی بنا پر اصولی طور پر مجھے تو یہ چاہئے تھا کہ میں خاموشی سے وہ قیمتی اشیاء شعور میاں کے حوالے کردیتا' لیکن بات وہی آجاتی ہے کہ اس کی ہدایت تو مجھے نہیں تھی' میں روزِ حشر کے لئے اپنے آپ کو گناہگار کیوں کروں' البتہ یہ دونوں چیزیں میں آپ لوگوں کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہوں۔"

سب دنگ رہ گئے تھے۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی' لیکن بات چونکہ بالکل کرنٹ تھی اور بابا عبدالحق کے ذہن پر شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے ان مسکراہٹوں کا کوئی مفہوم نہیں رہا تھا۔

بابا صاحب چلے گئے' کاظمی صاحب بھی حیران تھے' پھر کاظمی صاحب نے بتایا۔

"یہ بات تو آپ سب لوگوں کو معلوم تھی کہ محترمہ زیب النساء ذرا مختلف خاتون تھیں لیکن یہی تصور کیا گیا تھا کہ شوہر کے انتقال کے بعد وہ دنیا سے کنارہ کش ہوگئی ہیں' لیکن بہرحال ہماری ثقافت اور ہماری تاریخ میں ایسے واقعات اور ایسی کہانیاں ملتی ہیں' واقعی اگر وہ خاتون ایسی کوئی چیز چھوڑ گئی ہیں اور اس صندوقچے میں درحقیقت کوئی قیمتی شے موجود ہے تو بہرحال اس میں سے شعور میاں کا حصہ تو بنتا ہے۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کاظمی صاحب کے ساتھ اعجاز ملک نامی ایک شخص اور بھی تھا جو کاظمی صاحب کا ساتھی وکیل تھا' یہ ایک نوجوان اور شاعر شخصیت کا مالک شخص لگتا تھا اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے اور غالباً وہ بڑی دلچسپی محسوس کر رہا تھا اس کہانی میں............

بابا صاحب چلے گئے تھے اور کچھ دیر کے بعد جب وہ واپس آئے تو ٹین کا ایک صندوق ان کے ہاتھ میں تھا جس میں موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ انہوں نے چابی سے وہ تالا کھولا اور پھر صندوق کھول دیا۔ یہ حقیقت تھی کہ کمرے میں ایک ایسی مہک ایک ایسی خوشبو پھیل گئی تھی کہ ہر شخص پر ایک مستی سی طاری ہوگئی تھی' فرانس میں دنیا کے بہترین پرفیوم بنائے جاتے ہیں' شوقین حضرات ہالینڈ سے بھی یہ پرفیوم امپورٹ کرتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں' میں تو خیر ان خوشبوؤں کا اتنا شوقین نہیں رہا تھا لیکن میرے کچھ ایسے شناسا تھے' جنہیں خوشبوؤں سے عشق تھا اور ان کے ذریعے میں بہت سی

خوشبوؤں سے روشناس ہوگیا تھا لیکن اس وقت کمرے میں جو مہک پھیلی ہوئی تھی وہ ناقابلِ یقین تھی اور حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ ایک ٹین کے معمولی صندوق میں قید تھی۔ سب ہی نے اس بات کو محسوس کیا تھا۔

پھر جب صندوق کھلا تو آنکھوں میں چکا چوند سی پیدا ہوگئی۔ وہ لباس بابا عبدالحق نے ہی نکالا تھا اور کیا کہا جائے اس کے بارے میں' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ الفاظ میں اسے کس طرح بیان کیا جائے۔ دیکھنے میں ہی بے پناہ قیمتی محسوس ہوتا تھا' عورتوں اور لڑکیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں۔ بزرگ حضرات بھی اور کچھ نہیں تو بابا عبدالحق کی سچائی پر یقین کر رہے تھے جو ان کے لئے بہت مشکل کام تھا۔

پھر وہ خوبصورت صندوقچہ نکال کر سامنے رکھا گیا جو صندل کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ تقریباً ایک فٹ لانبا' کوئی پانچ انچ اونچا اور آٹھ انچ چوڑا تھا' چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا اس میں' اس تالے کو تھوڑی سی کوشش سے توڑ لیا گیا' اور اس کے بعد عبدالحق نے صندوقچے کا ڈھکنا اوپر کردیا۔ بس اس کے بعد طلسم ہوشربا کا کوئی پُراسرار باب کھل گیا تھا' صندوقچے میں ہیرے بھرے ہوئے تھے' بیش قیمت' روشنیوں سے جگمگاتے ہوئے' ایسے چمکدار ایسے حسین کہ آنکھیں بند ہو جائیں' حویلی کے رہنے والے ماضی کی داستانیں کھو چکے تھے' ہو سکتا ہے کبھی اس حویلی کے مکین بہت بڑی حیثیتوں کے مالک ہوں' لیکن اب تو یہ حویلی صرف ایک کبوتر خانہ بن کر رہ گئی تھی' جہاں رہنے والے کبوتر صبح کو رزق کی تلاش میں پرواز کرتے تھے اور انڈے بچے کبوتر خانے میں چھوڑ جاتے تھے اور شام کو ان کے لئے دانا دنکا چن کر لے آتے تھے' ہیروں کا یہ انبار تو ایک بار پھر حویلی والوں کی تقدیریں بدل سکتا تھا اور وہ سب ہونق بنے ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں کاظمی صاحب نے تجویز پیش کی۔

"میری رائے ہے کہ انہیں فوری طور پر کسی بینک کے لاکر میں رکھ دیا جائے'

پورے سلوک کے ساتھ آپ لوگ ان کی تقسیم کے بارے میں فیصلہ کریں' ورنہ آپ لوگوں نے ایسے خزانوں کے لاتعداد قصے سنے ہوں گے ان کے لئے بڑا خون خرابہ ہوتا ہے' میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ اس کے علاوہ آپ لوگ بھی اس بارے میں مشورہ کرلیں' اگر کوئی ترمیم کرنا چاہیں تو بہرحال میں تو صرف آپ لوگوں کا قانونی مشیر ہوں۔"

"میری ایک رائے ہے۔" پھوپھا نذیر علی نے جو بزرگ تھے کہا۔ "یہ صندوقچہ بابا صاحب کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور ہم آپس میں مشورہ کرکے سارا کام کریں۔ یہ ہر طرح اب ہماری ملکیت ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو نذیر۔ میں اب بھلا اس کی کیا حفاظت کرسکتا ہوں' کیوں میری ہڈیاں تڑوانے کی فکر میں ہو؟"

"واقعی آپ لوگ ایک سنگین مشکل میں گرفتار ہوجائیں گے' اسے کسی بینک کے لاکر میں رکھ دینا ہی مناسب ہے۔" کاظمی صاحب نے کہا۔

تھوڑی سی ردوقدح کے بعد یہ بات طے ہوگئی' مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں تھا' ویسے بھی میں کوئی انتہاپسند یا جذباتی نوجوان نہیں ہوں۔ حقائق کتنے ہی سنگین ہوں ان پر غور کرکے عمل کرنا ہی مناسب ہوتا ہے۔ کچھ ذمے دار ارکان کے زیر نگرانی صندوقچہ بینک کے لاکر میں رکھوا دیا گیا اور وہ زرنگار جوڑا سب سے بڑی پھوپھی طاہرہ بیگم کے پاس محفوظ کردیا گیا۔ بابا عبدالحق نے ایک انوکھی فضا اس حویلی میں قائم کردی تھی۔ وہ اچانک حویلی کا ایک پُراسرار کردار بن گئے تھے۔ رات کو تایا احتشام علی خاں انہیں منانے پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"بابا صاحب۔ دن میں کچھ تلخ الفاظ میرے منہ سے نکل گئے تھے ان کے لئے معافی چاہتا ہوں' سب لوگ آپ کا انتظار کررہے ہیں' وہ آپ سے دادی جان کے

بارے میں اور بہت کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"میاں کہنے کو تو بہت کچھ کہہ سکتا ہوں' ایسے تلخ و ترش الفاظ کہ تم لوگ میری زندگی کے درپے ہوجاؤ' لیکن نمک خوار ہوں اس حویلی کا' اور تم لوگ بہرحال میرے مالکوں کی اولاد ہو' جانے دو ان باتوں کو کیونکہ جن کی یہ باتیں ہیں وہ اتنی نیک سیرت اور عبادت گذار تھیں کہ دوسری مخلوق نے بھی ان کا احترام کیا اور انہیں بہن کا رتبہ دیا۔ ویسے بھی میں حویلی چھوڑ رہا ہوں' تمہارا شکریہ کہ تم نے احساس دلا دیا۔"

بابا حق کسی بھی طرح قابو میں نہیں آرہے تھے' میں نے حویلی کے ہر فرد کو ہیروں کے جنون میں مبتلا پایا' لوگوں نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا تھا۔ عارضی طور پر اپنے کاروبار اور نوکریوں سے چھٹیاں کرڈالی تھیں۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی وکیل کو یہ حق کیسے حاصل ہے کہ وہ ہماری ملکیت کو اپنی تحویل میں رکھے؟" امتیاز علی پھوپھا نے کہا۔

"اور پھر اگر خود وکیل صاحب کی نیت خراب ہوجائے تو.........؟" چچا صاحب نے کہا۔

"سو فیصدی امکانات ہیں۔"

"ہیرے تو گن لئے گئے تھے؟"

"بالکل۔"

"لیکن پھر بھی' فیصلہ ہونے میں دیر کیوں ہو؟"

"میرے خیال میں کل کاظمی صاحب سے بات کرلی جائے۔"

"سب مل کر کریں گے تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ ہمارے درمیان اختلاف نہیں ہے۔"

"آخر وہ ہوتے کون ہیں؟"

"بالکل یہ مداخلتِ بے جا ہے۔"

"سارا قصور ان بڑے میاں کا ہے' اول تو صندوقچہ چھپائے بیٹھے رہے' حالانکہ دادی مرحومہ کے انتقال کے بعد انہیں یہ امانت ہمارے سپرد کر دینی چاہئے تھی۔"

"یقیناً اور نہ جانے کیا کچھ ہو ان کے پاس' ویسے سنا ہے کہ کوارٹر خالی کر گئے۔"

"کیا۔ چلے گئے؟" آوازیں ابھریں۔ میرے لئے یہ نئی خبر تھی' دوسرے لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے رہے' لیکن مجھے اس خبر سے بہت دکھ ہوا تھا۔

بیچارے اتنے ضعیف انسان تھے' نیک اور ایماندار' نہ جانے اس عمر میں کہاں گئے ہوں گے۔

بہرحال میں ذہنی طور پر خود بھی الجھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کی بے اعتنائی سے مجھے دلی دکھ ہوا تھا' لیکن پھر میں نے بھی خود غرضی سے سوچا تھا۔ ہیرے میں نے بھی دیکھے تھے اور سوچا تھا کہ ان میں سے میرا حصہ مجھے مل جائے تو میں یہ شہر بلکہ ہو سکے تو یہ ملک ہی چھوڑ دوں' کیا فائدہ ایسے لوگوں کے درمیان رہنے سے جن میں انسانیت بھی نہ ہو۔

غالباً ان واقعات کے آغاز کی یہ چوتھی رات تھی' کوئی تین بجے کا وقت ہو گا کہ اچانک رات کے سناٹے میں ماحول وحشت ناک چیخوں سے گونج اٹھا۔ میں بھی اپنے کمرے میں سو رہا تھا' جاگ کر روشنی جلائی اور باہر نکل آیا۔ سب لوگ بڑی پھوپھی کے کمرے کی طرف بھاگ رہے تھے کیونکہ چیخوں کی آوازیں ادھر ہی سے آئی تھیں۔

بڑی پھوپھی کے کمرے کا دروازہ بند نہیں تھا' اندر روشنی بھی جل رہی تھی' بڑی پھوپھی کمرے کے وسط میں زمین پر پڑی پلکیں جھپکا رہی تھیں۔ ہوش میں تھیں' لیکن سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ سب نے مل کر انہیں اٹھایا' بے حد خوف زدہ تھیں

خوف کی وجہ انہوں نے بعد میں بتائی۔

"میں گہری نیند سو رہی تھی کہ کچھ آہٹیں سنائی دیں اور میری آنکھ کھل گئی' آہ۔ دیکھا تو کوئی وہاں اس الماری کے پاس کھڑا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گئی تو وہ چونک کر میری طرف پلٹا' اللہ میری توبہ۔ کیسی بھیانک مخلوق تھی' آنکھیں دو جلتے ہوئے انگارے' دانت دو دو انچ لمبے' پورے چہرے پر بال اُگے ہوئے تھے۔ بس میری تو چیخیں نکل گئیں۔ پلنگ سے اٹھ کر بھاگی اور گر پڑی۔ میرے خدا' کیا بھیانک شکل تھی۔" بڑی پھوپھی جان یہ کہانی سنا رہی تھیں کہ میرے کانوں میں چھوٹی چچی کی سرگوشی ابھری۔ بڑی تائی سے کہہ رہی تھیں۔

"بھابی جان۔ وہ زرنگار جوڑا بڑی باجی کے پاس ہے نا..........؟"

"ایں۔ ہاں کیوں؟" بڑی تائی حیرت سے بولیں۔

"گیا..........؟" چچی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا..........؟" تائی بولیں۔

"ناک کاٹ کر ہاتھ میں رکھ دینا بڑی بھابی' ارے رقیہ بیگم کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے' کام دکھا گئیں' یقین نہ آئے تو تحقیق کر لو' کچھ نہیں تو لاکھوں روپے کے ہیرے جڑے ہوئے تھے اس جوڑے میں۔"

"وہ تو سب کو اندازہ تھا۔"

"چلو' ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟" چچی جان نے کہا۔ میں ان دونوں خواتین کی سرگوشی سن رہا تھا لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب کسی چور کا تعین کر کے یہ تحقیق کی گئی کہ کہیں پھوپھی جان کی کوئی چیز چوری تو نہیں ہو گئی اور پھر وہ جوڑا غائب پایا گیا۔

"مبارک ہو بھابی جان۔"

"ارے کیا خاک مبارک ہو' ایسے آسانی سے اتنی قیمتی چیز ہڑپ نہیں کی جاسکتی ایسے ہزاروں ڈرامے دیکھے ہیں میں نے۔" تائی جان ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ یہ سب ڈرامہ ہے؟" پھوپھی جان نے کہا۔

"باقی سب بیوقوف ہوں تو ہوں۔ میں نہیں ہوں۔" اس کے بعد خواتین کے ٹیکنیکل معاملات شروع ہوگئے جو ہوتے تو دلچسپ ہیں' لیکن ان میں طوالت بہت ہوتی ہے' اس لئے میں باہر نکل گیا تھا۔ باقی لوگ تو اندر کمرے میں ہونے والے فساد کو ختم کرانے کی کوشش میں مصروف ہوگئے تھے' لیکن میں حویلی کے دوسرے حصوں کا جائزہ لینے لگا۔ حویلی کے باغ میں مجھے مالی نجیب خان کام کرتا ہوا مل گیا۔ مالی نجیب خان نے مجھے بتایا۔

"میرے چھوٹے بچے کو خواب میں چلنے کی عادت ہے صاحب' اکثر دروازہ کھول کر باہر نکل جاتا ہے' ابھی شور مچنے سے پہلے بھی وہ باہر نکلا تھا مگر یہ صراحی اس کے پیروں سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے میں جاگ گیا۔ میرا بیٹا دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ میں نے اسے پکڑ لیا اور صاحب' میں نے کمپاؤنڈ میں کالے رنگ کا ایک آدمی دیکھا۔ صاحب وہ بن مانس تو نہیں تھا' لیکن بن مانس جیسا ہی تھا۔ پہلے وہ دو پیروں سے چلتا ہوا دیوار کی طرف بڑھا پھر اچانک جھک کر چاروں ہاتھوں پیروں سے چلنے لگا اور اچانک دیوار کود گیا۔ میں بچے کو پکڑ کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا تھا کہ اندر سے شور ہونے لگا۔"

"تم نے اسے کہاں دیکھا تھا' مجھے بتاؤ۔"

"آئیے صاحب!" اس نے کہا۔ میں نے وہ جگہ بغور دیکھی پھر مالی کو لے کر اس جگہ پہنچا جہاں سے اس کے بیان کے مطابق اس انوکھی مخلوق نے دیوار پھلانگی تھی۔ رات کا وقت تھا اس لئے کوئی خاص اندازہ نہیں ہوسکا تھا' لیکن یہ دونوں جگہیں میں

نے ذہن میں رکھ لیں اور فیصلہ کیا کہ دن میں وہاں نشان تلاش کروں گا' البتہ میں نے مالی سے کہا۔

"ایک بات کہوں نجیب خاں! مان لوگے؟"

"حکم کریں مالک۔"

"حکم نہیں تمہیں مشکل سے بچانا چاہتا ہوں۔"

"ہمیں؟" وہ گھبرا کر بولا۔

"ہاں' بڑی پھوپھی اماں کے کمرے سے کوئی چیز چوری ہوگئی ہے' ہوسکتا ہے کوئی قیمتی چیز ہو' اور صبح کو پولیس یہاں آجائے۔"

"پھر صاحب؟" نجیب خان نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے کوئی کہانی سنانے کی کوشش کی تو پولیس تمہیں آرام سے لے جائے گی' لاک اپ میں بند کرے گی اور پھر تم سے ساری کہانیاں سنی جائیں گی۔"

"خدا کے لئے ہمیں بچالیجئے صاحب' ہمیں اس کا پتہ ہوتا تو ہم آپ کو بھی یہ نہ بتاتے' پولیس سے تو اللہ ہی بچائے' وہ تو ہمیں ہی چور بنادے گی۔"

"یہی میں کہنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کی مہربانی صاحب۔" مالی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

میرے اسے منع کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی' بس ایک ذہنی جلن تھی ان لوگوں سے عناد ہوگیا تھا جو سب کے سب میرے لئے اجنبی ہوگئے تھے' حالانکہ میں نے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔ میں تو انہیں اپنا سمجھ کر دوسروں کی طرح ان کا ساتھ دینا چاہتا تھا لیکن یہ سب بلاوجہ مجھ سے مخاصمت رکھتے تھے۔

بہرحال نند بھاوجوں کا کھیل شروع ہوگیا۔ رات بھر حویلی میں جگار رہی تھی' غالباً یہ فیصلہ ہو رہا تھا کہ رقیہ پھوپھی ایک کامیاب اداکارہ ہیں یا نہیں اور سونے کے تاروں

اور ہیروں کی زرکاری سے بنا ہوا وہ قیمتی جوڑا انہوں نے اس پروگرام کے تحت کہاں پہنچادیا۔ فیصلے انہی لوگوں کو کرنے تھے۔

رات تو سنسنی خیز گزری ہی تھی لیکن دوسری صبح حویلی میں پھر کھلبلی مچ گئی کیونکہ صبح کے اخبار میں ایک وحشت ناک خبر چھپی ہوئی تھی جو سب سے پہلے پھوپھا غیاث الدین نے پڑھی تھی اور پھر حویلی میں کہرام مچادیا تھا۔ خبر یوں تھی۔

شہر کے ایک نامور وکیل ضرغام احمد کاظمی کو بڑی بیدردی سے قتل کردیا گیا۔ کسی نے ان کی کوٹھی کے بیڈ روم میں داخل ہوکر انہیں خنجر سے ہلاک کردیا اور اس کی گردن شانوں سے جدا کردی۔ مقتول کی گردن اس کے بستر سے چار فٹ دور نیچے قالین پر پڑی ملی۔ وجہ قتل اور قاتل نامعلوم ہیں۔

خبر واقعی سنسنی خیز تھی، کاظمی صاحب ایڈووکیٹ تھے۔ ہزار دوست، ہزار دشمن، کس نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا، کیا کہا جاسکتا ہے، لیکن اتنا اندازہ مجھے ضرور ہوچکا تھا کہ کاظمی صاحب کی اس طرح موت نے کم از کم حویلی کے مکینوں کو برافروختہ کردیا تھا کیونکہ ہیروں کا وہ صندوقچہ کاظمی صاحب نے اپنے طور پر کسی بینک کے لاکر میں رکھوایا تھا اور لاکر کی چابی بھی انہی کے پاس تھی۔ قانون دان ہونے کی حیثیت سے انہیں آگے چل کر اپنی اس ذمے داری کو پورا کرنا تھا اور وہ ہیرے اس خاندان میں تقسیم کرنے تھے اور ان ہیروں کے لئے خاندان کے افراد نے نہ جانے کیا کیا منصوبے بنا رکھے تھے۔ ہر شخص صاحبِ حیثیت ہوچکا تھا اور نہ جانے تصورات میں کتنے محل قائم کرلئے تھے اس نے، لیکن سارے محل زمین بوس ہوگئے تھے اور کسی کے پاس کچھ نہ رہا تھا، بہرحال یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ساری حویلی میں پھیل گئی۔ اول تو رات ہی کا معاملہ کیا کم تھا لیکن رات کے معاملے میں تو کم از کم مجرم نگاہوں کے

سامنے تھے، یعنی بڑی پھوپھی جان، اور ہر شخص کی نگاہ مشتبہ انداز میں ان پر پڑ رہی تھی۔ بڑی پھوپھی جان کی حیثیت ایک دم مشکوک ہوگئی تھی لیکن اس سے بھی بڑا مسئلہ سامنے آگیا تھا جس کی وجہ سے حویلی میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ فوراً ہی مجلسِ مشاورت ہوئی اور چونکہ اب میں باقاعدہ ایک فریق کی حیثیت رکھتا تھا، مجھے بھی شریک کیا گیا۔ تمام بزرگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

"ہم لوگوں نے اصل میں کاظمی صاحب کو حد سے زیادہ اہمیت دے دی تھی۔ بھئی ایک وکیل ہے، اور کسی زمانے میں اس خاندان کے مفادات کا نگران رہ چکا ہے لیکن اب اس خاندان کے مفادات ہی کیا تھے جو اس کی نگرانی کی جاتی، لے دے کر یہ حویلی ہی رہ گئی ہے، تو ظاہر ہے یہ ہم سب کے سر چھپانے کا ٹھکانہ ہے، جو لوگ اپنا ہر حصہ وصول کرچکے ہیں انہیں بالکل اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ حویلی پر اپنے مزید اختیارات کا اظہار کریں۔"

"اس سلسلے میں آپ لوگ یقینی طور پر میرا ہی نام لینا چاہتے ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"دیکھو شعور میاں، بات اصل میں یہ ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اور یہ کم بخت دولت ایسی نامراد شے ہے کہ انسان کو وسوسوں میں مبتلا کرتی ہی رہتی ہے، ہر شخص کے بارے میں کچھ نہ کچھ سوچا جاسکتا ہے، خیر رقیہ خاتون بزرگ خاتون ہیں۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے بدنیتی کا مظاہرہ کیا ہوگا لیکن انسان فرشتہ نہیں ہوتا، رقیہ خاتون کا مسئلہ تو پس پشت جا پڑا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کاظمی صاحب کی موت کے بعد ہیروں کا صندوقچہ کہاں چلا گیا اور اس کے بارے میں معلومات کیسے حاصل ہوں۔"

"کاظمی صاحب نے کہا تھا کہ اس صندوقچے کو وہ کسی بینک کے لاکر میں رکھ دیں گے، گدھاپن تو ہم نے کیا ہے کہ انہیں اس کی اجازت دی۔ انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا

تھا اس بات کا............"

"ان باتوں کے بجائے کچھ اور حقائق پر غور کرنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ کاظمی صاحب کو قتل کردیا گیا ہے۔ پولیس تو ان کے قاتلوں کی تلاش میں ہوگی۔ ایسے لمحات میں بھلا ہماری دال کیا گلے گی۔ بلکہ ہم ہیروں کے ایسے کسی صندوقچے کا مسئلہ درمیان میں لاتے ہیں تو پولیس ہم میں سے کسی پر بھی شک کرسکتی ہے۔"

"بالکل کرسکتی ہے اور ہم یہ بالکل نہیں چاہیں گے کہ اگرچہ ہماری آپس کی دشمنی کتنی ہی شدید ہو تب بھی پولیس حویلی کی جانب متوجہ ہوسکے۔"

"ارے یہاں آپس کی دشمنیاں آخر ہیں کس میں............؟" غرض یہ باتیں ہوتی رہیں' کام کی ایک بھی بات نہیں ہوئی' ویسے صورتِ حال واقعی بڑی سنگین تھی' وہ قیمتی جوڑا بھی غائب ہوگیا تھا اور اب ہیروں کا صندوقچہ بھی خطرے میں پڑ گیا تھا۔

بہرحال میں نے کاظمی صاحب کی تدفین میں بھی حصہ لیا' آگے بڑھ کر کوئی کام نہیں کیا تھا میں نے لیکن دوسروں کی نسبت مجھ میں کام کرنے کی زیادہ صلاحیت تھی' مجھے وہ شخص یاد تھا جس کا نام ملک اعجاز تھا اور جب کاظمی صاحب یہاں آئے تھے تو ساری صورتِ حال ملک اعجاز کے سامنے بھی آئی تھی' گھر کے لوگ تو خیر بڑی چہ میگوئیاں کررہے تھے' بزرگ بابا عبدالحق پر بھی شبہہ کیا جارہا تھا جو غائب ہوگئے تھے' لیکن پھر ان عقلمندوں کو خود ہی یہ خیال آگیا کہ اگر عبدالحق کو یہی سب کچھ کرنا تھا تو وہ صندوقچہ ان لوگوں کو کیوں پیش کرتے' ویسے بھی اس عمر میں ایسا کوئی عمل نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے کسی کو ملک اعجاز کا حوالہ نہیں دیا اور خاموشی سے کئی دن گزار دیئے۔ غالبًا پانچواں دن تھا۔ کاظمی صاحب کے دفتر کے معاملات کیسے چل رہے تھے' مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن پانچویں دن تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد میں کاظمی صاحب کے آفس پہنچ گیا اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ کاظمی صاحب کے آفس

میں میری ملاقات سب سے پہلے ملک اعجاز سے ہی ہوئی تھی۔ ملک اعجاز نے جیسے ایک لمحے میں مجھے پہچان لیا۔ میں نے اس سے اپنا تعارف کرانا چاہا تو وہ جلدی سے بولا............

"میں آپ کو جانتا ہوں شعور صاحب! آپ براہ کرم تشریف رکھئے' میں یہ سوچ رہا تھا کہ حویلی کے کسی فرد سے ملاقات کروں اور اس سلسلے میں جب میں نے غور کیا تو آپ ہی مجھے سب سے زیادہ معتبر اور بہتر انسان نظر آئے۔ آپ یقین کیجئے کہ تھوڑے سے توقف کے بعد میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا کیونکہ واقعات کی نوعیت بے حد سنگین ہے۔" ملک اعجاز نے کہا۔

"آپ نے مجھے پہچان لیا ملک اعجاز صاحب!"

"ہاں۔ بالکل۔ ہماری ملاقات کو زیادہ وقت بھی نہیں گزرا اور پھر حویلی کے معاملات بڑی انوکھی حیثیت کے حامل ہیں اور ان میں آپ کی شخصیت سب سے نمایاں ہے' جس کی وجہ سے یہ سارا کھیل شروع ہوا ہے۔"

"کھیل............؟" میں نے ملک اعجاز کو غور سے دیکھا۔

"ہاں............ میں چاہتا ہوں آپ سے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔"

"آپ ضرور مجھ سے گفتگو کیجئے' لیکن آپ کو اس بات کا اندازہ ہونا چاہئے ملک صاحب کہ اس وقت حویلی کے رہنے والے شدید ذہنی انتشار کا شکار ہیں اور وہ ہیروں کے اس صندوقچے کے حصول کے خواہاں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" ملک اعجاز نے کہا۔

"وہ یہ بھی غور نہیں کرپائے کہ اب وہ اس بارے میں کس سے گفتگو کریں۔ آپ کا نام بھی ابھی تک ان کے ذہن میں نہیں آیا ہے ورنہ وہ آپ سے رجوع کرچکے

ہوتے۔"

"میں ان میں سے کسی کو مطمئن نہیں کرسکوں گا مسٹر شعور' ہاں اگر آپ مجھے ذاتی طور پر تھوڑا سا وقت دے سکیں تو ہمارے درمیان بڑی کارآمد گفتگو ہوسکے گی۔"

"میں حاضر ہوں ملک صاحب۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر یہاں سے اٹھتے ہیں' کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"کہاں چلیں..........؟"

"کوئی بھی مناسب جگہ۔ جہاں آپ پسند کریں' ویسے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کو اس سلسلے میں بڑی کارآمد معلومات فراہم کرسکتا ہوں۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اپنی جگہ سے اٹھ گئے لیکن میرے ذہن میں شدید تجسس پیدا ہوگیا تھا' میں جاننا چاہتا تھا کہ ایسی کون سی خاص بات ہے جو ملک اعجاز مجھے بتانا چاہتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد ہم ایک ریستوران میں داخل ہوگئے' بہت چھوٹا سا لیکن بہت پُرسکون تھا۔ ریستوران میں صرف چند افراد اور بیٹھے ہوئے تھے' ہم نے بھی ایک گوشہ منتخب کرلیا اور کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"کیا پئیں گے..........؟" وہ بولا۔

"کافی.........." میں نے کہا اور ویٹر کو اشارہ کردیا' ویٹر کے آنے پر میں نے اسے کافی لانے کے لئے کہا' اور پھر سوالیہ نظروں سے ملک اعجاز کو دیکھنے لگا۔ ملک اعجاز خود بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک چابی نکال کر میرے سامنے میز پر رکھ دی۔ میری نگاہ اس چابی کا جائزہ لینے لگی' کچھ لمحے تو بات سمجھ میں نہیں آئی' چابی کی چین پر ایک بنک کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن

کو ایک جھٹکا سا لگا' اور ملک اعجاز کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

"بالکل ٹھیک سمجھے آپ مسٹر شعور' یہ چابی اس بینک کے لاکر کی ہے جس میں ہیروں سے بھرا ہوا وہ صندوقچہ رکھا گیا ہے۔" میں چکرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ میرا دل کہہ رہا تھا کہ وہ کوئی اہم انکشاف کرنے والا ہے۔

ملک اعجاز کے ہونٹوں پر بدستور ایک پُراسرار سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور میرا چہرہ تصویرِ حیرت بنا ہوا تھا' کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد ملک اعجاز نے کہا۔

"آپ کو اتنا اندازہ ہے شعور صاحب کہ اس وقت جو کچھ میں آپ کو بتا رہا ہوں یا آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں' اس میں میری زندگی کے لئے کتنا بڑا خطرہ موجود ہے۔ کاظمی صاحب میرے استاد محترم تھے' بہت کچھ سیکھا ہے میں نے ان سے' میں ان کا جونیئر ہوں اور انہیں جس بے دردی سے قتل کردیا گیا ہے' کم از کم ان کے اتنا قریب ہونے کی وجہ سے' یہ بات تو مجھے معلوم ہے کہ ان کا اتنا بڑا دشمن کوئی بھی نہیں ہے' جو نفرت کے اظہار کے طور پر ان کی گردن اس طرح کاٹ کر پھینک دے۔ بے شک وہ وکیل تھے' بہت سے مقدمات ایسے ہوں گے جن میں لوگوں کو ان سے نفرت ہوگئی ہو' لیکن پچھلے کافی سال میرے اور ان کے ایک ساتھ گزرے ہیں ایسا کوئی دشمن میرے علم میں نہیں ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ ہیروں کا وہ پُراسرار بکس ان کے قتل کی وجہ بنا ہے جو ایک بینک کے لاکر میں محفوظ کردیا گیا تھا' اور اب ایک اور بڑی مشکل ہمارے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔"

"بڑی مشکل..........؟" میں نے سوالیہ انداز میں ملک اعجاز کو دیکھا۔

"جی ہاں.......... بہت بڑی مشکل..........!"

"ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں ملک صاحب..........!"

"جی فرمایئے............!"

"صندل کے اس صندوقچے میں ہیروں کی تعداد گن لی گئی تھی' آپ دونوں کے سامنے اسے بند کیا گیا تھا اور وکیل صاحب کے حوالے کردیا گیا تھا۔ اس بات کے امکانات تو خیر نہ ہونے کے برابر ہیں کہ ان میں سے کچھ ہیروں کو حاصل کیا گیا ہوگا یا انہیں تبدیل کیا گیا ہوگا لیکن یہ بات بے حد خطرناک ہے۔ کیا اس چابی کی ذمہ داری آپ نے قبول کرلی تھی؟ مطلب یہ ہے کہ یقیناً آپ کاظمی صاحب کے لئے اتنے ہی قابلِ اعتماد ہوں گے کہ انہوں نے یہ چابی آپ کے پاس محفوظ کردی............"

"آہ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ کاظمی صاحب بہت محتاط انسان تھے' کوئی بھی ایسا عمل نہیں کرتے تھے جو کسی طرح ان کی عزت پر حرف بن جائے' حیرانی کی بات تو یہی ہے کہ............ کہ لیکن اب جب میں نے آپ کو تفصیلات بتادی ہیں تو تھوڑا سا کام اور کرلیں' براہ کرم اس میں میری مدد کیجئے گا............"

"ہاں ہاں میں نے کب انکار کیا ہے آپ جس طرح بھی مناسب سمجھیں کریں۔"

"آپ سے رابطہ قائم ہوگیا اور میں سمجھتا ہوں یہ رابطہ مناسب انسان سے قائم ہوا ہے چنانچہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے اٹھتے ہیں' میں آپ کو ساری حقیقتوں سے روشناس کرادینا چاہتا ہوں............"

میں خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتا رہا' پھر ملک اعجاز نے ویٹر کو اشارہ کرکے بلایا۔ بل ادا کیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ملک اعجاز کی دوسری منزل وہ بینک تھا جس کا مونوگرام میں کی چین میں دیکھ چکا تھا۔ میں خاموشی سے ملک اعجاز کے ساتھ اندر داخل ہوگیا اور کچھ وقت کے بعد ہم لاکرز روم میں پہنچ گئے۔ ملک اعجاز اس وقت مجھے بے پُراسرار انسان نظر آرہا تھا۔ اس نے جیب سے چابی نکال کر لاکر کھولا اور میری متجسس نگاہوں نے اندر کا جائزہ لیا............ یہ دیکھ کر میں ششدر رہ گیا کہ لاکر خالی

تھا' اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ میری حیران نگاہوں نے ملک اعجاز کا جائزہ لیا لیکن ملک اعجاز کے چہرے پر وہ حیرت اور تجسس نہیں تھا جو میرے جیسا ہوتا۔ یعنی صندوقچے کو وہاں نہ پاکر............ بلکہ ملک اعجاز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آرہی تھی۔ میری آنکھوں نے اس سے سوال کیا تو وہ کہنے لگا۔

"ہاں' یہ بات مجھے معلوم تھی کہ لاکر میں صندوقچہ نہیں ہے۔ میں آپ کو یہی دکھانے کے لئے یہاں لایا تھا............ آیئے............"

لاکر بند کرکے ہم دونوں واپس پلٹے اور باہر نکل آئے۔ اپنی کار میں بیٹھ کر ملک اعجاز نے کہا۔

"اس سے پہلے بھی یہاں آکر میں یہ لاکر دیکھ چکا ہوں اور جیسا کہ آپ کے سوال کے جواب میں' میں نے آپ کو یہ بتایا تھا کہ کاظمی صاحب نے چابی کے سلسلے میں مجھ پر اعتماد نہیں کیا ہے بلکہ یہ چابی حیرت ناک طریقے سے مجھے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے حاصل ہوئی ہے۔"

"کیا............؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"جی ہاں' جو لباس میں پہنے ہوئے تھا' وہ میں نے اتار کر اسٹینڈ پر لٹکا دیا تھا۔ ٹیلی فون پر مجھے کاظمی صاحب کی موت کی اطلاع ملی' یہ ایک ایسی اطلاع تھی کہ ہوش وحواس قائم رکھنا مشکل ہوجائیں۔ وہی لباس پہن کر میں کاظمی صاحب کی طرف دوڑ پڑا اور اس کے بعد کی کارروائیوں کی تفصیل بے معنی ہے' آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اس کے بعد مجھ پر جو کچھ بھی بیتی' اس کی ایک الگ کہانی ہے' لیکن بعد میں جب میں نے کسی کام سے اپنی جیبوں کو ٹٹولا تو یہ چابی مجھے حاصل ہوئی۔ کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے شعور صاحب کہ کاظمی صاحب نے ہیروں کا وہ صندوقچہ میرے سامنے اس بینک کے لاکر میں نہیں رکھا تھا اور نہ ہی مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتائی تھی۔ اس کی

وجہ یہ نہیں کہ وہ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بے حد محتاط انسان تھے اور کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کرتے تھے جس سے کوئی غیر متوقع خطرہ لاحق ہوجائے' ان کی اس عادت کو میں بہت پہلے سے جانتا ہوں' چنانچہ کسی اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب یہ چابی مجھے اپنی جیب سے دستیاب ہوئی تو میں شدید حیرت میں ڈوب گیا اور میرے ذہن نے برق رفتاری سے کام شروع کردیا۔ اب یہ اندازہ لگانا تو خیر میرے لئے مشکل نہیں تھا کہ چابی اس بینک کے لاکر ہی کی ہے' چنانچہ میں برق رفتاری سے بینک پہنچا' اپنی حیثیت کا اظہار کرکے میں نے بینک کے رجسٹر میں لاکرز کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور میرا خیال یقین میں تبدیل ہوگیا.......... اس کے بعد میں نے یہ لاکر کھول کر دیکھا۔ میرے تصور میں یہی بات تھی کہ صندوقچہ اس لاکر میں ہوگا' لیکن لاکر اس طرح خالی تھا جس طرح آپ نے دیکھا۔ اسے خالی دیکھ کر میرے ذہن پر جو کچھ گذری دل تو چاہا کہ اسے چھپا جاؤں' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا آسان کام نہیں ہوگا..........
لیکن پیشے کے وقار اور ضمیر نے یہ اجازت نہیں دی کہ یہ مجرمانہ عمل کروں اور خاموش رہ جاؤں۔ البتہ حویلی میں جاچکا ہوں' جو لوگ وہاں موجود ہیں ان کا تھوڑا بہت تجزیہ بھی کرچکا ہوں اور اس سلسلے میں آپ سے معافی کا طلبگار ہوں کہ ان کے بارے میں میرے خیالات بہت خراب ہیں۔ بگڑے ہوئے وقت کے ایسے لوگ ہیں جو آپس میں لڑجھگڑ کر زندگی گزار رہے ہیں' کسی کو کسی پر کیچڑ اچھالنے کا موقع مل جائے تو ذرا بھی گریز نہ کرے' وہ ایک ایسے نوجوان کو اپنے گھر سے نکال دینا چاہتے ہیں جو ہر ایک کے لئے بے ضرر ہے اور صحیح معنوں میں اس نے یہ دنیا ٹھیک سے دیکھی بھی نہیں ہے' قدرتی طور پر میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہونی چاہئے تھیں' اور یہ شکر ہے کہ آپ سے اس طرح میری ملاقات ہوگئی اور میں نے یہ حقیقت آپ کو بتادی' اصل

میں شعور صاحب اب میں وہ بات کہہ رہا ہوں آپ سے جو میرے دل میں ہے اور میں خصوصی طور پر کہنا چاہتا ہوں' میں آپ کو یہ بیان اعتراف کے طور پر لکھ کر دے سکتا ہوں کہ یہ چابی پُراسرار طور پر میرے پاس پہنچی ہے اور ہیروں کا صندوقچہ غائب ہوچکا ہے' اس کے بعد آپ اگر چاہیں تو شوق سے پولیس سے رابطہ قائم کرکے اس سلسلے میں تحقیقات کراسکتے ہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آنے والے وقت میں بلکہ شاید بہت جلد کاظمی صاحب مرحوم کے معاملے میں پولیس کو مصروفِ عمل کیا جائے گا' ہاں اس وقت کم از کم میں اس بات کا اظہار بالکل نہیں کروں گا کہ چابی مجھے اپنی جیب سے دستیاب ہوئی یا یہ بات میرے علم میں ہے کہ ہیرون کا صندوقچہ لاکر سے غائب ہے۔ باقی سارے معاملات اسی طرح ڈیل کئے جاسکتے ہیں یہ سب کچھ بھی میرے ذہن میں ہے۔ یہ تو صرف میں آپ سے تعاون کررہا ہوں اب آپ مجھے فیصلہ کرکے یہ بتائیے کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہئے؟"

"ملک صاحب' جب آپ نے اس طرح مجھ پر اعتبار کرکے مجھے اندرونی معاملات یہاں تک بتائے ہیں تو انسان اپنی تنہائیوں میں ایک دوسرے کا سہارا تلاش کرتا ہی ہے' میں اگر یہ چاہوں کہ آپ میری مدد کریں اس بارے میں تو کیا آپ یہ پسند کریں گے؟"

"کس طرح کی مدد؟"

"دیکھئے بات اصل میں یہ ہے مجھے ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا' مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میرے تایا مرحوم ترکے میں والد صاحب کے حصے کی تمام دولت میری تعلیم پر خرچ کرچکے ہیں' نہ کبھی مجھے اس بارے میں کچھ بتایا گیا نہ میرے علم میں ایسی کوئی بات تھی۔ اب اگر ایسا ہوگیا ہے تو میں نے تو صرف یہ سوچا تھا کہ جس طرح اس حویلی کے مکیں اپنی اپنی ذمے داریاں پوری کرکے یہاں مشترکہ طور پر زندگی

گزار رہے ہیں میں بھی اسی طرح ان لوگوں کے درمیان اپنی زندگی کا آغاز کردوں گا کیونکہ یہ سب میرے خون کے رشتے دار ہیں' چچا' تایا' پھوپھی' نہ جانے ان سب نے کیوں مجھے ہی اپنی زندگی سے خارج کردیا ہے' آپ یقین کیجئے مجھے اس کی وجہ نہیں معلوم اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اب وہ میرے وجود کو بھی اس عظیم الشان حویلی میں برداشت نہیں کرپارہے اور بقول ان کے وہاں ایک کمرہ تک میرے لئے نہیں ہے' آپ غور کریں ملک صاحب' یہ تو ایک طرح کی ذاتی دشمنی جیسی بات ہے' اس کے بعد میرا کیا رویہ ہونا چاہئے' اب اس قدر فرشتہ صفت بھی نہیں ہوں میں کہ ان کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہ دوں' میں خود بھی اب ان لوگوں سے دوستی نہیں رکھ سکتا' مجھے وہاں سے ہٹنا تو ہوگا کیونکہ اس گفتگو کے بعد وہ سب میرے لئے اجنبی ہوگئے ہیں' لیکن ہیروں کے معاملے کو میں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔ پولیس کو اس کی تحقیقات کرنا ہوگی۔"

"میری ایک اور رائے ہے۔"

"جی فرمائے۔"

"میرا خیال ہے کچھ وقت کے لئے خاموشی اختیار کرجاؤ' جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ نہ کرو' ان لوگوں کا رویہ دیکھو یہ اندازہ لگاؤ کہ اب یہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھو' برا نہ ماننا وہ سب تمہارے عزیز ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی نے کاظمی صاحب مرحوم سے گٹھ جوڑ کیا ہو اور انہیں اس بات پر آمادہ کرلیا ہو کہ ہیروں کا وہ صندوقچہ اس کی تحویل میں آجائے اور بعد میں کاظمی صاحب اور وہ مل کر اس کی تقسیم کرلیں' اور جب کاظمی صاحب نے اس گیم میں حصہ لینے پر آمادگی ظاہر کردی ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا ہو تو اس کے بعد سب سے پہلے کاظمی صاحب کو ہی راستے سے ہٹادیا گیا ہو' اصل میں' میں تو وکیل ہوں' جرائم کے کیس ہمارے پاس آتے رہتے ہیں' اور ہم ان پر غور کرکے ان کی اصلیت کا اندازہ لگاتے

رہتے ہیں' اسی بناء پر یہ تصور میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے' میرا مطلب یہ ہے کہ مائی ڈیئر مسٹر شعور' ابھی تم اس حویلی میں رہو اور ذرا سخت گیری اختیار کرو۔ اب تو یہ ہیروں والا معاملہ بھی سامنے ہے' تم اپنے رویے کو خراب کرکے یہ کہہ سکتے ہو کہ تم آسانی سے ان کا پیچھا نہیں چھوڑو گے اور اصل میں یہ پتہ لگانے کی کوشش کرو کہ اگر کسی نے کاظمی صاحب سے گٹھ جوڑ کرکے وہ صندوقچہ حاصل کیا ہے تو وہ کون ہے............؟ میرا اور تمہارا خفیہ ساتھ رہے گا' اور میں اس سلسلے میں تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔ بے فکر رہنا کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا' یہ میری ذمے داری ہے بعد میں اصل مجرم کو سامنے لاکر ہم ساری حقیقتیں معلوم کرلیں گے۔"

ملک اعجاز کی یہ بات مجھے بہت اچھی لگی اس وقت تو کیفیت یہی تھی کہ دوست نام کی کوئی شے مل جائے تو اس کے پاؤں دھو دھو کر پیوں' ایک عجیب سی تنہائی کا شکار ہوگیا تھا۔ میں نے ملک اعجاز سے کہا............

"ملک صاحب دولت تو آنی جانی چیز ہے' نہ میں بزدل انسان ہوں نہ اپنے آپ کو ناکارہ سمجھتا ہوں' آپ یقین کیجئے مجھے تو صرف چند اپنوں کا سہارا درکار تھا زندگی تو بہترحال ہاتھ پاؤں ہلانے سے ہی رواں دواں رہتی ہے' اگر تھوڑی بہت رقم یا دولت کہیں سے اتفاقیہ طور پر حاصل ہوجائے تو ساری زندگی تو ساتھ نہیں دے پاتی اور فرض کیجئے اگر ان ہیروں میں سے تھوڑا سا حصہ مجھے مل بھی جاتا' تو زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا' اس کی قیمت وصول کرکے تھوڑا سا اچھا وقت گزر جاتا' ایک گوشے میں بیٹھ کر تو وقت نہیں گزار سکتا تھا میں۔"

"بے شک لیکن بہرحال اپنا حق غاصبوں کے قبضے میں کیوں جانے دیا جائے۔ آپ اپنے طور پر جدوجہد کیجئے اس بات کا تو پتہ چل جائے گا کہ اس عمل کا ذمہ دار کون ہے۔"

"جی شاید..........." میں نے کہا۔ بہرحال ملک اعجاز سے رخصت ہوگیا تھا لیکن ذہن الجھا ہوا تھا' ایک ایک شخص کی طرف دھیان جارہا تھا' ویسے تو یہ سارے کے سارے چالاک لوگ تھے۔ تایا' چچا' پھوپھا' اور پھران کی بیگمات ایک سے ایک شاطر۔ بات صرف میرے حصے کی ہی تو نہیں تھی ایک خزانہ دریافت ہوا تھا' اور حقیقتاً صندوقچے میں ہیروں کا جو ذخیرہ موجود تھا اس کی صحیح مالیت کا اندازہ تو خیر میں بھی نہیں لگا سکا تھا لیکن ایسا ضرور تھا کہ وہ بہت بڑی قیمت رکھتا تھا' اس سے متعلق وہ روایت بھی عجیب تھی۔ اب یہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ روایت بابا عبدالحق صاحب کی من گھڑت تھی یا پھر اس میں سچائی تھی' روایتیں بہرحال روایتیں ہوتی ہیں' پھر بابا صاحب نے جس پُراسرار طریقے سے وہ صندوقچہ محفوظ رکھا تھا اور اس کے بعد خود غائب ہوگئے تھے۔ یہ ساری باتیں سمجھ میں نہ آنے والی تھیں۔ حویلی واپس آنے کے بعد میں اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔ ان لوگوں کو نہ جانے مجھ سے یہ نفرت کیوں تھی' حالانکہ انسان صرف انسانیت کے رشتے سے ہی ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرلیتا ہے' لیکن پتہ نہیں سب کے سب ہی مجھ سے الگ الگ رہتے تھے' یہاں تک کہ میرے ہم عمر بھی' پھر بہت دیر کے بعد تایا احتشام صاحب کی طرف سے طلبی ہوئی اور میں اس بڑے ہال کمرے میں داخل ہوگیا جہاں پورا خاندان جمع تھا' دیکھ کر ہی احساس ہوتا تھا کہ جس کا یہ خاندان ہو اسے بھلا باہر کے کسی شخص کی کیا ضرورت درپیش رہے گی یہ سب ہی کافی ہیں۔ میں ان کے درمیان جاکر بیٹھ گیا سب کے چہروں سے ایک ہی احساس ہوتا تھا بے زاری کا احساس' کوئی پذیرائی نہیں تھی' پھر تایا صاحب نے کہا۔

"تمہیں اس لئے بلایا گیا ہے کہ بعد میں یہ نہ کہو کہ ہم لوگوں نے تمہارے خلاف کوئی سازش کی ہے۔ ساری حقیقت تمہارے علم میں آگئی ہے اب بتاؤ کہ کیا کرنا چاہئے وکیل صاحب صندوقچے کو قبضے میں کرنے کے بعد جہنم رسید ہوگئے۔ اصولی طور پر یہ

غلط تھا' میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے مجرمانہ طور پر ہمارے مال پر قبضہ کیا' اب یہ الگ بات ہے کہ خود ان کے کسی آدمی نے انہیں مصیبت میں ڈال دیا' تمہیں یاد ہے وہ شخص جو ان کا اسسٹنٹ تھا' اور جس کا نام ملک اعجاز تھا اس وقت ان کے ہمراہ تھا جب صندوقچہ انہوں نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا............"

"جی............"

"ذمہ داری اس پر بھی عائد ہوتی ہے۔ ہم اب یہ معاملہ پولیس کے حوالے کرنے جارہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ بابا عبدالحق روپوش ہوگئے ہیں' اب یہ پولیس جانے اور اس کا کام جانے کہ وہ اصل شخصیت کو کس طرح تلاش کرتی ہے لیکن ایف' آئی' آر لکھوائی جارہی ہے' تمہاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟"

"ویسے تو آپ لوگ جس طرح چاہیں عمل کرسکتے ہیں' مجھے اعتراض نہیں ہے' ظاہر ہے ہیروں سے بھرا ہوا وہ صندوقچہ وکیل صاحب نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد ساری تفصیل انہیں ہی معلوم ہوگی' اب انہیں کس نے قتل کیا یہ ایک الگ بات ہے۔"

"دیکھو صاحبزادے' میری تو یہ رائے ہے کہ اس سلسلے میں بڑھ چڑھ کر بات کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ وکیل کاظمی صاحب کے قاتل تم بھی ہوسکتے ہو' میں بھی ہوسکتا ہوں' ظاہر ہے ہم میں سے کوئی بھی ان ہیروں کے لئے یہ کوشش کرسکتا ہے' یہ مت بھولو کہ پولیس ہم پر بھی شک کرے گی' بعد میں یہ نہ کہنا کہ ہم نے تمہیں پھنسایا۔"

تایا احتشام صاحب کے الفاظ پر میرا منہ حیرت سے کھل گیا تھا' اس قدر احمق اور جاہل بھی نہیں تھا کہ تایا صاحب کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہ کرتا' یا وہ بات سمجھ میں نہ آتی............ تایا صاحب کا کہنا یہ تھا کہ پولیس اس معاملے کو آگے بڑھائے

گی‘ چھان بین کرے گی اور ہو سکتا ہے وہ اس بات پر شک کرنے لگے کہ کہیں ہم میں سے ہی کسی نے تو کاظمی صاحب کو قتل نہیں کر دیا‘ یہ سب تو یکجا تھے‘ بات صرف میری تھی جسے زبردستی اجنبی بنا دیا گیا تھا‘ اب اس سے زیادہ قوتِ برداشت مجھ میں نہیں تھی تاہم میں نے اپنے آپ پر قابو پا کر سرد لہجے میں کہا............

”تایا صاحب اگر آپ سب لوگ مجھ پر کوئی الزام لگانا چاہتے ہیں یا اس سلسلے میں میرا نام لینا چاہتے ہیں تو اپنا یہ شوق ضرور پورا کیجئے گا‘ زندہ تو میں بھی رہنا چاہتا ہوں اور زندگی بچانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ آپ لوگ پوری پوری کوشش کر لیجئے گا کہ کاظمی صاحب کے قتل میں مجھے ملوث کر کے ہیروں میں سے میرا حصہ نکال سکیں۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو تم.......... ہم میں سے کسی کا یہ مقصد نہیں ہے۔“

احتشام علی صاحب نے کہا لیکن ان کے الفاظ پر کچھ اس طرح طبیعت جھنجلا گئی تھی کہ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔

بہرطور ان لوگوں کے رویے پر اب اپنے آپ کو مزید احمق بنانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا‘ وہ سب بھی ساکت رہ گئے تھے‘ اس کے بعد میں حویلی میں نہیں رکا اور باہر نکل آیا۔ دل میں بڑی اداسیاں تھیں‘ الجھنوں کا تو خیر اپنا ایک الگ ہی مقام تھا‘ یہ واقعہ جو پیش آیا تھا بڑی مختلف نوعیت کا حامل تھا‘ لیکن ان لوگوں نے جو طریقۂ کار اختیار کیا تھا وہ ناقابلِ فہم تھا‘ میں یہ سوچنے لگا کہ لندن واپسی تو اب ممکن نہیں ہے میرے لئے‘ نہ ذرائع تھے نہ وسائل۔ یہیں رہنا ہو گا بہتر تو یہ ہے کہ یہ شہر ہی چھوڑ دیا جائے یہاں سے نکل جاؤں کم از کم خاندانی شناخت تو نہ ہو گی‘ لوگ یہ تو نہیں کہیں گے کہ کس خاندان کا فرد ہے اور اس کے خاندان کے لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ یہ بھی نہ کہہ پائیں گے کہ یہ ہی برا آدمی ہو گا‘ وقت گزر ہی جائے گا کہیں نہ کہیں نوکری کر ہی لوں گا۔ یہ تمام احساسات دل میں تھے اور میں یونہی آوارہ گردوں کی

طرح پیدل چلا جا رہا تھا‘ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی‘ ملک اعجاز نے بہرحال برا سلوک نہیں کیا تھا‘ میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی وہ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ میں تقریباً سارا ہی دن آوارہ گردی کرتا رہا اور ان احساسات میں ڈوبا رہا۔ دل کو ایک دکھن کا احساس تھا۔ اس وقت میں ساحلِ سمندر کے ایک ایسے گوشے میں بیٹھا ہوا تھا جہاں چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی تھیں‘ ذرا دور دراز علاقہ تھا‘ اور خاصہ پیدل سفر کر کے یہاں تک آنا پڑتا تھا‘ بہت کم لوگ ادھر آتے تھے کیونکہ ناہموار راستے کی بناء پر کاریں وغیرہ بھی ادھر نہیں آ سکتی تھیں‘ ایک چٹان پر بیٹھا میں سمندر کی مضطرب لہروں کو دیکھ رہا تھا کہ عقب سے قدموں کی چاپ سُنائی دی‘ غیر اختیاری طور پر نگاہیں اس جانب اٹھ گئیں‘ کوئی بھی آ سکتا تھا وہاں‘ ظاہر ہے کسی پر پابندی تو نہیں تھی‘ لیکن آنے والے کی شخصیت دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سکتے میں رہ گیا تھا‘ ایک انتہائی حسین دراز قامت لڑکی تھی‘ سیاہ لباس میں ملبوس تھی‘ بدن ایک مخصوص انداز کے لباس سے پورے کا پورا ڈھکا ہوا تھا۔ یا تو شام کے جھٹپٹے یا سیاہ لباس کے درمیان نظر آنے والا چہرہ یا پھر میرا ذوقِ نگاہ‘ میں اس حسین وجود کو دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا تھا‘ اس قدر خوبصورت لڑکی تھی کہ دیکھ کر ذہن پر ایک عجیب سا تاثر قائم ہوتا تھا‘ اس کی آنکھوں میں زندگی کا سارا حسن چھپا ہوا تھا‘ ہونٹوں کی تراش خراش اس قدر دلکش کہ سمجھ میں نہ آئے کہ اسے کیا الفاظ دیئے جائیں۔ گہرے گھنے سیاہ بالوں کی لٹیں‘ چہرے پر بکھری ہوئیں‘ ہوا سے اڑتی ہوئیں‘ ویسے تو خیر کسی ایسی حسین لڑکی کا نظر آ جانا اس قدر تعجب خیز بات نہیں تھی یہ تو آپ کا اپنا ذوقِ نگاہ ہے کہ کسی کے حسن کو کوئی بھی نام دے لیجئے لیکن وہ تنہا تھی اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ میری ہی سمت آ رہی ہے‘ بس یہ بات ذرا حیرت ناک تھی‘ میں کسی قدر بدحواسی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا‘ میرے قریب پہنچ کر اس نے نہایت پُراخلاق لہجے میں مسکرا کر

کہا..........

"ہیلو.......... آپ کی تنہائی میں مداخلت کے لئے معافی چاہتی ہوں جناب۔"
میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور سحرزدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تو وہ بولی۔

"میں آپ ہی کے پاس آئی ہوں۔ بعض معاملات میں نام وغیرہ بتانا ذرا کچھ غیر مناسب ہی رہتا ہے' اور اس وقت میں بھی اس مجبوری کا شکار ہوں' لیکن ایک پیغام دینا تھا آپ کو۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ پیغام اس شخص تک پہنچا دیں' جس تک میں اسے پہنچانا چاہتی ہوں.........."

کوشش کے باوجود میرے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا..........

"ہیروں کا وہ صندوقچہ جو طور علی کا تحفہ تھا اور انہوں نے اپنی منہ بولی بہن کو دیا تھا' کسی اور کی ملکیت میں جانا ممکن نہیں ہے' اب یہ فیصلہ تو طور علی ہی کرسکتے ہیں کہ انہیں اس تحفے کا کیا کرنا ہے لیکن آپ اس غاصب کو بتا دیجئے گا کہ وہ اسے اپنی تحویل میں نہ رکھ سکے گا' وکیل کاظمی کا حشر وہ دیکھ چکا ہے' بدنیتی کی سزا بری ہوتی ہے' زندگی قیمتی شے ہے' بات اگر کسی کی امانت کی نہ ہوتی تو طور علی اس پر کوئی توجہ نہ دیتے' لیکن امانت امانت ہوتی ہے اور صاحبِ امانت خود فیصلہ کرتا ہے کہ اس کا ترکہ کسے منتقل ہو۔ آپ صرف اس سے اتنا کہہ دیجئے کہ صندوقچہ واپس اسی جگہ رکھوا دیا جائے' جہاں وہ موجود تھا.........."

میرا سارا وجود کپکپا کر رہ گیا تھا' جو کہانی وہ سنا رہی تھی' وہ بے حد پُراسرار تھی اور اس جیسی پُراسرار شخصیت کی زبان سے وہ انوکھا نام سن کر جس کی داستان مجھے بابا عبدالحق نے بتائی تھی' میں دنگ رہ گیا تھا' اس نے ایک گہری نگاہ مجھ پر ڈالی اور واپسی کے لئے پلٹ پڑی۔ بہت ہی مختصر لمحات دیئے تھے اس نے مجھے اور میں شدید حیران رہ

گیا تھا' ہرچند کے اعصاب کشیدہ ہوگئے تھے اور جو کچھ اس نے مجھے بتایا تھا' اسے سن کر میں اپنی کیفیت پر قابو نہیں پاسکتا تھا' لیکن اچانک ہی میرا جسم متحرک ہوگیا' اس دوران وہ کئی قدم آگے بڑھ گئی تھی۔ میں نے بمشکل تمام ہمت کرکے اس سے کہا۔"

"ذرا سنئے۔ میری بات سنئے۔" اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا لیکن قدم نہ روکے اور چٹانوں کے درمیان آگے بڑھتی رہی' میں نے رفتار تیز نہیں کی تھی' کہ اس کے قریب پہنچ جاؤں البتہ میں نے پھر کہا..........

"آپ یہ بات کم از کم مجھے بتایئے تو سہی کہ آپ کی دی ہوئی ہدایات میں کسے دوں..........؟" اس نے بدستور آگے بڑھتے ہوئے ایک بار پھر گردن گھمائی اور بولی۔

"ذرا سی فہم سے کام لیجئے گا تو آپ کے لئے یہ جاننا مشکل تو نہیں۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے ششدر کردیا ہے' جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں آپ خود بھی جانتی ہیں کہ وہ میرے لئے کس قدر پُراسرار ہے' لیکن میں اس قدر ذہنی پہنچ نہیں رکھتا' آپ مجھے بتایئے تو سہی کہ یہ سب کچھ میں کسے سمجھاؤں۔" اس دوران ہم دونوں چٹانی علاقے سے نکل چکے تھے اور اب پُررونق جگہ آگئی تھی۔ اس نے رک کر مجھے دیکھا پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگی' میں نے سیاہ رنگ کی ایک لمبی کار کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا تھا' وہ آخری اسٹون کے پاس رکی پھر آہستہ سے بولی..........

"میں ملک اعجاز کی بات کررہی ہوں' آپ اسی سے رجوع کیجئے' وہ دوہرا کھیل کھیلنے کی کوشش کررہا ہے لیکن کامیاب نہ ہوپائے گا۔" یہ کہہ کر وہ سیاہ رنگ کی کار کا عقبی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ لپک کر اس کے پاس جاکر بیٹھ جاؤں' اس سے مزید سوالات کروں' لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے

کار تیز رفتاری سے آگے بڑھا دی تھی اور ساحل کی ریت نے میرے اور اس کے درمیان گرد کا غبار کھڑا کر دیا تھا' میں چہرے کو صاف کرتا رہ گیا اور کچھ لمحوں میں کار میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی' کیا حیرتناک بات تھی۔ ایک کے بعد ایک پُراسرار واقعہ میرے علم میں آرہا تھا' اور عقل ساتھ چھوڑتی جارہی تھی' لیکن جو کچھ وہ کہہ کر گئی تھی کیا واقعی وہ قابلِ یقین ہے یا پھر یہ سازش اپنے تانے بانے زیادہ سے زیادہ الجھاتی چلی جارہی ہے' بڑی دیر تک میں اپنی جگہ ساکت کھڑا یہی سب کچھ سوچتا رہا اگر کوئی مجھ پر غور کرلیتا تو یہ سوچتا کہ میں شاید کوئی دیوانہ ہوں جو ایک ہی جگہ کھڑا پتھرائی ہوئی نگاہوں سے ایک ایک کو دیکھ رہا ہے۔

پھر خود ہی ہوش وحواس کی واپسی ہوئی' اور میں بوجھل قدموں سے چلتا ہوا ایک ساحلی ریستوران میں آبیٹھا۔ اپنے لئے کافی طلب کی اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بڑے پریشان کن واقعات تھے' ایک جانب وہ حسین لڑکی میرے دل و دماغ پر عجیب سا اثر چھوڑ گئی تھی تو دوسری جانب اس کے کہے ہوئے الفاظ جن پر یقین نہ آئے۔ کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے ملک اعجاز کی باتیں یاد آئیں' کس عمدگی کے ساتھ اس نے مجھے کاظمی کی داستان سنائی تھی اور کس طرح چابی کا واقعہ بیان کیا تھا' پتہ نہیں اس نے ایسا کیوں کیا تھا' حالانکہ وہ اس معاملے میں مکمل طور پر ذمہ دار نہیں تھا' اور کوئی بھی سختی کے ساتھ اس سے یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ چابی کہاں ہے؟ یا کون سے بینک کے لاکر میں وہ صندوقچہ محفوظ کیا گیا ہے' وہ صاف گوئی سے کہہ سکتا تھا کہ وہ تو صرف ایک اسسٹنٹ ہے' سارے معاملات کاظمی صاحب ہی جانتے ہیں' اس کے بعد کاظمی صاحب کی موت کا خیال آیا' ویسے تو خیر انسان کا قتل ہوجاتا ہے' یا کوئی بھی جرم ہوجاتا ہے' پچاس معاملات ہوتے ہیں' لیکن جس طرح کاظمی صاحب کی گردن کاٹ کر دور پھینک دی گئی تھی اس سے قاتل کی سفاکی کا اظہار

ہوتا تھا اور یہ بھی ذرا سوچنے کی بات تھی.........

بہرحال گزرنے والا ہر لمحہ میرے لئے ایک نئی کہانی کا آغاز کردیتا تھا۔ میں پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ریستوران میں بھی اکا دکا افراد ہی تھے' پھر میں کافی کا بل ادا کرکے وہاں سے باہر نکل آیا کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں بڑی عجیب وغریب صورتِ حال میں مبتلا تھا۔ کافی دیر تک یونہی ٹہلتا رہا اور جب خوب رات ہوگئی تو واپسی کے لئے چل پڑا' ایک پُراسرار حسین لڑکی اس بات کا اظہار کرگئی تھی کہ ہیروں کا صندوقچہ ملک اعجاز نے اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔ بستر پر لیٹنے کے بعد جب حالات پر غور کیا تو بات کچھ سمجھ میں بھی آئی۔ ہوسکتا ہے ملک اعجاز صرف اپنے تحفظ کے لئے میرا سہارا حاصل کرکے کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہو۔ یہ لوگ کتنے برے لوگ تھے جنہوں نے مجھے ایک طرح سے اپنے آپ سے دور کردیا تھا' ورنہ گھر کے بزرگ تھے سب میرے گہرے رشتہ دار' ان سے اس موضوع پر گفتگو کرکے بہت کچھ کرسکتا تھا لیکن کیا کرتا کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ کچھ دیر تک جاگتے ہوئے آئندہ کے بارے میں فیصلے کرتا رہا آخر کار یہی سوچا کہ ملک اعجاز سے ملاقات کرکے' ذرا مختلف رویہ اختیار کروں گا اور اسے اس بات پر مجبور کروں گا کہ ہیروں کا وہ صندوقچہ اپنی تحویل میں رکھنے کی کوشش نہ کرے' لیکن اسے پہنچانا کہاں ہوگا۔ کیا بابا عبدالحق کے پاس اس جگہ جہاں وہ پہلے سے محفوظ تھا' یا پھر اس سلسلے میں بھی میری راہنمائی ہوگی۔ انہی سوچوں میں گم رہا تھا۔ دوسرے دن کے معاملات عام دنوں سے مختلف نہیں تھے' تیاریاں وغیرہ کرنے کے بعد باہر نکل آیا اور اس کے بعد کاظمی صاحب کے دفتر پہنچا' یہاں کچھ کلرک بیٹھے ہوئے تھے۔ ملک اعجاز موجود نہیں تھا۔ کورٹ گیا ہوا تھا۔ میں نے کورٹ کا ہی رخ کیا تھا' وہاں پر ملک اعجاز سے ملاقات ہوگئی وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑا تھا۔

"آپ سے بہت ضروری گفتگو کرنی ہے ملک صاحب' یقیناً آپ مصروف ہوں گے۔"

"نہیں میرا جو کام تھا وہ میں نمٹا چکا ہوں اس کے بعد بار روم میں جانا تھا لیکن آؤ کینٹین چلتے ہیں' کوئی خاص بات ہے۔"

"ہاں!" تھوڑی دیر کے بعد ہم کینٹین میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کینٹین کی بدنما پیالیوں میں چائے پیتے ہوئے میں نے کہا۔

"ملک صاحب یہ تو میں آپ کو نہیں بتاؤں گا کہ میری معلومات کا ذریعہ کیا ہے' البتہ اتنا کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ جو کچھ مجھے معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔" ملک اعجاز کے ہاتھ میں چائے کی پیالی لرز گئی تھی' جسے میں نے صاف محسوس کیا تھا' اس نے تعجب سے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ملک صاحب! ہیروں کا وہ صندوقچہ آپ کی تحویل میں ہے اور اس کے لئے میرا مشورہ ہے۔ کہ اسے واپس حویلی پہنچا دیں' بلکہ کسی کو بتائے بغیر اسے اس جگہ رکھ دیں جہاں وہ پہلے محفوظ تھا۔ بابا عبدالحق کے کوارٹر کے بارے میں آپ کو تفصیل بتا دوں گا۔ ملک صاحب مجھے اس صندوقچے سے کوئی حصہ نہیں چاہئے۔ وہ ایک پُراسرار حیثیت کا حامل ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ اس کی وجہ سے کچھ اور لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑے' ہیروں کے اس صندوقچے کے ساتھ ساتھ کچھ خاندانی روایات ہیں ہماری اور اتفاق سے مجھے' انہی روایات میں سے کچھ اشارے ملے ہیں۔ حالانکہ میری عقل انہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میں نے ایک جدید ملک میں زندگی گزاری ہے' جہاں توہمات تو بے شک ہیں لیکن ہر شخص کے ساتھ نہیں' میں بھی ان سے دور رہا ہوں۔"

"ایک منٹ' ایک منٹ۔ میاں ایک منٹ' کہنا کیا چاہتے ہو؟" ملک اعجاز کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"پہلی بات تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے لہجے سے تلخی دور کر دیں بلکہ یہ سوچیں کہ ایک دوست جسے دنیا نے ٹھکرا دیا ہے' آپ کی دوستی اور زندگی کا خواہشمند ہے۔"

"صاف لفظوں میں کہو کہ صندوقچے کی گمشدگی کا الزام مجھ پر لگانا چاہتے ہو اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں اس حویلی کے رہنے والوں میں ایک شریف اور پڑھا لکھا نوجوان سمجھ کر اس راز سے آگاہ کر دیا تھا۔ حقیقت تو مجھے معلوم ہو ہی چکی تھی۔ میں چاہتا تو خاموشی کے ساتھ اپنی گلو خلاصی کر لیتا اور چابی کا حوالہ تک کسی کو نہ دیتا' لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ غلطی ہو گئی تھی۔ خیر وہ ایک الگ بات ہے لیکن تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کی نوعیت بڑی سنگین ہے۔ صاحبزادے! ایک بات سن لو مجھے اس صندوقچے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم نہ ہی میں نے اس کے حصول کی کوشش کی ہے' نہ وہ میری تحویل میں ہے۔ اس کے باوجود اگر تم مجھ پر اس طرح کا کوئی الزام لگاؤ گے تو پولیس کے سامنے میں یہ کہہ دوں گا کہ میں نے کوئی ایسی فضول بات تم سے نہیں کہی بلکہ شاید اس کے بعد تمہارے سلسلے میں میرے خیالات بھی بہت خراب ہو جائیں۔"

"آپ کے اس فیصلے میں کوئی گنجائش ہے ملک صاحب۔"

"میں نے کہا نا تم نے رات بھر میں اور ان لمحات میں صرف یہی سوچا ہے کہ وہ ہیرے میری تحویل میں ہیں۔ یہ تمہاری عمر کی ناتجربہ کاری ہے۔ عقل و دانش سے کام لیتے تو ایسا نہ سوچتے' اب اس سے زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نہ کرو۔ چائے کا بل میں ادا کر رہا ہوں۔ اپنے حصے کی چائے ختم کرنا اور یہاں سے چلے جانا' باقی معاملات میں تم خود سمجھ دار ہو۔" ملک اعجاز اپنی کرسی سے اٹھا۔ میرا منہ ایک لمحے کے لئے کھلا اور پھر

بند ہو گیا۔ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی‘ وہ چلا گیا اور میں بیٹھا سوچتا رہ گیا‘ کہ کیا کرنا چاہئے مجھے۔ پھر اچانک ہی دل کو احساس ہوا کہ زندگی تو خیر اجنبی اور تنہا گزرنی ہی ہے‘ لیکن کیوں نہ ان دلچسپ معاملات میں ذرا تفریح کرلوں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ اس پُراسرار صندوقچے کا کیا راز ہے۔ بابا عبدالحق نے جو تفصیل بتائی ہے وہ صرف ان کی ذہنی اختراع تھی یا خاندان کے کسی بزرگ سے عقیدت۔ اور تو کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے بعد ہیروں کا معاملہ آتا تھا تو اس بارے میں غور کرنے سے یہی سمجھ میں آتا تھا کہ زندگی اس کائنات میں سب سے قیمتی ہیرا ہے اور ہر طرح کے ہیرے زندگی میں ہی کام آتے ہیں بشرطیکہ زندگی قائم و دائم رہے۔ اس سے پہلے زندگی کی حفاظت کی جائے بعد میں باقی سب کچھ سوچا جائے‘ اب جیسے خاندان کے لوگ۔ ابھی تو ٹھیک سے بات منظرِ عام پر نہیں آئی کہ کاظمی صاحب کی موت کے بعد ہیروں کے اس صندوقچے کا کیا ہوگا۔ اہلِ خاندان تو شاید اس سے اپنا سارا مستقبل وابستہ کرچکے تھے‘ بہت سی لڑکیوں کی شادی کے معاملے طے ہوگئے ہوں گے‘ بہت سے نوجوانوں نے کاریں خریدلی ہوں گی اور اپنی گرل فرینڈز کو دعوت نامے جاری کردیئے ہوں گے کہ بس اب دکھ بھرے دن بیت گئے اور سکھ کی کہانی شروع ہوگئی لیکن یہاں تو کھیل ہی الٹا ہوگیا تھا اور کھیل جب اس طرح الٹ جاتے ہیں تو پھر خطرناک حالات پیدا ہوجاتے ہیں۔ وہ لوگ تو پھر بھی ایک دوسرے میں شیروشکر ہیں۔ میں تنہا رہ جاتا ہوں جس پر سب کے عتاب نازل ہوسکتے ہیں اور جس پر ہر طرح کا شک سب سے آسان ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اب مجھے جو کچھ کرنا تھا خوب سوچ سمجھ کر کرنا تھا۔ اب اگر کوئی بھی غلط قدم اٹھ گیا تو مجھے تو سمجھانے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ حالانکہ اس وقت اس بارے میں سب سے زیادہ واقفیت مجھے ہی ہے اور وہ قیامت خیز وجود مجھ سے جو کچھ کہہ گیا ہے۔ خدا کی پناہ‘ اسرار و رموز کے اتنے دروازے کھل گئے تھے کہ عقل

ساتھ چھوڑ دے۔ وہ لمبی سیاہ کار بے حد قیمتی تھی جس میں وہ لڑکی آئی تھی۔ کم بخت ڈرائیور کا چہرہ بھی میں نہیں دیکھ سکا تھا نہ ہی کار کا نمبر۔ ملک اعجاز علیحدہ برگشتہ ہوگیا۔ حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ وہ اس سلسلے میں ذمے دار تو قرار پاتا تھا۔ آخری فیصلہ کرنا تو خیر مشکل کام تھا لیکن شک ملک اعجاز کی طرف ہی جاتا تھا‘ دوسری طرف یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حویلی والے کیا کررہے ہیں۔ البتہ اس شام جب گھر واپس پہنچا تو صورتِ حال کافی بگڑی ہوئی تھی۔ گھر کے آدھے افراد غیر موجود تھے۔ ایک بزرگ خاتون نے کہا۔

"تھانے چلے جاؤ‘ پولیس والا دو دفعہ آچکا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے چونک کر کہا۔

"جاؤ گے تو معلوم ہوجائے گا۔"

"باقی لوگ کہاں ہیں۔

"سب اپنا اپنا بیان لکھا کر آئے ہیں۔"

میں سمجھ گیا کہ گڑبڑ ہوگئی ہے۔ صندوقچے کے بارے میں ایف آئی آر لکھوادی گئی ہے۔ بہرحال ضروری تھا‘ چنانچہ میں بھی علاقے کے تھانے پہنچ گیا۔ ایف آئی آر ذرا مختلف قسم کی تھی اس کی نوعیت سنگین ہوگئی تھی۔ تھانے دار صاحب کے لئے یہ بات باعثِ دلچسپی تھی کہ ہیروں سے بھرا صندوقچہ حویلی کے کسی ملازم کی تحویل میں تھا اور پوری حویلی اس سے ناواقف تھی۔ پھر اسے جونہی وکیل صاحب کے حوالے کیا گیا‘ وکیل صاحب قتل ہوگئے۔ وکیل صاحب کسی بھی معاملے میں قتل ہوئے ہوں لیکن ایک پوائنٹ یہ صندوقچہ بھی ہوسکتا تھا۔ چنانچہ باری باری ہر شخص کو طلب کیا گیا تھا۔ کیونکہ صندوقچے کے ساتھ ایک معزز وکیل کے قتل کا معاملہ بھی ملوث ہوگیا تھا۔

تھانے دار صاحب نے پوری ذہانت کے ساتھ مجھے دیکھا پھر بولے۔

"آپ لندن پلٹ ہیں۔ جرم کے معاملے میں آپ کے تجربات تو بے حد وسیع ہوں گے۔"

"جی ہاں' وہاں سرکاری طور پر جرائم کی تربیت کے لئے بہت سے ادارے قائم کئے گئے ہیں اور ان اداروں سے فارغ التحصیل لوگوں کو بڑی عزت دی جاتی ہے۔" میں نے جلبلا کر کہا لیکن بات تھانے دار کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ عمر رسیدہ اور روایتی قسم کے افسر تھے۔ یہ الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتے رہے اور جب سمجھ میں نہیں آئے تو مونچھیں مروڑتے ہوئے بولے۔

"تم اس صندوقچے کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"یہی کہ وہ بہت خوبصورت تھا' اس میں ہیرے بھرے ہوئے تھے اور وہ ہیرے بے حد قیمتی تھے۔ وکیل ضرغام علی کاظمی صاحب نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا تھا تاکہ قانونی کارروائی کے بعد اس کی تقسیم کرائی جائے۔"

"اس کے بعد؟" تھانیدار صاحب نے پوچھا۔

"ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔" میں نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کاظمی صاحب قتل ہو گئے۔"

"جی ہاں' اخبار پڑھتا ہوں۔"

"تم کچھ نشاندہی کر سکتے ہو کہ کاظمی صاحب کا قاتل کون ہے' ممکن ہے انہیں ان ہیروں کے حصول کے لئے ہی قتل کیا گیا ہو۔"

"جی ہاں' نشان دہی کر سکتا ہوں۔" میں نے کہا اور سب بری طرح چونک پڑے۔

"کیا مطلب' کون ہو سکتا ہے وہ؟" تھانیدار صاحب کی خود بھی سانس پھول گئی تھی۔

"تایا احتشام علی۔" میں نے پاس کھڑے ہوئے تایا صاحب کی طرف اشارہ کیا اور اس کا جو رد عمل ہو سکتا تھا اس کا آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ نہ صرف تایا صاحب بلکہ وہاں موجود ہر شخص سناٹے میں رہ گیا تھا۔ کچھ لمحوں کے لئے تو خود تھانے دار صاحب کا منہ بھی کھل گیا تھا' میں نے کچھ لمحے لینے کے بعد کہا۔

"میرا مطلب ہے جناب کہ میں بھلا کسی مجرم کی کیا نشاندہی کر سکتا ہوں اور ضروری تو نہیں ہے کہ وکیل صاحب کا قتل انہی ہیروں کی وجہ سے ہوا ہو۔ کیا آپ کو اس کے بارے میں کوئی ثبوت ملا ہے؟"

"ثبوت تو ہم حاصل کر لیں گے بیٹے۔ مگر تم بڑی چرب زبانی سے کام لے رہے ہو' نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سلسلے میں ملک اعجاز نامی شخص کے بارے میں تم کیا جانتے ہو جو کاظمی صاحب کا اسسٹنٹ ہے اور ہیروں کو حاصل کرتے ہوئے وہ بھی وکیل صاحب کے ساتھ تھا۔"

"بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ ہیروں کے صندوقچے کے حصول کے وقت وہ بھی کاظمی صاحب کے ساتھ تھا۔"

"تمہاری اس سے پہلے کوئی جان پہچان تھی۔" تھانیدار صاحب نے پوچھا۔ سارا وجود سنگ کر رہ گیا تھا۔ یہ ایک ذمے دار افسر کے سوالات تھے' کیا جواب دیتا' زبان کڑوی ہو گئی تھی اور ممکن ہے کچھ اور تلخ جملے منہ سے نکل جاتے لیکن اسی وقت ایک خوبصورت اور اسمارٹ نوجوان بغیر کسی اطلاع کے اندر داخل ہو گیا۔ تھانیدار صاحب نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی نگاہیں بھی اتفاق سے مجھ پر پڑ گئیں۔ دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی۔

"تم؟"

میں نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔ یہ اندازہ تو مجھے ہو گیا تھا کہ لفظ "تم"

اس وقت میرے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے لیکن اس حیرانی سے مجھے مخاطب کرنے والا کون ہے۔ پھر میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ ہمایوں تھا۔ لندن میں میرا بہترین دوست' لندن کی شافس بری اسٹریٹ پر ہماری ملاقات بڑے دلچسپ حالات میں ہوئی تھی۔ سرمنڈے کچھ غنڈوں نے ہمایوں کو گھیر لیا تھا اور مار کھاتے ہوئے اس کے منہ سے صرف "ارے باپ رے" نکل گیا تھا۔ بس اردو زبان کے اس رشتے نے مجھے جانفروشی پر آمادہ کردیا اور اس کے بعد میں یہ بھول گیا کہ میں ایک شریف آدمی ہوں اور لندن میں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں اور یہاں کا قانون بہت سخت ہے' بس برداشت نہیں کرسکا تھا' پھر ہم دونوں نے مل کر ہندوستانی فلموں کے دو دوستوں کی مانند ان انگریز سرمنڈے غنڈوں کی وہ پٹائی کی کہ ان کے ہاں تو خیر چھٹی ساتویں کے دودھ کا رواج نہیں ہے اگر رواج ہوتا تو انہیں یہ دودھ ضرور یاد آجاتا۔ یہاں سے ہمایوں میرا دوست بنا تھا اور پھر یہ دوستی پختگی اختیار کرچکی تھی۔ جب میں مشکل حالات کی بنا پر لندن سے واپس آیا تھا تو ہمایوں نے بڑی افسردگی کا اظہار کیا تھا' مجھ سے پوچھا بھی تھا اس نے کہ میرا لندن واپسی کا ارادہ ہے؟ تو میں نے اس سے یہی کہا تھا کہ ابھی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا' وقت جو بھی فیصلہ کرے گا وہ قبول کرنا ہوگا۔ اس وقت بھی ہمایوں نے مجھے بتایا تھا کہ وہ خود چونکہ اپنی تعلیم مکمل کرچکا ہے اس لئے بہت جلد وطن واپسی کا ارادہ ہے' یوں یہ صورتِ حال چل رہی تھی لیکن میں یہاں پہنچ کر ان مشکلات کا شکار ہوگیا اور اس وقت ہمایوں کو دیکھ کر ایک عجیب سی رقت دل پر طاری ہوگئی۔ ہمایوں آگے بڑھا اور اس نے مجھ سے کہا۔

"کس سلسلے میں آئے ہو' اور آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کس شخص کو سامنے کھڑا کر رکھا ہے؟" دوسرا جملہ اس نے تھانیدار سے کہا تھا۔

تھانے دار صاحب تو خیر یہ بات جانتے یا نہ جانتے ہوں لیکن میں یہ ضرور جانتا تھا

کہ ہمایوں وطنِ عزیز میں ایک پولیس آفیسر کا بیٹا تھا اور یہ بات اس وقت بھی سامنے آگئی' تھانیدار صاحب نے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"سر یہ.......... یہ.......... اصل میں کچھ.......... کچھ.........."

"خیر میں یہ تنقید تو نہیں کروں گا کہ ہمارے وطن میں تھانوں کی کیا شکل ہوتی ہے اور تھانیدار حضرات معزز انسانوں کے ساتھ بھی کس طرح پیش آتے ہیں لیکن آپ کو کم از کم انہیں بیٹھنے کی پیشکش ضرور کرنی چاہئے تھی۔ کیا آپ کے ہاں کسی معزز شخص کی اتنی عزت بھی نہیں کی جاتی!؟"

"نہیں سر یہ بات نہیں ہے۔" تھانیدار صاحب نے کہا۔

بہرحال بات جس قدر بھی تھی ہمایوں کو میرا دوست پاکر تھانیدار صاحب کا رویہ ہی بدل گیا۔ ادھر حویلی کی پوری ٹیم تھی اور تھانیدار صاحب کو بہرحال اپنا کام بھی پورا کرنا تھا۔ ہمایوں تو مجھے لے کر تھانے سے باہر نکل آیا' حالانکہ میں نے اس سے کہا تھا۔

"تم یقیناً کسی کام سے یہاں آئے ہوگے' اس کے لئے تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔"

"چھوڑو یار' میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہاں آئے کیوں تھے' چلو چھوڑو۔ آؤ ذرا بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

پھر ایک چھوٹے سے خوبصورت ریستوران میں بیٹھ کر میں اور ہمایوں باتیں کرنے لگے' میں نے ہمایوں کو اپنی مختصر داستان سنائی۔ اس کی داستان کچھ نہیں تھی' سوائے اس کے کہ تعلیم مکمل کرکے آگیا تھا۔ اس کے والد علی ابراہیم' ایس ایس پی کے عہدے پر کام کررہے تھے اور حسبِ وعدہ انہوں نے اس کے لئے میڈیکل لیبارٹری بنوائی تھی جو مکمل ہونے والی تھی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بس ایک آدھ دن میں وہ میری تلاش میں نکلنے والا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"لیکن یہ تم عجیب سے انداز میں تھانے کیوں بیٹھے ہوئے تھے' براہ کرم مجھے اس بارے میں بتاؤ۔"

"ہمایوں! میں یہاں آنے کے بعد بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگیا ہوں' یہ بات تو تمہیں معلوم ہے کہ میرے والدین کا انتقال ہوچکا ہے' ایک تایا صاحب تھے جو محبت کا فرض پورا کررہے تھے اور انہوں نے میرا یہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا ان کے انتقال کے بعد سارا شیرازہ منتشر ہوگیا' یہاں آیا تو کھیل ہی دوسرا دیکھنے کو ملا' ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے' تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو جس کے ہاتھ لگا وہ لے بیٹھا' البتہ ان لوگوں نے میرے ساتھ ایک بہت برا سلوک کیا' وہ یہ کہ اس حویلی میں میرے لئے کوئی جگہ بھی نہ چھوڑی۔ میں نے الف سے لے کر یے تک پوری تفصیل ہمایوں کو بتائی' جیسا کہ میں اپنی ذہنی کیفیت کا اظہار کرچکا ہوں کہ ان دنوں کسی کی محبت بھری نگاہ کو ترس رہا تھا' کسی کی دوستی کی آرزو میں نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں' ایسی صورت میں ہمایوں جیسے دوست کا مل جانا' میرے اپنے نزدیک میری بدنصیبی کا خاتمہ تھا۔ ہمایوں کو میں نے اس صندوقچے کی پوری تفصیل بھی بتادی تھی اور اس حسینہ سے ملاقات کی کہانی بھی سنادی تھی اور ہمایوں کا چہرہ تصویرِ حیرت بنا ہوا تھا۔ دیر تک خاموش رہا اور پھر بے اختیار مسکرا کر بولا۔

"تمہیں جیکی یاد ہے' جیکب۔"

"ہاں کیوں نہیں' وہ ڈریکولا کا بیٹا۔"

"بالکل' بالکل!" ہمایوں مسکراتا ہوا بولا۔ "وہ پاگل ہمیشہ ہی مشرق کے خواب دیکھتا رہتا تھا اور کہتا تھا کہ یورپ میں کچھ بھی نہیں ہے' مشرق کی پُراسرار کہانیاں بڑی عجیب وغریب حیثیت کی حامل ہیں اور اگر کبھی اس کے نقلی ڈریکولا باپ نے اسے بیرون ملک سیاحت کی اجازت دیدی اور اپنی دولت سے کچھ حصہ نکال کر اس کے

حوالے کردیا' تو ایک بار وہ مشرق کی پُراسرار وادیوں کی سیر ضرور کرے گا۔ اب یہاں آنے کے بعد اور خاص طور سے یہ ساری کہانی سننے کے بعد اچانک ہی وہ مجھے بری طرح یاد آگیا ہے' کیا حالت ہو اس کی اگر یہ کہانی اس کے سامنے دوہرا دی جائے' واقعی حالات انوکھی نوعیت کے حامل ہیں' حالانکہ میرے خون میں ایک پولیس افسر کی زندگی بھر کی کمائی دوڑ رہی ہے لیکن اب میں کیا کروں کہ میرا شعبہ مختلف ہے لیکن یہ کہانی کیسے نئے نئے راز کھولتی ہے' یہ جانے بغیر نہیں رہوں گا۔ چلو خیر تمہارے تایا جان کی موت کا معاملہ' حویلی کے لوگوں کا وقت اور حالات کے ہاتھوں قلاش ہوجانا' لیکن اس کے بعد اس ہیروں کے صندوقچے کا برآمد ہونا' اور بابا صاحب نے جس طرح اس کی نشاندہی کرکے اسے عزت وآبرو کے ساتھ تم لوگوں کے حوالے کردیا اور خود اس حویلی سے چلے گئے۔ پھر صندوقچے کا پُراسرار طور پر بینک لاکرز سے غائب ہوجانا' چابی کا ملک اعجاز کی جیب میں ملنا اور پھر اس حسینہ کی نشاندہی کے رموز' یہ ساری باتیں ایک دلچسپ اور پُراسرار کہانی کی جانب اشارہ نہیں کررہی ہیں' حالانکہ موجودہ دور میں جرم بھی ایک سائنس بن چکا ہے اور بہت ہی ماہرانہ انداز میں جرائم کی پلاننگ کی جاتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم یہ تو کہے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ ان کے پس پشت پُراسرار داستانیں ضرور بکھری ہوئی ہوتی ہیں' مثلاً اگر ہم اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو صورتِ حال بڑی مختلف ہوجاتی ہے۔ پہلے نمبر پر اگر کوئی مشکوک شخصیت ہوتی تو بابا عبدالحق کی ہوتی لیکن ہم لوگ پہلے نمبر کو یوں کاٹ دیتے ہیں کہ بابا عبدالحق نے صندوقچے کی نشاندہی سب کے سامنے کردی تھی' چھپا ہوا رکھا تھا ان کے پاس تو چھپا رہنے دیتے لیکن انہوں نے اسے حق داروں کے حوالے کردیا اور اس کے بعد وکیل صاحب کی شامت آئی' لیکن بہرحال انہوں نے اپنا فرض پورا کیا۔ میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ ان تمام باتوں کو سننے کے بعد' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ملک اعجاز کی

طرف سارے اشارے جاتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ خاتون کون تھی یہ ذرا قابلِ غور بات ہے' اور اس کے لئے ہمیں سوچنا پڑے گا' لیکن ملک اعجاز آسانی سے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اچھا خیر تم یوں کرو کہ باقی کی پریشانیاں میرے حساب میں لکھ دو اور اسی انداز میں مسکراؤ جیسے لندن میں مسکراتے تھے اور تمہاری ایک آنکھ خود بخود چھوٹی ہو جایا کرتی تھی اور نہ صرف میں بلکہ کئی لڑکیاں تمہاری مسکراہٹ کے اس انداز پر جان نچھاور کرتی تھیں' ویسے اس لڑکی کی تم بہت تعریف کر چکے ہو۔"

"تم یقین کرو ہمایوں' ایسی سحر انگیز شخصیت تھی اس کی کہ بھولنے کی کوشش بھی کرو تو نہ بھلا سکو۔"

"خیر اب ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں' ہو سکتا ہے کہیں ہماری بھی ملاقات ہو جائے۔ اصل بات سے ہٹ گیا میں' مطلب یہ ہے کہ میرے پاس ایک فلیٹ ہے اور بہت عرصے سے تھا' تذکرہ پہلے بھی کر چکا ہوں تم سے' سب سے پہلا کام یہی کیا ہے میں نے کہ اس کی صفائی ستھرائی کرائی ہے' ایک لڑکا وہاں ملازم رکھ دیا گیا ہے جسے کھانا وغیرہ بھی پکانا آتا ہے۔ سو رہائش کا مسئلہ تو فی الحال حل ہوا' باقی کہانی بعد میں دیکھیں گے۔ اور ہاں ابھی یہاں سے اٹھیں گے نا تو اسی فلیٹ میں چلیں گے' پہلے تم اپنا مورچہ سنبھال لو اس کے بعد آگے کی کہانی پر غور کریں گے۔"

میں نے ممنون نگاہوں سے ہمایوں کو دیکھا' واقعی بہت بڑا سہارا پیدا کر دیا تھا قدرت نے میرے لیے۔

وہ فلیٹ بے حد خوبصورت تھا۔ جو لڑکا وہاں موجود تھا اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی' صاف ستھرا اور سمجھدار تھا۔ ہمایوں نے مجھے اپنی تمام مصروفیات بتائیں پھر بولا۔

"تمہاری رہائش کا مسئلہ تو حل ہوا اب باقی معاملات آجاتے ہیں تو ابھی مجھے فرصت ہے۔ جب میری میڈیکل لیب کا افتتاح ہو جائے گا تو کچھ مصروفیت ہو گی' ملا

ایک شخص کو تلاش کرتا ہوں جو پولیس کا آدمی ہے اور ہمارے لئے بڑا کارآمد ہو گا۔"

"کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"فکر مت کرو' تلاش کر کے لاتا ہوں۔ تمہیں حویلی سے اپنا سامان لانا ہو گا' خود جاؤ گے یا اس کا انتظام بھی کر دوں۔"

"نہیں میں سامان لے کر یہاں آجاؤں گا۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں ساتھ ہی فلیٹ سے باہر آگئے تھے اور ضروری گفتگو کے بعد دو مختلف سمتوں کو چل پڑے تھے' حویلی میں ایک سنسنی خیز فضا موجود تھی۔ وہاں موجود ہر شخص نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا تھا' اس وقت جب میں اپنا سوٹ کیس تیار کر کے باہر نکلا تو حویلی کے خطرناک لوگوں کا پورا گروپ سامنے راہداری میں کھڑا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" احتشام علی صاحب ان سب میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔

"بتانا ضروری ہے؟" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیوں' ہم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"آپ بتائیے۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"کیا مطلب؟" تایا صاحب نے چونک کر کہا۔

"آپ لوگ یہی چاہتے تھے نا کہ میں حویلی سے نکل جاؤں۔ کیونکہ میرے حصے میں اب یہاں ایک کمرہ بھی نہیں رہا ہے۔"

"بات تو یہ بالکل سچ ہے لیکن ہم نے تمہیں کون سا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا۔"

"بس اتنا ہی باقی رہ گیا تھا۔"

"وہ لڑکا کون تھا؟"

"علی بابا' اسے الہ دین کا چراغ مل گیا ہے' چنانچہ اب دو کہانیاں مکس ہو کر ایک تیسری کہانی تیار ہو رہی ہے۔"

"الہ دین کا چراغ تو تمہیں ملا ہے صاحبزادے' آخر انگریز قوم کے درمیان رہ کر آئے ہو۔ اس کی سازشیں ساتھ نہ لائے ہو گے تو اور کیا لائے ہو گے' مگر ہمارے ہاں بھی ٹیپو سلطان جیسے لوگ پیدا ہوئے ہیں۔"

"سبحان اللہ' آج کل تاریخ پڑھ رہے ہیں لیکن تایا صاحب ٹیپو کے بجائے آپ میر جعفر کا حوالہ دیں تو زیادہ مناسب ہے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"ساری کہانی ہمارے علم میں ہے' تم لڑکے اپنے آپ کو بہت ذہین سمجھتے ہو نا۔"

"کیسی کہانی؟"

"اس سے پہلے تو تم نے فوری طور پر حویلی چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ شاید یہ حویلی چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں تھے۔ جیسے ہی ہیروں کا صندوقچہ برآمد ہوا سارے کام سیدھے ہو گئے' بابا عبدالحق غائب ہو گئے' صندوقچہ وکیل صاحب کی تحویل میں چلا گیا' وکیل صاحب قتل ہو گئے اور اب تم حویلی سے چل پڑے۔ صاحبزادے! یہ دولت ایسی نامراد شے ہے کہ کوئی بھی آسانی سے اس سے دستبردار نہیں ہوتا' ہم لوگ بھی اتنی آسانی سے وہ قیمتی ہیرے نہیں چھوڑیں گے جن کے لئے تم نے اپنی پلاننگ مکمل کر لی ہے' ارے تم کیا سمجھتے ہو' کیا ہمیں حقیقتوں کا علم نہیں ہے' بابا عبدالحق کے بارے میں تم جانتے ہو کہ وہ کہاں ہیں اور جہاں تک وکیل صاحب کا معاملہ ہے تو بہرحال اب یہ بات تو پولیس کو ہی پتہ چل سکے گی کہ ان کا قاتل کون ہے اور ہیروں کا صندوقچہ کہاں گیا' لیکن جو گٹھ جوڑ چل رہا ہے اسے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے اس لڑکے کو یقینی طور پر تم نے اپنے جال میں پھانسا ہو گا' پارٹنر ہو گا تمہارا۔ ہیرے معمولی قیمت کے تو نہیں تھے۔ بہرحال میاں ہم نے بھی عمر گزاری ہے' کچی گولیاں نہیں کھیلیں' حقیقت کو سامنے لے ہی آئیں گے۔ تم اپنا کھیل کھیلو' ہم اپنا کھیل کھیلیں گے۔ کیا سمجھے۔"

"واقعی آپ ذہین آدمی ہیں تایا جان' ساری بات ہی سمجھ گئے آپ' میرا خیال ہے آپ نے پولیس کو بھی یہ بیان دے دیا ہو گا۔"

"ابھی نہیں لیکن بات پولیس ہی کی تو نہیں ہوتی۔ پولیس تو کبھی کبھی اپنی تفتیش میں پیچھے بھی رہ جاتی ہے' عدالت ہوتی ہے ایک چیز' عدالت سمجھتے ہو نا۔"

"جی ہاں' جی ہاں۔ واقعی عدالت ہوتی ہے ایک چیز' میں نے سنا ہے اس کے بارے میں۔"

"چہک رہے ہو' بہت چہک رہے ہو اس سے پہلے ایسے نہیں چہک رہے تھے۔" تایا جان سخت غصے کے عالم میں بولے۔

"تایا جان' ہیرے معمولی قیمت کے نہیں ہوتے' اگر کسی انسان کو ان کے ملنے کی توقع ہو جائے تو آپ سمجھ لیجئے کہ اس کی اپنی کیا کیفیت ہوتی ہے' میں تو پھر ہنس بول ہی رہا ہوں۔ اچھا خدا حافظ' پھر ملاقات ہو گی کہیں نہ کہیں آپ سے' تھانے میں' عدالت میں یا پھر جیل میں۔" میں نے کہا اور وہاں سے باہر نکل آیا۔

اب طبیعت پر جولانی طاری تھی' اور کچھ نہ سہی اللہ تعالیٰ نے ایک اچھا دوست بھیج دیا تھا' باقی ساری باتیں تو بعد کی تھیں' لیکن بہرحال تایا صاحب تھے شاندار آدمی ذہن خوب کام کرتا تھا ان کا۔ انہوں نے اپنے طور پر ایک پوری کہانی تیار کر لی تھی' یعنی یہ کہ بابا صاحب سے میرا رابطہ ہے' وہ تو وکیل صاحب کے قتل کا الزام بھی شاید میرے ہی سر تھوپنے کے چکر میں تھے لیکن بہرحال اب زیادہ فکر نہیں تھی۔

واپس فلیٹ پہنچ گیا۔ وہ لڑکا جو ملازم تھا بڑی اچھی طبیعت کا مالک تھا نام فہیم تھا' خاصا ذہین اور کام کا لڑکا تھا۔

میں اس سے باتیں کرنے لگا اور اس نے اپنے بارے میں مجھے بہت سی باتیں بتائیں۔ بڑا خوش تھا میں یہاں آنے کے بعد' ذہن کے پردے پر کئی بار اس حسین لڑکی

کی تصویر ابھری تھی' ویسے جو کچھ وہ کہہ گئی تھی' وہ بڑا عجیب تھا۔ کہانی تھی پوری کی پوری کچھ ناقابلِ یقین سی' ہیرے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے' اگر صرف ان کا تذکرہ ہی سنا ہوتا تو اسے ایک دلچسپ کہانی کے سوا کچھ نہ کہتا' بہرحال یہ ساری چیزیں اپنی جگہ۔ ہمایوں رات کو آٹھ بجے کے بعد میرے پاس پہنچا۔ تنہا نہیں تھا' بلکہ اس کے ساتھ ایک بہت ہی اسمارٹ سا نوجوان آدمی تھا جسے سرفراز کے نام پر مجھ سے ملا دیا گیا تھا' ہمایوں نے کہا۔

"اسپیشل ڈیپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے ہیں مسٹر سرفراز' یوں سمجھ لو کہ میرے بہترین دوستوں میں سے ہیں' گو ہماری دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے' لیکن طبیعت مل گئی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ وکیل صاحب یعنی ضرغام احمد کاظمی کے قتل کی تفتیش بھی انہیں دی گئی ہے' میں نے انہیں ایک لفظ بھی نہیں بتایا' اب یہ تم سے خود ہی بات کریں گے اور ہاں وہ فہیم کیا کر رہا ہے' کھانے پینے کا انتظام تو اس نے کر لیا ہوگا میں نے ٹیلی فون پر اس سے کہہ دیا تھا کہ رات کا کھانا ہم دونوں یہاں کھائیں گے۔"

"کچن میں ہے' دو مرتبہ چائے پلا چکا ہے' بہت مصروف ہے' بازار بھی گیا تھا' مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم لوگ کھانا یہیں کھاؤ گے۔"

فہیم واقعی سمجھدار تھا' تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اس نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہے' بھوک لگ رہی تھی۔ سرفراز سے اس دوران جو گفتگو ہوئی تھی اس سے اس کے بارے میں خاصی معلومات ہو گئی تھیں' کھانے کی میز پر نہایت عمدہ کھانا موجود تھا۔ میں نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"ہمایوں' تم نے واقعی ایک بادشاہ کا کردار ادا کیا ہے' سرفراز صاحب آپ کو تو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ ہمایوں کے اور میرے تعلقات کیسے ہیں اور کس طرح اچانک ہم لوگ ایک دوسرے سے مل بیٹھے ہیں' اب یہاں صورتِ حال ذرا سی الجھی ہوئی ہے'

یعنی اس وقت میں ایک ایسا کردار ہوں جو آپ کے لئے پریشانی کا باعث بھی بن سکتا ہوں۔"

"آپ پریشانی کی بات کہہ رہے ہیں مسٹر شعور' میں تو کہتا ہوں کہ انسان کی خوش قسمتی اسے ایسے ہی مواقع فراہم کرتی ہے' یہ کیس میرے سپرد کیا گیا ہے مجھے اس سلسلے میں آپ سے جو مدد مل سکتی ہے اس کا تو کوئی جواب ہی نہیں ہوگا' اس مدد کے ذریعے میں بہت سے معاملات حل کر سکتا ہوں۔ کھانے کے بعد آپ سے ایک بار پھر اس معاملے کی تفصیل سمجھوں گا۔"

کھانے سے فراغت کے بعد بہت ہی عمدہ قسم کی کافی پیتے ہوئے ہم لوگوں نے اس موضوع پر بات چیت کی' ساری تفصیل سرفراز کو بتائی گئی' چابی' ملک اعجاز' وہ پُراسرار لڑکی اور باقی تمام سلسلے۔ سرفراز گہری سوچ میں ڈوب گیا تو پھر اس نے کہا۔

"واقعات کی کڑیاں مل تو رہی ہیں' ملک اعجاز کی جانب اشارہ بے مقصد نہیں ہے' کار کا ماڈل وغیرہ بتائیں آپ۔"

میں نے یادداشت کے مطابق سرفراز کو کار کے بارے میں بتایا تو سرفراز کہنے لگا۔

"اس کے علاوہ ایک اور پُراسرار بات رہ جاتی ہے جو ابھی تک میرے ذہن میں الجھی ہوئی ہے' وہ پُراسرار وجود جسے حویلی میں دیکھا گیا تھا اور جس کی تفصیل مختلف لوگوں سے معلوم ہوئی تھی وہ کون تھا۔ جہاں تک بابا عبدالحق کا معاملہ ہے وہ بہت نفیس انسان تھے' ایک غیرت مند شخص جو بہرحال اپنی توہین برداشت نہ کر کے وہاں سے چلے گئے۔ ہم کسی بھی طرح انہیں کسی برائی میں ملوث نہیں کر سکتے۔ بہرحال فکر نہ کرو' میرا خیال ہے ہمایوں' ملک اعجاز کو براہِ راست چیک کیا جائے' کیونکہ اس وقت وہی ایک ایسا کردار ہے جس پر غور کیا جا سکتا ہے' باقی کہانی اپنی نوعیت کی منفرد ہے۔"

"بھئی اب تم لوگ آپس میں مل گئے ہو' میں صرف ایک بات جانتا ہوں میرا دوست میرے لئے جس حیثیت کا حامل ہے اس کا اندازہ سرفراز تم نے لگا لیا ہوگا. یوں سمجھ لو کہ میں اس کے نام پر ذرہ برابر کوئی دھبہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ ویسے تمہیں ملک اعجاز کا کوئی ذاتی نمبر تو معلوم ہو گا شعور!"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"اوہو' پھر یہ تو ایک ایسی بات ہے جس پر فوراً کام شروع کیا جاسکتا ہے' کیوں تمہارا کیا خیال ہے سرفراز!"

"چونکہ یہ کیس تازہ تازہ میرے سپرد کیا گیا ہے اور میں نے ابھی اس بارے میں کوئی اہم معلومات حاصل نہیں کی ہیں بلکہ کیس کا فائل بھی صحیح طور پر نہیں پڑھا ہے لیکن اب جب اتنے سارے واقعات ایک ساتھ معلوم ہو گئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ملک اعجاز سے اس موضوع پر بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ ایک اور تجویز ہے میرے ذہن میں' وہ یہ کہ خود مسٹر شعور ملک اعجاز سے گفتگو کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' مجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ہو جائے۔" سرفراز بولا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

ملک اعجاز نے مجھے جو ٹیلی فون نمبر دیا تھا وہ میرے پاس محفوظ تھا' حالانکہ میری اس کی آخری ملاقات خوشگوار نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ شاید وہ مجھ سے گفتگو کرنے سے گریز نہ کرے' کیونکہ میرے اور اس کے درمیان اس سلسلے میں تھوڑا سا رابطہ قائم ہو چکا ہے' ٹیلی فون نمبر ڈائل کرنے کے بعد میں نے ریسیور کان سے لگا لیا' دوسری جانب گھنٹی بجنے کی آواز ابھر رہی تھی۔

دیر تک کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا اور جب میں اس بات سے مایوس ہونے لگا

کہ شاید ملک اعجاز اپنی رہائش گاہ پر موجود ہی نہیں ہے تو مجھے احساس ہوا کہ کسی نے ریسیور اٹھا لیا ہے۔ میں ریسیور میں ہیلو ہیلو کرنے لگا لیکن دوسری جانب سے ریسیور اٹھانے والا بول ہی نہیں رہا تھا۔ پتہ نہیں کیا قصہ تھا' بہرحال میں نے آخری بار کہا۔

"اگر کسی نے ریسیور اٹھایا ہے' تو مجھ سے بات کرو تم بولتے کیوں نہیں ہو' ورنہ پھر میں فون بند کر رہا ہوں تب کسی کے حلق صاف کرنے کی آواز سنائی دی اور پھر ایک بھرائی ہوئی آواز آئی۔

"کون صاحب ہیں آپ' کون بول رہا ہے؟"

میں نے ایک لمحے میں پہچان لیا تھا۔ آواز ملک اعجاز کی تھی۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"ملک اعجاز صاحب میں شعور ظفریاب علی بول رہا ہوں' آپ خیریت سے تو ہیں نا؟"

"اوہو مسٹر شعور' میں خیریت سے نہیں ہوں خدا کے لئے میری مدد کیجئے براہ کرم جس قدر جلد ممکن ہو سکے مجھ سے ملاقات کر لیجئے۔ میں.......... میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مسٹر شعور' مگر براہ کرم جلدی کیجئے گا۔"

"آپ بتائیے میں آپ سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں؟" میں نے اس کی بدحواسی کو محسوس کر کے کہا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بے حد خوفزدہ ہو اور کسی ایسی مشکل کا شکار ہو جسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

"براہ کرم آپ ایک پتہ نوٹ کر لیجئے' شہر سے کچھ فاصلے پر ہے یہ جگہ' میں یہیں رہتا ہوں آپ براہ کرم یہیں آجائیے' مجھے آپ کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی ہے میں........ میں.......... آپ براہ کرم بس آجائیے' آجائیے بس آپ۔"

"پتہ نوٹ کرائیے۔" میں نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا ہمایوں نے جلدی سے

جیب سے پین نکالا اور کاغذ کا ایک ٹکڑا میرے سامنے رکھ دیا۔ ملک اعجاز نے پتہ بتاتے ہوئے کہا۔

"یہ گرین کالونی کہلاتی ہے' شہر سے باہر نئی آبادی ہے' ابھی بہت زیادہ آباد نہیں ہوئی ہے' بس اکا دکا نئے مکان بنے ہوئے ہیں اس میں۔ کوٹھی نمبر ایک سو بانوے ہے' براہ کرم شعور صاحب جتنی جلدی ممکن ہو سکے آپ یہاں پہنچ جائیے۔"

"آپ کوئی وجہ نہیں بتائیں گے ملک صاحب۔"

"آپ کو خدا کا واسطہ اس وقت ساری باتیں بھول کر آپ یہاں آجائیے' میں سخت خطرے میں ہوں' اور' اور میں بہت خوفزدہ ہوں' آپ آجائیے پلیز۔"

"ٹھیک ہے میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور حیرت سے اپنے ساتھیوں کو دیکھنے لگا' دوسری طرف سے فون بند ہو گیا تھا۔

میں نے ریسیور رکھا' سرفراز گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہا تھا اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"چلنے میں کوئی حرج نہیں ہے چل کر دیکھتے ہیں اب کون سے نئے کھیل کا آغاز ہونے والا ہے۔"

میں نے حیرت سے سرفراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کیسے معلوم مسٹر سرفراز کہ ہمیں چلنا ہے۔"

"ریسیور سے دوسری جانب سے آنے والی آواز مدہم مدہم سنائی دے رہی تھی اور پھر چونکہ سناٹا طاری ہے اس لئے اس آواز کو سننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ آپ کے اور ملک اعجاز کے درمیان ہونے والی گفتگو نے صورتِ حال کی وضاحت کر دی ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں مسٹر ہمایوں کیا اس میں کوئی چال ہو سکتی ہے؟"

"چال؟" ہمایوں نے سرفراز کو دیکھا۔

"ہاں وہ نہیں جانتا کہ اس وقت شعور صاحب کے ساتھ کوئی اور بھی ہے یا نہیں' اور پھر شعور صاحب نے خود ہی فون کیا ہے' کیا اس نے یہ نہ سوچا ہو کہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے اور شعور صاحب کو کوئی نقصان پہنچا دیا جائے' خاص طور سے ایسی شکل میں جب کہ ملک صاحب کے راز دار مسٹر شعور ہیں' ممکن ہے اسے احساس ہوا ہو کہ چابی کے بارے میں جو کہانی اس نے سنائی ہے' وہ کہانی شعور صاحب کو سنا کر اس سے غلطی ہو گئی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ شعور خطرے میں ہے۔" ہمایوں نے تشویش بھرے لہجے میں کہا اور سرفراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولا۔

"شعور تو خیر ہمیشہ خطرے میں رہتا ہے لیکن ہمیں دونوں پہلو نظر انداز نہیں کرنے چاہئیں' چل کر دیکھیں تو سہی ملک اعجاز کس مشکل کا شکار ہے' کیا چاہتا ہے وہ۔"

"ٹھیک ہے۔" پھر کچھ دیر کے بعد ہم سب کار میں بیٹھے جا رہے تھے' سرفراز پولیس آفیسر تھا وہی پیش پیش تھا' چونکہ نہ تو مجھے اور نہ ہی ہمایوں کو زیادہ عرصہ ملک سے باہر رہنے کی وجہ سے اپنے شہر کے مختلف مقامات کا اندازہ رہا تھا اور پھر نواحی کالونیاں تو الگ ہی نوعیت رکھتی تھیں اور اس کے بارے میں تو ہم دونوں کو واقعی کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ ایسے موقع پر صرف سرفراز ہی ہماری راہنمائی کر سکتا تھا' اور ہم اس راستے کو عبور کر کے آخر کار اس علاقے میں پہنچ گئے جس کی نشاندہی کی گئی تھی' یہاں ایک مناسب جگہ کار روکنے کے بعد ہم لوگ نیچے اتر گئے۔ تاحدِ نگاہ خاموشی اور سناٹے کا راج تھا' اس پُراسرار خاموشی میں جو روحوں کی طرح سرسراتی ہوئی آوازوں سے بھری معلوم ہوتی تھی ہم اس مکان کی جانب بڑھے جس کی نشاندہی کی گئی تھی اور جس کے بارے میں ہمیں اندازہ ہو گیا تھا۔ ایک لمبا راستہ درختوں کے

سائے میں چھپا ہوا اندر کی طرف جاتا تھا' ابتدائی راتوں کا چاند اونچے درختوں کے سائے میں پھیلی ہوئی تاریکی سے جھانکنے کی ناکام کوشش کررہا تھا' بعض مقامات پر بالکل گھرا اندھیرا تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی انسان کے اندر کی کیفیت معمولی سے معمولی بات کو بڑی اہمیت کا حامل بنا کر پیش کرتی ہے۔ میرے دل کی دھڑکنوں میں ایک عجیب سا ردھم مجھے خود کو محسوس ہو رہا تھا۔

ہم اس اندھیرے کے سمندر سے گزر کر مکان کے پاس پہنچ گئے' جس کا اوپری حصہ چاندنی میں نمایاں مگر پیچھے کا حصہ خاصا تاریک تھا' صرف کچھ کھڑکیوں سے روشنی نظر آرہی تھی۔ ایک طرف ایک لمبا برآمدہ نظر آتا تھا' بائیں سمت جھاڑ جھنکاڑ اُگے ہوئے تھے اور راستہ صاف نہیں تھا۔ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس مکان میں بہت عرصے سے کسی نے قیام نہیں کیا ہے اور یہ نہایت ہی حیرتناک بات تھی' یہاں ٹیلی فون بھی موجود تھا' روشنی بھی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ ملک اعجاز صرف وکیلوں کے ایک پینل سے تعلق رکھتا تھا اور ایک بڑے وکیل کا اسسٹنٹ تھا۔ ضرغام احمد کاظمی بھی کوئی اتنی بڑی اہمیت کے حامل نہیں تھے' لیکن ان کے اسسٹنٹ کے مکان کا یہ انداز بڑا غور کرنے والا تھا۔ بہرحال ایک تنگ سی جگہ سے گزر کر ہم اندر داخل ہوگئے اور عجیب سی کیفیات کا شکار قدم قدم آگے بڑھتے رہے' تب سرفراز نے ہمت سے کام لے کر آواز دی۔

"یہاں کوئی ہے؟ میں پوچھتا ہوں یہاں کوئی ہے؟" اس کی آواز اس تاریک ماحول میں ایک ایسا بھیانک ارتعاش پیدا کرنے لگی کہ خود ہمارے دل لرز اٹھے۔ میں اپنی اور ہمایوں کی بات کرتا ہوں ہم دونوں ہی جس کیفیت کا شکار تھے اس کا اظہار ہماری ہر جنبش سے ہوتا تھا۔ سرفراز نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"لگتا ہے یہاں کچھ ہوگیا ہے۔"

"خیر خدا معلوم' کوئی آواز بھی نہیں۔"

"آیئے اندر آیئے۔ دیکھتے ہیں' ویسے کتنے تعجب کی بات ہے۔ اول تو یہ مکان نوکروں سے خالی معلوم ہوتا ہے شہر کی نواحی بستی میں یہ ایک ایسا مکان ہے جس کے بارے میں دعوے سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ استعمال میں نہیں رہا ہے بلکہ شاید عارضی طور پر اسے استعمال کیا جارہا ہے بغیر کسی ترتیب کے۔ ٹیلی فون وغیرہ کا بھی کوئی معاملہ نہیں ہے۔ لوگ ایسی جگہوں پر فون لگوا لیا کرتے ہیں' ممکن ہے مستقبل میں ملک اعجاز کا یہاں مستقل قیام کرنے کا ارادہ ہو' کیونکہ ابھی یہ آبادی پوری طرح آباد نہیں ہوئی ہے اور یہاں بہت سی چیزوں کی کمی ہے۔"

ہم لوگ یہ گفتگو کرتے ہوئے ایک ایک قدم آگے بڑھ رہے تھے' پھر ایک دوسرے دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد سرفراز نے تلاش کرکے دروازے کے قریب سوئچ بورڈ کا بٹن آن کیا اور اندر پیلے رنگ کی مدہم روشنی پھیل گئی۔ ایک عجیب سا کمرہ تھا' یقینی طور پر اسے عجیب کہا جاسکتا تھا' دیواروں پر تصاویر لگی ہوئی تھیں' الماریاں بھی موجود تھیں' مگر سب کا سب بے ترتیب اور اس بے ترتیبی میں ایک اور چیز نمایاں تھی' یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے انتہائی وحشیانہ انداز میں اس کمرے کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کردیا ہو' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیفیت بیان کی جائے۔ بہرحال یہ ساری چیزیں دیکھنے کے بعد سرفراز نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"فون پر ہونے والی گفتگو اگر کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھی تو یہاں کسی کمرے میں ملک اعجاز کی لاش ملنی چاہئے' صورتِ حال سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔" اس پُراسرار اور پُرسکوت ماحول میں سرفراز کے یہ الفاظ کسی دھماکے سے کم نہیں تھے جسے میں نے اپنے دماغ اور دل میں محسوس کیا تھا۔ اعصاب سے ایک گرم سی لہر گزر گئی تھی اور میں عجیب سی نگاہوں سے سرفراز کو دیکھنے لگا تھا۔ سرفراز نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"صاف ظاہر ہوتا ہے اور کیسی عجیب بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ملک اعجاز انتہائی پُراسرار شخصیت کا مالک شخص ہے' یہ مکان انتہائی قیمتی ہے' قیمتی چیزوں سے آراستہ' اور وہ عام سا وکیل۔" لیکن ابھی سرفراز کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ایک تیز آواز سنائی دی اور ہمارے ساتھ ساتھ ہی سرفراز بھی اچھل پڑا' ایک عجیب سی کھنکھناہٹ تھی جیسے کوئی تانبے کا برتن زمین پر گرا ہو' لیکن اس کے فوراً بعد ہی سرفراز آواز کی جانب دوڑ پڑا۔ اس نے مدہم سرگوشی میں ہمیں اپنے پیچھے پیچھے آنے کے لئے کہا تھا' برتن گرنے کی آواز کی ہلکی سی لرزش اب بھی سنائی دے رہی تھی اور اسپیشل پولیس کا ذہین نوجوان اس لرزش کے ختم ہونے سے پہلے اس کی صحیح سمت پالینا چاہتا تھا اور جب یہ لرزش ختم ہوئی تو وہ ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ تاریکی کی عادی ہوجانے والی آنکھوں نے سرفراز کو اپنے بغلی ہولسٹر سے پستول نکالتے ہوئے دیکھا تھا۔ پستول سیدھا کرنے کے بعد اچانک اس نے اس دروازے پر لات ماری جو بالکل سامنے تھا اور اس کے فوراً بعد کان پھاڑ دینے والی آواز فضا میں گونجی اور ہم نے چھت کا پلاسٹر چیخ کر نیچے گرتے ہوئے محسوس کیا۔ ساتھ ہی سرفراز نے کمرے میں روشنی کردی اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"خبردار اگر جنبش کرنے کی کوشش کی تو پورے بدن میں گولیاں پار ہوجائیں گی۔"

کمرے میں تیز روشنی پھیل جانے کی وجہ سے آنکھیں ایک دم متاثر ہوئی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک چیخ کی آواز بھی بلند ہوئی تھی' ہمارے اعصاب کشیدہ ہوتے جارہے تھے۔ ہم نے ایک گوشے میں ایک شخص کو دیکھا جو ایک کرسی پر سمٹنے کی کوشش کررہا تھا اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے کے سامنے رکھے ہوئے تھے اور شدید خوف کے عالم میں سکڑا جارہا تھا۔

سرفراز کی پستول کا رخ اس کی جانب ہوگیا اور اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سیدھے ہوجاؤ۔ میں کہتا ہوں سیدھے ہوجاؤ۔"

اس شخص نے آہستہ آہستہ اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور دوسرے لمحے میرے حلق سے ایک مدہم سی آواز نکل گئی۔

"ملک اعجاز۔"

سرفراز نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر گہری سانس لے کر سیدھا ہوگیا۔ پھر اس نے پستول والا ہاتھ بھی نیچے کرلیا تھا اور اس کے بعد وہ نرم لہجے میں بولا۔

"مسٹر اعجاز اگر آپ خوفزدہ ہیں تو براہ کرم خوف کرنا چھوڑ دیجئے ہم دوست ہیں' دشمن نہیں ہیں' دیکھئے اور پہچانئے۔ یہ شعور ظفر ہیں' میرا تعلق محکمہ پولیس سے ہے' ابھی آپ نے شعور کو فون کیا تھا اس کے جواب میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا۔ اوہ میرے خدا!" ملک اعجاز کے حلق سے خوفزدہ سی آواز نکلی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"باہر......... باہر کوئی موجود تو نہیں ہے' براہِ کرم ہوشیار رہیں۔ یہاں' یہاں ایک پُراسرار وجود کو دیکھا گیا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وہ کہاں ہو' آپ براہِ کرم ہوشیار رہیں۔" ملک اعجاز کے لہجے میں بے پناہ خوف تھا' ہم لوگ بھی اس ماحول اور اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ایک پولیس آفیسر کی حیثیت سے سرفراز نے اس بارے میں سوچا' کچھ لمحے سوچتا رہا' پھر بولا۔

"کیا آپ کو کسی سے زندگی کا خطرہ ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا' لیکن......... لیکن......... لیکن........."

"آپ یوں کریں مسٹر ہمایوں کہ کمرے کا دروازہ بند کرلیجئے۔ یہ کھڑکی بھی بند

کر لیجئے جو سامنے کھلی نظر آ رہی ہے' ہم ساری گفتگو یہیں کریں گے۔ ایک منٹ۔ اس نے کہا اور اس دروازے کی جانب بڑھ گیا جو واش روم کا دروازہ تھا اس۔ واش روم کی لائٹ آن کر کے اسے بھی اندر سے جھانکا اور مطمئن ہو کر واش روم دروازہ بھی باہر سے بند کر دیا' ایک ایک روشندان اور ایک ایک کھڑکی کا بھرپور جائز لینے کے بعد اس نے اس کمرے کو محفوظ بنا لیا اور پھر اچانک ملک اعجاز سے بولا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ذرہ برابر کوئی خطرہ نہیں رہا ہے آپ ہمیں پور داستان سنا سکتے ہیں' کیا واقعہ پیش آیا ہے آپ کے ساتھ؟ جہاں تک ہمارے تعارف سوال ہے تو آپ صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ ہم دونوں مسٹر شعور کے ان گہرے دوستو میں سے ہیں جو ہر طرح سے ان کی بہتری چاہتے ہیں اور ان کے لئے جان کی باز لگانے کو تیار ہیں۔ اگر مسٹر شعور سے آپ کا کوئی ربط ہے اور آپ ان سے کچھ ک چاہتے ہیں تو براہ کرم کھل کر تفصیل کے ساتھ ہمیں بتائیں اور بالکل مطمئن رہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

سرفراز کے ان الفاظ سے ملک اعجاز کے چہرے پر تھوڑی سی رونق آئی اور ا گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ سرفراز تو خیر پولیس کا آدمی تھا' ہمایوں بھی ایک ذہ نوجوان تھا لیکن میں بھی اپنے طور پر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وق ملک اعجاز اداکاری کر رہا ہے یا اس کی موجودہ کیفیت واقعی حقیقی ہے۔ اندازہ یہ ہو تھا جیسے وہ اس سلسلے میں واقعی کوئی اہم انکشاف کرنے والا ہے اور اس وقت کسی طر اداکاری نہیں کر رہا ہے۔ اس نے سرفراز کی حفاظتی کارروائی سے کافی حد تک اطمینان محسوس کیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مکمل طور پر بہتر نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے کہا۔

"آپ یقین کریں' وہ انسان تو تھا ہی نہیں لیکن ہم اسے جانور بھی نہیں کہ

سکتے۔ میں نے گوریلے بھی دیکھے ہیں۔ وہ جیسے بھی ہوتے ہیں' لیکن انسانوں کی طرح پھرتیلے نہیں ہوتے اور نہ ہی......... مگر اس کے جسم پر بال بھی تھے۔ اور کان' کان بلیوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے اور آنکھیں۔ اوہ میرے خدا۔ آنکھوں کی پتلیاں سیدھی تھیں۔ بلیوں جیسی لیکن انسانی سائز کی بلی اور وہ بھی دو پاؤں پر چلنے والی۔"

وہ ایک دم خاموش ہو گیا' پھر پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "معاف کیجئے۔ میں ذہنی طور پر معقول نہیں ہوں بالکل بے حواس ہوں میں۔ آپ کو تو معلوم بھی نہیں ہو گا کہ میں کس کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"آپ کے دل میں جو کچھ ہے کہہ لیجئے اور اس کے بعد سارے خوف دل سے نکال دیجئے۔ کیونکہ ہم یہاں ہیں۔ ہاں ایک درخواست آپ سے ضرور کرنا چاہتے ہیں۔" سرفراز نے کہا۔

"درخواست۔" ملک اعجاز نے عجیب سی نظروں سے سرفراز کو دیکھا۔

"ہاں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اپنے حواس درست کرنے کے بعد آپ ہم سے جو کچھ کہیں گے سچ کہیں گے' ورنہ دوسری صورت میں ملک اعجاز صاحب' جو کچھ ہو گا وہ آپ کے حق میں بہتر نہ ہو گا۔"

"نہیں پلیز۔ اس وقت مجھے کوئی دھمکی نہ دیں۔ میرے حواس اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں نے اتنی عجیب شکل اس سے قبل نہیں دیکھی تھی' آپ یقین کریں' بلکہ دن کی روشنی میں اگر آپ باریک بینی سے یہاں کا جائزہ لیں تو شاید آپ کو یہاں اس کے بال بھی گرے ہوئے نظر آ جائیں۔"

"وہ سب بعد میں دیکھا جائے گا' پہلے آپ کو ہمارے کچھ سوالات کے جواب دینا

ہوں گے۔ آپ کو بے شک یہ اندازہ نہیں ہوگا کہ مسٹر شعور کے ساتھ اور کوئی بھی یہاں آجائے گا۔ ہو سکتا ہے آپ مسٹر شعور کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہوں اور اس میں ناکام رہ کر کوئی کہانی گھڑ رہے ہوں‘ لیکن اگر یہ بات نہیں ہے تو مطمئن رہیں اس وقت اس عمارت کے گرد پولیس کے مسلح جوان بکھرے ہوئے ہیں۔“

”آہ۔ یہ تو بہت اچھا ہے۔ آپ نے مجھے مطمئن کردیا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایک لفظ سچ بولوں گا۔“

”ابھی ایک آواز ابھری تھی‘ وہ کیسی تھی؟“ سرفراز نے پوچھا۔

”وہ.......... وہ پیتل کا وہ گلدان تھا۔ اندھیرے میں میرے ٹکرانے سے گر گیا تھا‘ میں نے اٹھا کر رکھ دیا۔“

”اس کی آواز سے ہم آپ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ خیر۔ آپ یہ بتائیے آپ نے فون پر مسٹر شعور کو کیوں بلایا تھا؟“

”میں انہیں ان واقعات کی تفصیل بتانا چاہتا تھا وہ سب کچھ بتانا چاہتا تھا جو کسی کو معلوم نہیں ہے۔“

”مسٹر شعور نے اس سے قبل کوئی پیغام آپ کو دیا تھا جسے آپ نے حقیقت ماننے سے انکار کردیا تھا۔“

”ہاں۔“

”گویا جھوٹ بولا تھا آپ نے۔“

”نہیں۔“ ملک اعجاز نے کہا اور ہم سب اس کی صورت دیکھتے رہ گئے‘ پھر اس نے کہا۔

”ضروری ہے کہ میں شروع سے آپ کو ساری تفصیل بتادوں۔ اس کے بعد.......... اس کے بعد نہ جانے کیا ہو۔ نہ جانے کیوں مجھے اب یوں لگ رہا ہے؟

جیسے‘ جیسے..........“

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہوگیا۔ نہ جانے کیوں اس وقت وہ بے حد پُراسرار لگ رہا تھا۔ ہم سنسنی خیز نظروں سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے‘ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد ملک اعجاز نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ ”میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری یہ مشکل‘ اور مجھے پیش آنے والے یہ واقعات میری بددیانتی اور مجرمانہ عمل کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ زندگی میں ایسے لاتعداد واقعات پیش آئے ہیں‘ جن میں ہم نے لالچ کی بنیاد پر بہت کچھ کیا ہے اور جب انسان اپنے ضمیر سے جنگ کرکے اسے شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں جو لوگ دیانتداری اور نیکیوں کو اپنائے رکھتے ہیں وہ فرسودہ خیالات کے مالک ہیں‘ اور ان ناکام لوگوں میں سے ہیں جو اپنے احساسات کا شکار رہ کر زندگی کو پسماندگی سے گزار دیتے ہیں‘ بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس کے بعد انسان کی ذہنی کیفیت بگڑتی چلی جاتی ہے‘ میں نے بھی کبھی سنجیدگی سے ایسے کسی معاملے میں نہیں سوچا تھا‘ لیکن جب آج میں نے خوف کی اس وادی میں قدم رکھا اور موت کو بالکل تنہائی میں اپنے قریب پایا تو شدت کے ساتھ یہ احساس ہوا کہ انسان تو واقعی بالکل تنہا ہے اور جب برے حالات اس کا تعاقب کرتے ہیں تو کوئی بھی اس کا ساتھی نہیں ہوتا۔“

”میرا خیال ہے آپ افسانہ طرازی زیادہ کررہے ہیں ملک صاحب۔ یہاں اس پُراسرار اور غیر یقینی ماحول میں آپ اپنی گفتگو کو جس قدر مختصر اور آسان کردیں‘ زیادہ مناسب ہوگا۔“ سرفراز نے اپنے مخصوص کھردرے انداز میں کہا اور ملک اعجاز جیسے چونک پڑا پھر وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا..........

”میں اپنے جذبات کی رو میں بہک گیا تھا‘ اصل میں جب انسان کے اندر کا مجرم بولتا ہے تو پھر دل یہ چاہتا ہے کہ اپنے جرم کی تمام سیاہی انڈیل دی جائے‘ خیر میں جانتا

ہوں کہ اس سے آپ کو دلچسپی نہیں ہوگی' بات شاید آپ تمام حضرات کے علم میں ہو یا نہ ہو' لیکن یہ ضرور جانتے ہیں کہ اصلی معاملہ کیا ہوا تھا' ضرغام احمد کاظمی کے ساتھ میں بھی ان کے پینل میں شریک تھا' اور کافی کام میں نے ان کے ساتھ کیا۔ پھر اس دن بھی میں ان کے ہمراہ تھا جب حویلی میں اس سلسلے میں بات چیت ہوئی اور وہ تمام حضرات جو شعور صاحب کے حسابات کا فیصلہ کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ حویلی میں اب ان کا کچھ بھی نہیں ہے' اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگئے تھے۔ ایسے لمحات میں وہ بزرگ جن کا نام بابا عبدالحق تھا صندل کا وہ صندوقچہ لے کر آئے اور پھر اس کے بعد کی کہانی آپ لوگوں کو بھی معلوم ہے' میں نے بھی وہ ہیرے دیکھے اور بہرحال میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا' یہ پُراسرار چمکدار پتھر انسان کو سحرزدہ کردیتے ہیں اور یہ تو خیر اب جدید ترین ریسرچ ہے کہ رنگ اور چمک انسانی ذہن کو مسحور کردیتی ہے اور وہ عجیب وغریب خیالات کا شکار ہوجاتا ہے' میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ صرف میرے ہی دل میں ان ہیروں کے حصول کا لالچ ہوگا' لیکن بعد میں یہ اندازہ ہوگیا کہ ضرغام احمد صاحب بھی ہیروں کے سحر میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ بہرحال وہ انچارج تھے' صندل کا وہ صندوقچہ وہ اپنے ساتھ لے کر آگئے' راستے میں مجھ سے گفتگو بھی ہوئی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ جب تک وہ اس قیمتی امانت کو محفوظ نہیں کردیں گے اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرتے رہیں گے' انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ دیانت داری کے ساتھ اس کی تقسیم کردینا چاہتے ہیں اور وہ بیچارہ لڑکا یعنی مسٹر شعور اس میں سے کچھ حاصل کرکے اپنی زندگی کا آغاز کرسکتا ہے' کیونکہ یہ شاطر بوڑھے اب اس کو نہ تو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں نہ اسے کچھ دینے کے خواہشمند ہیں۔ بہرحال وہ ساری رات میں نے جاگتے ہوئے گزاری تھی' حالانکہ صندل کا وہ صندوقچہ میرے پاس نہیں تھا' کئی بار میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ ضرغام احمد صاحب کی کوٹھی پر جاؤں اور انہیں قتل کرکے

ہیروں کا وہ صندوقچہ حاصل کرلوں' لیکن میں نے ایسا کوئی کام زندگی میں پہلے کبھی نہیں کیا' اپنے آپ کو نفریں ہی کرتا رہا تھا ان احساسات اور خیالات پر.......... ظاہر ہے یہ نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر دوسری صبح میں دفتر ہی پہنچا تھا' یہ سوچ کر کہ معلومات حاصل کروں اور میں نے ضرغام احمد صاحب کو دیکھا جو اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔ پھر میں نے اس بینک تک ان کا تعاقب کیا اور پوری طرح ان پر نگاہ رکھی' یہاں تک کہ لاکر نمبر بھی دیکھ لیا۔ ضرغام صاحب کو اس بات کا پتہ نہیں چلنے دیا تھا میں نے' اس کے بعد میں واپس آگیا اور یہ ظاہر کیا کہ اس دوران میں کورٹ میں کام کرتا رہا ہوں۔ اپنے دل میں پیدا ہونے والے مجرمانہ خیالات کے مطابق میں اپنے تحفظ کی منصوبہ بندی بھی کرتا رہا اور ایسے شواہد پیدا کرتا رہا کہ اگر کام ہونے کے بعد کسی کا شبہ میری جانب ہو تو یہ ثابت ہوسکے کہ میں کہیں اور تھا بلکہ کورٹ میں جگہ جگہ میری موجودگی کے ثبوت مل جائیں۔ میں نے جان بُوجھ کر ایسا کیا تھا' کیونکہ میرے دل میں ایک مجرم جاگا ہوا تھا' یہاں تک کہ میں واپس آگیا اور اس کے بعد اس قسم کے مواقع حاصل کرتا رہا جس سے مجھے کچھ وقت کے لئے موقع مل جائے اور میں لاکر کی وہ چابی چرا سکوں' اور میں نے بڑے اطمینان سے یہ کام کرلیا۔ میں نے وہ چابی ضرغام صاحب کے لباس سے بڑی احتیاط کے ساتھ نکال لی اور انہیں اس بات کا اندازہ نہ ہونے دیا اور پھر میں نے سب سے پہلا کام یہ کہا کہ وہ صندوقچہ اس لاکر سے نکال لایا' صندوقچہ لے کر میں اسی عمارت میں آیا تھا' اصل میں یہ عمارت میرے بچپن کے دوست اور بہت بڑے سرمایہ دار ابراہیم ناسا کی ہے جو کینیا میں رہتا ہے' اور وہیں کاروبار اور تجارت کرتا ہے۔ عمارت اس کی خاندانی ملکیت ہے اور یہاں چونکہ بہت عرصے سے وہ نہیں آیا اور نہ ہی اس عمارت سے اسے کوئی خاص لگاؤ ہے' چنانچہ اس عمارت کی چابی وغیرہ سب میرے ہی پاس رہتی ہے اور کبھی کبھی میں اسے اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ

مشغولیات کے لئے استعمال کرلیتا ہوں۔ یہاں ٹیلی فون بھی میں نے خود ہی لگوایا ہے' لیکن ابراہیم ناسا کے نام پر تاکہ کبھی میں کسی الجھن کا شکار نہ ہوسکوں' بقیہ اس عمارت کی دیکھ بھال میں ہفتے پندرہ دن میں ایک بار اس طرح کرالیتا ہوں کہ کسی کو وقتی طور پر کچھ معاوضے پر حاصل کیا اور اس کی صفائی وغیرہ کرادی..........

بہرحال وہ صندوقچہ لے کر میں یہیں آگیا تھا اور میں نے صندوقچہ یہاں چھپادیا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی' رات کو میں واپس اپنے گھر چلا گیا تھا' مجھے اس بات کی امید تھی کہ جیسے ہی کاظمی صاحب لاکر دیکھیں گے یا انہیں چابی کی گمشدگی کا احساس ہوگا اس سلسلے میں ہنگامہ شروع ہوجائے گا' میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس ہنگامہ آرائی کے لئے تیار کرلیا تھا' میرا تو ویسے بھی کہیں کوئی نشان نہیں ملنا تھا' اس لئے میں بے فکر تھا' لیکن دوسرے دن مجھے کاظمی صاحب کی موت کی اطلاع ملی اور میں ششدر رہ گیا' پھر دوسروں کی طرح میں بھی ان معاملات میں شریک رہا' لیکن کاظمی صاحب کی موت میرے لئے بڑی بھیانک سوچوں کی حامل تھی' میں نے دل میں سوچا کہ خدانخواستہ کہیں سے بھی اگر یہ شبہ ہوگیا کسی کو کہ ہیرے میرے پاس محفوظ ہیں یا میں نے وہ صندوقچہ لاکر سے حاصل کیا ہے تو کاظمی صاحب کی موت کی ذمے داری مجھ پر عائد ہوجائے گی۔ میں اس احساس سے سخت خوفزدہ تھا کہ شعور صاحب نے مجھ سے ملاقات کی اور ملاقات کرکے انہوں نے مجھے ایک اجنبی اور انوکھی کہانی سنائی' ایسے حالات میں آپ لوگ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میری ذہنی کیفیت کیا ہونی چاہئے تھی' مجھے تو دہشت سے پسینہ آنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اگر یہ بات باقاعدہ پولیس کے کانوں تک پہنچ گئی تو میرا کیا حشر ہوگا' حالانکہ میرے خلاف کوئی ثبوت نہ شعور صاحب کے پاس تھا اور نہ ہی پولیس کو کوئی ثبوت حاصل ہوسکتا تھا کیونکہ سب کچھ میں نے نہایت احتیاط سے کیا تھا۔ بہرحال پھر بھی انسان کے ذہن میں جب چور ہوتا ہے تو وہ پریشان

ہوتا ہی ہے' میں کشمکش کے عالم میں یہاں آگیا اور یہاں آکر میں نے سب سے پہلے اس صندوقچے کو کھول کر دیکھا لیکن کیا آپ لوگ یہ یقین کریں گے کہ صندوقچہ خالی تھا اس میں ایک بھی ہیرا موجود نہیں تھا۔"

"کیا.........؟" ہمایوں کے منہ سے نکلا.......... میں بھی اچھل پڑا تھا' لیکن سرفراز کی آنکھوں میں ایک سختی ابھر آئی تھی اور وہ کرخت نگاہوں سے ملک اعجاز کو دیکھ رہا تھا۔ ملک اعجاز خاموش ہوکر کچھ لمحے تاثرات میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔

"میری عقل نے میرا ساتھ چھوڑ دیا' یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم تھی کہ یہاں اس عمارت میں میرے علاوہ کسی اور کے آنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پوری عمارت میں ایسا کوئی نشان بھی نہیں ملا مجھے جس کے بارے میں یہ سوچا جاسکے کہ کوئی اجنبی یہاں آیا اور ہیرے نکال کرلے گیا' اور پھر صندوقچہ اسی جگہ موجود تھا۔ بہت غور کرنے کے بعد میرے ذہن نے ایک ہی فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ ہیرے کسی اور نے یہاں آکر نہیں نکالے بلکہ کاظمی صاحب نے ہیرے نکالنے کے بعد وہ صندوقچہ لاکر میں رکھا یا تو اس تصور کے ساتھ کہ بعد میں کوئی ڈرامہ کرکے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہیرے اس صندوقچے میں تھے اور لاکر میں رکھے رکھے غائب ہوگئے' آپ لوگ اگر میری باتوں سے اتفاق کریں اور ذرا سا میرے بارے میں مخلص ہوکر سوچیں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں' شاید درست ہی ہو تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ یقینی طور پر یہی تصور میرے ذہن میں آیا تھا کہ کاظمی صاحب ایک خوبصورت کہانی سنائیں گے جو بابا عبدالحق صاحب نے سنائی تھی' یعنی یہ کہ ہیروں کا وہ صندوقچہ طور علی نامی کسی جن نے اپنی بہن زیب النساء کو دیا تھا اور اب وہ ہیرے کسی کے پاس نہیں رہ سکتے' یقینی طور پر کاظمی صاحب اس پُراسرا کہانی کا سہارا لیتے۔ میں نے انتہائی افسوس کے ساتھ سوچا کہ کاظمی صاحب کا اپنا منصوبہ بھی فیل ہوگیا ہے' لیکن یہ بھی سوچا میں

نے کہ ایسے موقع پر کون کون افراد وہاں موجود تھے' جنھوں نے یہ کہانی سنی تھی' ہوسکتا ہے ان میں سے کوئی اور بھی اس کہانی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہو اور اس نے مجھ سے پہلے کاظمی صاحب کو قتل کرکے وہ ہیرے حاصل کرلئے ہوں۔

بہرحال میری مایوسی کی انتہا نہ رہی تھی اور میں یہیں اس عمارت میں غم واندوہ کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میں نے عمارت میں قدموں کی آوازیں سنیں اور میں اچھل پڑا........ آپ یقین کیجئے بہت بار اس عمارت میں تنہا بھی آیا ہوں' مجھے یہاں کبھی خوف محسوس نہیں ہوا کیونکہ میں تو اکثر یہاں راتیں گزار چکا ہوں' کبھی دوستوں کے ساتھ اور کبھی تنہا' لیکن اس وقت مجھے خوف محسوس ہوا اور پھر میں نے احتیاط کے ساتھ باہر دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا اگر آپ اسے صرف میرا وہم یا کوئی کہانی نہیں سمجھتے تو آپ یقین کیجئے کہ وہ میرے لئے ناقابلِ یقین تھا' وہ انسان نما جانور تھا' یا جانور نما انسان' میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ اس نے کوئی ماسک لگائی ہو' لیکن اگر اس نے ماسک لگائی تھی تو وہ ناقابلِ یقین حد تک مکمل تھی۔ کیونکہ وہ خالی ماسک نہیں بلکہ پوری کھال تھی جو بظاہر اس کے جسم پر منڈھی ہوئی بھی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ دونوں پیروں کے بل چل رہا تھا اور کبھی کبھی ہاتھوں پیروں کے بل بھی' اصل میں وہ میرے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ میں کہاں ہوں' لیکن میرے اوسان خطا ہوگئے تھے اور میں شدید خوف کے عالم میں تھا' وہ بہت دیر تک اس عمارت میں گھومتا رہا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جگہ جگہ تلاشی لیتا پھر رہا ہو........ آہ........ کیا ہی بھیانک شے تھی وہ۔ میں نے یہ کمرہ بھی خالی کردیا تھا اور اس سے ملحق ایک دوچھتی پر جاچڑھا تھا' میں آپ کو ثبوت دے سکتا ہوں کہ میں نے وہاں جاکر اپنی جان بچائی تھی اور انتظار کرتا رہا تھا' پھر بہت دیر اسی طرح گزر گئی اور اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔ پھر مجھے شعور صاحب کی ٹیلیفون کال موصول ہوئی اور میں

نے اس وقت اسے امدادِ غیبی سمجھا اور انہیں یہاں طلب کرلیا۔ یہ ہے میری کہانی۔ وہ صندوقچہ وہاں موجود نہیں ہے' جہاں رکھا ہوا تھا جگہ جگہ کی تلاشی لی گئی ہے اب وہ خالی صندوقچہ بھی اس الماری میں اس جگہ موجود نہیں ہے' جو داستان میں نے آپ کو سنائی اس کے لئے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کاش میں کوئی ٹھوس اور مؤثر ثبوت پیش کرسکتا' ہاں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ دن کی روشنی میں جب آپ اس عمارت کا جائزہ لیں تو آپ کو کچھ ایسے ٹوٹے ہوئے بال مل جائیں جو شاید میری بات کی تصدیق کرسکیں' لیکن ایک بات یہ سمجھ لیجئے جناب کہ اگر یہ اصل کہانی میں آپ کو نہ سناتا تو میرے لئے یہ مشکل نہیں تھا کہ کوئی دوسری من گھڑت کہانی سنا کر اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا کیونکہ مشکل تو اب بھی پیش آئے گی' بات کاظمی صاحب کی موت کی ہے' لیکن اگر آپ انسانی نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہوئے میری اس کہانی کو بھی مدِنگاہ رکھ لیں تو ہوسکتا ہے میرے لئے زندگی کی کوئی بچت ہوجائے........"

وہ خاموش ہوا تو ہم سب گہرے تاثر میں ڈوب گئے اور دیر تک ایک بوجھل ماحول طاری رہا' پھر سرفراز نے ہی سوال کیا۔

"ملک اعجاز صاحب' آپ کا اپنا کوئی گھربار نہیں ہے؟"

"بیوی بھی ہے' بچے بھی ہیں اور اہلِ خاندان بھی ہیں' ذاتی گھر ہے میرا لیکن بس اس کہانی میں یہ حصہ بھی شامل ہے........"

"ہوں........ اب یہ بتایئے ہم آپ کی کیا خدمت کرسکتے ہیں........؟"

"اگر ان واقعات میں جرم کی کوئی ایسی کیفیت سامنے آتی ہو جو فوراً قابلِ دست اندازی پولیس ہو تو آپ مجھے گرفتار کرلیجئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کیس میں مجھے شامل رکھئے گا' آپ یقین کیجئے میں اتنا تعاون کروں گا آپ سے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے' بات اس قدر پُراسرار اور خوفناک ہے اور میں نے موت کو اتنے قریب

سے دیکھا ہے کہ اب میں کسی سلسلے میں کوئی مدافعت نہیں کروں گا' جو بیان میں آپ
دے چکا ہوں وہ آپ لاکھ بار مجھ سے لے لیجئے گا لکھوا کر.......... جو جرم میں نے
ہے وہ اتنا بے شک ہے باقی اگر اس سے زیادہ ثبوت میرے خلاف مل جاتے ہیں تو میں
تقدیر سے سمجھوتہ کروں گا۔ آپ مجھے گرفتار کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں.........."

"دوسری صورت میں..........؟"

"دوسری صورت میں براہ کرم مجھے اپنے ساتھ لے چلئے اور مجھے میرے گھر
چھوڑ دیجئے' میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کروں گا' یہ آپ سے میرا وعدہ ہے۔"

ہم لوگ پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے' سرفراز' ہمایوں اور میں محسوس
کر رہے تھے کہ ملک اعجاز کی کہانی درست ہے' ویسے پُراسرار عمارت میں جو انوکھے
واقعات پیش آئے تھے وہ بڑی سنگین نوعیت کے تھے لیکن بہرحال اب نہ صندوقچہ
موجود تھا اور نہ ہیرے' اس سلسلے میں سرفراز جس انداز میں کام کر رہا تھا' کم از کم
اسے مدد حاصل ہوئی تھی' میرا مسئلہ عارضی طور پر اس طرح حل ہو گیا تھا کہ ہمایوں
نے مجھے رہنے کے لئے فلیٹ دے دیا تھا' حویلی والے اگر اپنے طور پر کوئی ڈرامہ بازی
کرنا چاہتے ہیں تو بے شک کرتے رہیں بلکہ ہمیں تو اس سلسلے میں ابھی اور بھی بہت
سے کام کرنے تھے' لیکن بہرحال سرفراز نے ملک اعجاز کو پیشکش کر دی کہ وہ ہمارے
ساتھ چاہے تو چل سکتا ہے اسے اس کے گھر پر چھوڑ دیا جائے گا' لیکن اس بات کا خیال
رکھے کہ اگر اس نے کسی بھی طرح فریب کرنے کی کوشش کی تو پھر اسے بدترین
حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ملک اعجاز ہمارے ساتھ ہماری کار میں ہی واپس آیا تھا
راستے میں سرفراز نے اس سے ایک اور سوال کیا..........

"ایک بات بتاؤ ملک اعجاز..........! مسٹر شعور نے تمہیں جس عورت یا لڑکی کے
بارے میں بتایا تھا اور اس کا جو پیغام تمہیں دیا تھا اس کے بارے میں کیا کہتے

ہو..........؟"

"خدا کی قسم نہ میں کسی ایسی لڑکی کو جانتا ہوں اور نہ یہ سوچ سکتا ہوں کہ وہ
پیغام کسی نے مجھے دلوایا ہو گا بلکہ سچ کہوں آپ سے' میں نے شعور صاحب کے بارے
میں ہی سوچا تھا کہ یہ کہانی صرف شعور صاحب کی گھڑی ہوئی ہے وہ میرے ذریعے
ہیروں کے اس صندوقچے تک پہنچنا چاہتے ہیں' معافی چاہتا ہوں شعور صاحب! انسان
بہرحال اسی انداز میں سوچتا ہے۔"

"ٹھیک ہے.........."

پھر ہم نے ملک اعجاز کو اس کی رہائش گاہ پر اتار دیا تھا اور اسے کچھ ہدایات دینے
کے بعد کار وہاں سے آگے بڑھا دی تھی' ہمایوں نے کہا..........

"یار سرفراز.......... تمہیں اور کوئی اہم کام تو نہیں ہے..........؟"

"کیوں..........؟"

"فلیٹ پر چل رہے ہیں' اس موضوع پر بات کریں گے یہ تو بڑی دلچسپ اور
پُراسرار کہانی ہے۔ کیا واقعات ہیں' ذرا غور کرنا پڑے گا' بڑی سنگین سی باتیں سامنے
آ رہی ہیں۔"

سرفراز نے کوئی جواب نہیں دیا اور کچھ دیر کے بعد ہم فلیٹ میں داخل ہو رہے
تھے' اندر داخل ہو کر ہمایوں نے لائٹ آن کرتے ہوئے کہا..........

"ان پے در پے واقعات نے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں اور میں کافی کی
شدید ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ چنانچہ جب تک میں کافی بناؤں آپ لوگ بھی
ریلیکس ہو جائیں پھر بات کریں گے.........."

باقی سب لوگوں نے اس تجویز کی تائید کی تھی اور پھر ہم سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

☆--------☆--------☆

ہمایوں حالانکہ بڑے باپ کا بیٹا تھا اور جو چاہتا کر سکتا تھا' اسے آسانیاں حاصل تھیں' دوسری طرف سرفراز بھی ایک دوست قسم کا آدمی ہی ثابت ہوا تھا' پولیس ایک اچھا اور بڑا افسر ہونے کے باوجود اس کے اندر ذرا بھی غرور نہیں تھا بلکہ چہرے کے نقوش بھی بتاتے تھے کہ دل کا بھی سخت آدمی نہیں ہے اور بڑی اچھی شخصیت مالک ہے' ہم نے سلسلۂ گفتگو اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دیا تھا جب تک کہ ہمایوں واپس نہ آجائے' ہمایوں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کافی کی ٹرے تھی' ساتھ ہی کچھ بسکٹ وغیرہ بھی۔ ٹرے سامنے رکھتا ہوا وہ بولا۔

"کافی پیو' واقعی بڑے سنسنی خیز معاملات ہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اونٹ کو کس کروٹ بٹھایا جائے.........."

"میرے خیال میں اونٹ کو کھڑا رہنے دو' اور فی الحال اس کافی کا لطف اٹھاؤ۔" سرفراز نے کہا اور کافی کے بڑے برتن سے پیالیوں میں کافی انڈیلنے لگا' سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیل گئی تھی اور ہم لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ کھولتی ہوئی کافی کے گھونٹ لینے لگے تھے' دیر تک خاموشی طاری رہی پھر سرفراز نے کہا۔

"دوستو' کیا عجیب اتفاق ہے کہ ایڈووکیٹ کاظمی صاحب کے قتل کا معاملہ میرے سپرد کیا گیا ہے' گو مقامی تھانے کا انچارج اس سلسلے میں کام کر رہا ہے اور ظاہر ہے وہ بھی کچھ کر ڈالنے کا خواہش مند ہے' لیکن جو ذمے داری مجھ پر عائد ہوتی ہے' اس کے

لئے میرے اعلیٰ حکام نے مجھ پر الگ سے بھروسہ کیا ہے' میرے ذہن میں ملک اعجاز صاحب پہلے سے ہی تھے۔ یہ جو واقعات پیش آئے ہیں' ان کے بارے میں اب میں آپ لوگوں کی اپنی ذاتی رائے جاننا چاہتا ہوں.......... اصل میں کافی میں یہی فائدہ ہے کہ دماغ کھل جاتا ہے اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں ایک مقام تک پہنچ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ملک اعجاز صاحب کوئی شاندار ڈرامہ کر رہے ہوں' وہ ہیرے میں نے تو نہیں دیکھے لیکن جس نے دیکھے ہیں وہ یہ کہتا ہے' میری مراد مسٹر شعور سے ہے' کہ وہ انتہائی قیمتی تھے۔ ملک اعجاز صاحب نے جو اب تک کہانی سنائی ہے کہیں وہ ذہین دماغ کی پیداوار تو نہیں ہے۔ اس کے امکانات تو ہیں.........."

"ہاں.......... کیوں نہیں۔ واقعی اس کے امکانات تو ہیں۔"

"تو پھر میرا جہاں تک خیال ہے ہمیں بڑی گہرائی کے ساتھ پہلے ملک اعجاز کا تجزیہ کرنا چاہئے اور یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ملک اعجاز کی شخصیت کیا ہے' بعد میں ہی ساری تفصیل معلوم ہو گی.........."

"یہ ذمے داری کیا تم قبول کرو گے..........؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"ویسے بھی یہ ذمے داری مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے' خاص طور سے ایک پولیس افسر کی حیثیت سے.........."

"لیکن معاملہ چونکہ ہم لوگوں سے بھی براہ راست متعلق ہو گیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ ہمیں بھی حالات سے آگاہ رکھنا.........."

"ہمارے سامنے جو صورتِ حال ہے وہ یہ ہے کہ مسٹر شعور کا خاندان انہیں ان کے ورثے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ کر چکا ہے' مگر حیران کن بات یہ ہے کہ ان کے خلاف ایک محاذ بنا لیا ہے ان لوگوں نے اور انہیں وہاں سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔"

"چاہتے کیا ہیں بلکہ ہٹا چکے ہیں.......... شعور نے درحقیقت وہ حویلی چھوڑ دی ہے اور مناسب بھی یہی ہے ان کے لئے جن لوگوں کو جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکے ہیں خود کاظمی صاحب نے بھی اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ انہیں ان کا حصہ ان کے تعلیمی اخراجات کی شکل میں مل چکا ہے۔ وہ تو بابا عبدالحق نے بیچ میں ٹانگ اڑا دی تھی ورنہ اگر پہلے سے یہ بات بھی ان لوگوں کو معلوم ہوتی کہ ایسے نادر ہیروں کا وجود موجود ہے تو ان کا حصہ اس میں بھی ختم ہو چکا ہوتا۔ بس کیا کہا جائے دولت شے ہی ایسی ہے کہ انسان سے انسانیت چھین لیتی ہے اور وہ حیوان بن کر سوچنے لگتا ہے.........."

"یار ایک مسئلہ اور میرے ذہن میں ہے۔ یہ آخر بابا عبدالحق کہاں غائب ہو گئے' انہیں تلاش کیوں نہ کیا جائے۔ مسٹر شعور' یہ کام آپ کریں' بابا صاحب مل جائیں تو ہو سکتا ہے ہمیں اس سلسلے میں کچھ اور معلومات حاصل ہو سکیں۔"

میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلادی' بابا صاحب ایک غیور انسان تھے ان بُرے لوگوں کی بُرائی میں وہ شریک نہیں ہوئے اور انہوں نے کنارہ کشی اختیار کر لی پھر اور بہت سی باتیں ہوتی رہیں' سرفراز چونکہ پولیس کا آدمی تھا ہر بات کو گہری نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ کہنے لگا۔

"دوسری بات اس جوڑے کی ہے جو بقول بابا عبدالحق کے ظور علی نے زیب النساء بی بی کو دیا تھا اور جس کے بارے میں خیال تھا کہ اس میں لاکھوں روپے کے قیمتی ہیرے ٹکے ہوئے ہیں' وہ بھی گم ہو گیا۔ کیا وہ خاتون اپنا باقاعدہ خاندان رکھتی ہیں' میرا مطلب ہے کہ جوڑے کے ہاضمے کے بعد وہ اس کی قیمت کو اپنے اہلِ خاندان کے لئے استعمال کر سکتی ہیں؟ مسٹر شعور آپ اس کا جواب دیں۔"

"بالکل بھائی.......... وہاں تو ہر ایک کے ساتھ ساتھ ایک پورا خاندان منسلک ہے اور سب اپنوں کو چاہتے ہیں' جیسا کہ میں بتا چکا ہوں سرفراز صاحب کہ ممکن

ہے کسی دور میں اس حویلی کی کوئی شان ہو' یہاں ایسے دولت مند لوگ رہتے ہوں جن کے یہاں ملازمین وغیرہ بھی ہوں اور ان کی اپنی ایک سرکاری حیثیت بھی ہو لیکن اب جو لوگ وہاں رہتے ہیں وہ سب کے سب یوں سمجھ لو کہ ایک چھپر کے نیچے پناہ گزین لوگ ہیں۔ بس وہ چھپر قیمتی ہے ان کے لئے' کیونکہ اس کا اپنا ایک مقام بیشک ہے۔"

سرفراز ایک گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا..........

"ویسے تو خیر حویلی والوں کو کافی پریشان کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حویلی ہی میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہو جس نے کاظمی صاحب پر نگاہ رکھی ہو اور بعد میں کام دکھا گیا ہو لیکن باقی ساری باتیں ذرا پُراسرار ہیں' خیر کام کر رہے ہیں معلوم ہو جائے گا کہ کیا صورتِ حال ہے۔"

پھر بہت دیر تک سرفراز بیٹھا رہا تھا' ہمایوں بھی موجود تھا۔ پھر سرفراز نے اجازت طلب کر لی' ہمایوں نے اپنے گھر ٹیلی فون کر دیا کہ وہ واپس نہیں آئے گا' ویسے بھی اتنی رات ہو گئی تھی کہ ٹیلی فون بھی ملازم ہی نے موصول کیا تھا۔ بیڈ روم میں' میں اور ہمایوں باتیں کرتے رہے۔ ہمایوں نے کہا۔

"ویسے تو سچی بات یہ ہے کہ یہ دولت اور ہیروں والی بات بڑی عجیب لگتی ہے۔ تم بالکل فکر مت کرنا' تمہاری رہائش کا بندوبست تو ہو ہی چکا ہے' کہیں نہ کہیں اچھی ملازمت کا بندوبست بھی میں کر دوں گا۔ اپنے طور پر زندگی گزارنے کے بارے میں سوچنا۔"

بہت دیر تک باتیں کرنے کے بعد ہمایوں کی آواز نیند میں ڈوب گئی' لیکن میرے ذہن میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا' واقعات اور حالات نے نہ جانے کیوں مجھے اپنے سحر میں جکڑ رکھا تھا' ایک عجیب سی کیفیت کا احساس بار بار دل میں ابھر آتا تھا اور ان تمام باتوں کو سوچتے ہوئے ایک چہرہ بھی نگاہوں کا مرکز بن جاتا تھا' وہ چہرہ جسے دیکھنے کے بعد

بار بار دیکھنے کی خواہش دل میں بیدار ہو' اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ بہرحال حُسن اپنا ایک مقام رکھتا ہے' وہ کون تھی' میں اسے کوئی پُراسرار روح بھی نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ روحوں کو سفر کے لئے کاریں درکار نہیں ہوتیں اور پھر جس انداز میں وہ مجھ سے پیش آئی تھی' وہ بڑا عجیب تھا۔ نام اس نے طُور علی کا ہی لیا تھا اور ملک اعجاز کے لئے وارننگ چھوڑی تھی' لیکن کیا زمانۂ جدید میں جن بھی کاریں استعمال کرنے لگے ہیں۔ سوچتے سوچتے آخر کار نیند آ گئی۔

دُوسری صبح تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک سوتا رہا' جاگا تو فہیم فلیٹ میں صفائی وغیرہ کر رہا تھا اور اپنے کام مکمل کر چکا تھا' غالباً میرے کمرے میں آہٹیں سن کر اندر آ گیا اور بولا

"صاحب' ساڑھے بارہ بج چکے ہیں' یہ بتایئے ناشتے کا انتظام کروں یا کھانے کا؟"

"ہمایوں کہاں ہے؟"

"صاحب کے لئے فون آیا تھا' ساڑھے دس بجے اور کیونکہ فون بڑے صاحب کا تھا اس لئے میں نے انہیں جگا دیا' مجھ سے کہہ کر چلے گئے ہیں کہ آپ سے کہہ دوں کہ ذرا مصروفیت ہو گئی ہے' ناشتہ وغیرہ کر لوں' اور ان کا انتظار نہ کروں۔"

"ہوں ٹھیک ہے' تم ایسا کرو کہ کھانا کچھ پکایا ہے؟"

"جی صاحب' مچھلی فرائی کی ہے اور اسٹو پکایا ہے' ناشتہ چاہیں تو وہ بھی دو منٹ میں تیار ہو سکتا ہے۔"

"روٹیاں پکا لو اور اس سے پہلے مجھے ایک کپ چائے بھجوا دو۔ بس۔"

"بہتر۔"

چائے پیتے ہوئے میں ان تمام واقعات کے بارے میں سوچتا رہا' حویلی والوں سے تو اب ایک طرح سے نفرت ہی ہو گئی تھی' مجھے بے دخل کر کے انہوں نے اپنی زندگی کا

سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا تھا' حالانکہ اگر میں غلط حرکات پر اتر آتا تو ان لوگوں کو بھی پریشان کر سکتا تھا' لیکن جہنم میں جائیں' میں اپنے طور پر الگ اپنی ایک دنیا آباد کروں گا' بس ذرا ان واقعات سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ پھر کھانا کھایا' ہمایوں کے پیچھے پڑنا زیادہ مناسب نہیں تھا' چنانچہ لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکل آیا' کوئی مقصد نہیں تھا' کوئی مصرف نہیں تھا۔ تقریباً شام تک شہر میں آوارہ گردی کرتا رہا' کسی کو اگر میری تلاش بھی ہوگی تو مجھے نہ پا کر مایوس ہو جائے گا' لیکن اس آوارہ گردی میں مجھے ایک ذہنی سکون سا محسوس ہوا تھا' میں مطمئن سا ہو گیا تھا۔

پھر اس وقت میں ایک مخصوص سڑک سے گزر رہا تھا کہ اچانک ہی میری نگاہ ایک جانب اٹھ گئی اور ایک لمحے کے لئے میرا ذہن جھنجلا کر رہ گیا۔ مجھے وہ عمارت نظر آئی تھی جس میں ملک اعجاز ہمیں ملا تھا اور جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ کسی ابراہیم ناسا نام کے شخص کی حویلی ہے' جو خود کینیا میں رہتا ہے' یہیں پر میں نے وہ خالی صندوقچہ بھی دیکھا تھا اور یہاں کے بارے میں ملک اعجاز نے کچھ عجیب کہانی سنائی تھی۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک روشنی سی پھیل گئی۔ میں نے سوچا کہ ذرا اس حویلی کا اندر سے جائزہ تو لوں ہو سکتا ہے کوئی کام کی چیز نظر آ جائے۔ ہو سکتا ہے ملک اعجاز نے ہم لوگوں کو جیسا کہ سرفراز کا خیال تھا عمدگی کے ساتھ بیوقوف بنایا ہو اور یہاں سچ مچ ہیرے موجود ہوں۔ کس کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔

بہرحال ایک ایسی انوکھی قوت مجھے کشاں کشاں اس حویلی کی جانب لے گئی جسے صرف ذہنی طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا' الفاظ نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ میں حویلی کے پُراسرار اور ویران ماحول میں داخل ہو گیا' ایک عجیب سا احساس میرے دل میں جاگزیں تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ بس کوئی ایک بات جو سمجھ میں نہیں آ رہی ہو۔ میرے قدم حویلی کی جانب اٹھ رہے تھے اور نہ جانے

کیوں دل میں ایک خوف کا سا احساس جاگزیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس حویلی میں داخل ہونے میں میری قوتِ ارادی کا کوئی دخل نہ ہو اور میں صرف کسی نامعلوم قوت کے اشارے پر قدم قدم آگے بڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ بہرحال میں حویلی کے بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوگیا' کیا عجیب سا ماحول تھا' ایک پُراسرار خاموشی' ہلکی ہلکی ہوا کی سرسراہٹیں یوں محسوس ہوتی تھیں' جیسے کچھ پُراسرار روحیں آہستہ آہستہ میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہی ہوں۔ بار بار قدموں کی آواز سنائی دیتی تھی' یہ بڑی عجیب وغریب بات تھی' میرے ذہن میں جو خیالات آ رہے تھے وہ بڑے خوفزدہ کر دینے والے تھے' لیکن میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا' بہت لمبا راستہ تھا جو درختوں کے سائے میں چھپا ہوا اندر کی جانب جاتا تھا۔ رات ہوگئی تھی اور میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پہلے بھی اس عمارت کا جائزہ لے چکا تھا چنانچہ اس تنگ راہداری سے گزر کر میں آگے بڑھا اور اس کے بعد کمرے میں داخل ہوگیا' وہ کمرہ جس میں پہلے بھی ایک بار آ چکا تھا اور یہاں میں نے ایک عجیب پُراسرار کیفیت کے بارے میں محسوس کیا تھا اور اس کا تذکرہ بھی سنا تھا۔ میں اس الماری تک پہنچ گیا جس کی جانب ملک اعجاز نے اشارہ کیا تھا۔ الماری کھول کر دیکھی' لیکن اب وہاں کوئی صندوقچہ بھی نہیں تھا' لیکن ایک عجیب سی چیز وہاں موجود تھی۔

یہ ایک چرمی جز دان تھا' چمڑے کا بنا ہوا ایک عجیب سا جز دان' جس کے اندر کتاب جیسی کوئی چیز رکھی ہوئی تھی' پہلی بار جب میں نے ملک اعجاز کے ساتھ اس کوٹھی کو دیکھا تھا تو یہاں مجھے یہ کتاب نظر نہیں آئی تھی' یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ اس وقت یہ کتاب یہاں موجود تھی۔ ایک لمحے کے لئے دل میں ہچکچاہٹ ابھری۔ نہ جانے یہ کس کی ملکیت ہے' چوروں کی طرح کسی عمارت میں داخل ہونے کے بعد کوئی چیز اس طرح اٹھا لینا ایک غیراخلاقی حرکت بھی تھی' لیکن اس وقت جو قوت مجھے اپنے

زیرِ اثر لئے ہوئے تھی' میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سارے کام وہی مجھ سے کرا رہی تھی' مجھے اپنے اعصاب ہی نہیں' بلکہ اپنے اعضاء پر بھی قابو نہیں رہا تھا۔ چنانچہ میرے ہاتھ لرزتے ہوئے اس کتاب کی جانب بڑھے اور میں نے وہ کتاب اپنے قبضے میں کر لی۔ چھوٹی سی ڈائری نما چیز تھی۔ چمڑے میں اس طرح ملفوف کہ اسے آسانی سے کھولا نہ جا سکے' پھر میں نے اسے اپنے سینے کے پاس اپنی جیکٹ کی زپ کھول کر پوشیدہ کر لیا اور وہاں سے واپس چل پڑا۔

میرے قدم رفتہ رفتہ آگے بڑھ رہے تھے' میں نے سوچا اب جب یہاں تک آیا ہی ہوں تو اس عمارت کا جائزہ لے لوں۔ میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ میں کمرے میں قدم رکھ کر ذرا سا آگے بڑھا تھا کہ اچانک ہی میرے ہوش و حواس گم ہوگئے۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں تھیں' دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہوگئی تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' بہت ہی خوفناک صورتِ حال میرے سامنے تھی۔ مجھ سے کچھ گز کے فاصلے پر ایک انسانی جسم پڑا ہوا تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کا سر اس کے شانوں سے جدا تھا اور کافی فاصلے پر اس طرح پڑا ہوا تھا جیسے اسے قتل کرنے والے نے اسے انتہائی بے دردی سے قتل کیا ہے یا کسی ایسی دھار دار چیز سے اس کی گردن پر وار کیا ہے کہ گردن اس دھار دار چیز اور مارنے والے کی قوتِ بازو سے اچھل کر دور جا گری ہے' سامنے والی دیوار پر بھی خون کی چھینٹیں نظر آ رہی تھیں اور گردن کے نیچے خون کا خاصا انبار جمع تھا' یہی کیفیت کٹے ہوئے سر والے دھڑ کی تھی' جہاں وہ گرا تھا' وہاں اس کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے بھی ہوگئے تھے اور خون کا ایک دریا موجزن تھا' کیونکہ زمین پر قالین وغیرہ نہیں تھا۔ اتنی زور کا چکر آیا کہ اپنے آپ کو گرنے سے بچانے کے لئے میں نے ایک ڈیکوریشن پیس کا سہارا لیا اور مضبوط ڈیکوریشن پیس نے مجھے روک لیا۔ میرے ہوش و حواس رخصت

ہوگئے تھے' اب تک مجھے محسوس ہو تا رہا تھا جیسے پُراسرار روحیں میری نگراں ہوں اور میرا بھرپور طریقے سے جائزہ لے رہی ہوں۔ آہ یہ سب کیا ہے' کیا چیختا ہوا یہاں سے بھاگ نکلوں' یا پھر صورتِ حال کا جائزہ لوں۔ کچھ تو ہونا چاہئے کوئی ایک بات تو سمجھ میں آئے اور پھر نہ جانے کس کس طرح میں نے اپنے حواس جمع کئے۔

پھر خود کو سنبھالنے کے بعد میں نے دیوار پر سوئچ بورڈ تلاش کیا' جو مجھے آسانی سے مل گیا اور کچھ لمحوں کے بعد کمرے میں مدہم سی پیلی روشنی پھیل گئی۔ اس مدہم پیلی روشنی میں مجھے کٹے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھنے کا موقع ملا اور دوسرا شدید ذہنی جھٹکا میرے دل و دماغ کو لگا' یہ ملک اعجاز تھا۔ سو فیصدی ملک اعجاز' اس کی گردن کٹی ہوئی پڑی تھی اور وہ زندگی سے محروم ہوچکا تھا۔

میرے دل میں خوف و دہشت اس طرح منجمد ہوگئے تھے کہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں' بس خوف و دہشت کا ایک عظیم سلسلہ تھا جو مسلسل جاری تھا۔ آہ میں کس جنجال میں پھنس گیا ہوں' کیا نتیجہ ہوگا اس کا' جو واقعات پیش آرہے ہیں ان سے بچنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا مجھے' کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا.......... بہت پریشان تھا میں اس وقت' بے حد پریشان تھا لیکن عقل و فہم کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کا مطلب یہ تھا کہ مصیبت میں گرفتار ہوجاؤں۔ غور سے سوچا اور اس کے بعد فیصلہ کیا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل بھاگوں' حالانکہ اس عمارت میں ٹیلی فون بھی موجود تھا' لیکن پھر بھی یہاں سے ٹیلی فون کرنے کا مطلب تھا کہ کچھ مصیبتیں مول لے لوں۔

انتہائی احتیاط کے ساتھ وہاں سے واپس پلٹا اور تھوڑی دیر کے بعد اس خوفناک حویلی کے آسیب سے نجات پاکر ایسے دوڑ لگائی کہ رک کر پیچھے تک نہ دیکھا۔ البتہ جب ایک ایسی جگہ آگئی جہاں دوسرے انسان موجود تھے تو قدموں کی رفتار سست کرلی' سینہ

تھا کہ پھٹا جارہا تھا' سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا' دل میں خوف کے سائے شدت اختیار کرچکے تھے۔ اب اس وقت کوئی ٹیکسی درکار تھی ٹیکسی تو نہ مل سکی' ایک آٹو رکشہ میں بیٹھ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا اور اس کے بعد آٹو رکشہ ڈرائیور کو فلیٹ کا پتہ دیا' فاصلہ کافی تھا اور اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے سینے کی کیفیت بحال ہوگئی۔ خوف و وحشت اپنی جگہ لیکن کم از کم اعصابی طور پر میں نے اپنے آپ پر کافی حد تک قابو پالیا تھا' چنانچہ فلیٹ میں داخل ہوا تو ملازم فہیم کو یہ احساس نہیں ہوسکا کہ میں کسی انوکھی کیفیت میں ہوں' بہت اچھا لڑکا تھا مجھ سے کہنے لگا..........

"صاحب گھر کے کپڑے استری کرکے رکھ دیئے ہیں کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں ہے؟" میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کہا..........

"کوئی آیا تھا فہیم..........؟"

"کوئی بھی نہیں صاحب' بس ہمایوں صاحب کا فون آیا تھا آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے' میں نے بتادیا کہ باہر نکلے ہوئے ہیں' کہنے لگے آجائیں تو کہہ دینا کہ ذرا سا مصروف ہوگیا ہوں' رات کو ضرور آؤں گا فکر نہ کریں۔"

"اوہ.......... کوئی اور فون تو نہیں آیا..........؟"

"نہیں صاحب..........!"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم مجھے چائے وغیرہ پلاسکتے ہو..........؟"

"جیسا آپ حکم کریں صاحب۔"

"ہمایوں کا انتظار کروں گا کھانے پر' اگر وہ نہ آیا تو پھر ساڑھے نو بجے کھانا کھالوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" فہیم نے جواب دیا اور میرے لئے چائے لینے چلا گیا' میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کرکے سوچوں میں ڈوب گیا' بہت سی سوچیں دامن گیر

تھیں‘ پہلی بات تو یہ کہ اپنا وہاں حویلی میں جانے کا واقعہ ہمایوں یا سرفراز کو بتاؤں یا نہ بتاؤں‘ کہیں ایسا نہ ہو کہ الٹی آنتیں گلے پڑ جائیں‘ ہمایوں میرا بہترین دوست تھا لیکن سرفراز پولیس آفیسر تھا اور یہ بات ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پولیس آفیسر بہرحال اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتتا۔ بہتر یہ ہے کہ اس راز کو اپنے ہی دل میں رکھوں اور فی الحال خاموشی اختیار کروں‘ جہاں تک ملک اعجاز کی موت کا معاملہ ہے تو کسی نہ کسی طرح اس کی موت کا راز سامنے آ ہی جائے گا پھر اپنے آپ کو کافی حد تک مطمئن کر لیا تھا۔ کسی کام سے سینے تک ہاتھ پہنچا تو جیکٹ اتارنے کا خیال دل میں آیا‘ جیکٹ کی زپ کھولی تو وہ چرمی پیکٹ نکل کر گرنے لگا‘ میں نے اسے سنبھال لیا‘ ایک بار پھر اعصاب جھنجھلا گئے تھے‘ یہ چرمی پیکٹ بھی بڑی پُراسرار چیز ہے لیکن اسے اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک کہ یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ میرے مشغلے میں کوئی شریک ہونے والا نہیں ہے۔ بہرحال چرمی پیکٹ نکال کر احتیاط سے ایک جگہ محفوظ کر لیا اور پھر خود کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ واقعات اتنے پُراسرار اور نہ سمجھ میں آنے والے ہوں تو انسان اپنے سائے سے بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ پھر میں نے اپنی داستان میں کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں ذہنی طور پر ایک بہت ہی طاقتور یا مارشل آرٹس کا ماہر‘ یا کسی ایسے شعبے سے منسلک انسان رہا ہوں جس میں لاتعداد خوفناک مہمات سے واسطہ پڑتا رہا ہو‘ میں تو پہلے ہی آپ کو بتا چکا ہوں کہ معمولی سی زندگی گزاری‘ بلکہ ایک طرح سے اگر لاوارث زندگی کہی جائے تو غلط نہیں ہوگا۔ بھلا رشتوں کے بغیر بھی کہیں کسی بہتر زندگی کا تصور کیا جا سکتا ہے‘ ہر انسان کو اپنی زندگی میں سہارے درکار ہوتے ہیں‘ اور یہ سہارے ہی اس کے لئے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں‘ بہرحال میں ہمیشہ ہی اپنے آپ کو ایک کمزور ہستی محسوس کرتا رہا ہوں۔ حویلی والوں نے مجھے اپنے درمیان سے نکال دیا حالانکہ میں ان کے

لئے کبھی ضرر رساں نہ ثابت ہوتا‘ یہ ان کی تنگ نظری اور تنگ دلی تھی کہ وہ اپنے درمیان مجھے قبول نہ کر سکے اور یوں زمانے کی ٹھوکریں کھاتا ہوا اب میں اس تنہا فلیٹ میں آ پہنچا تھا۔ یہاں بھی اگر یہ ملازم نہ ہوتا تو گزرے ہوئے واقعات مجھے اس قدر خوفزدہ کرتے کہ شاید میں اعصابی طور پر اپنے آپ پر قابو نہ پا سکتا لیکن بہرحال بیچارہ فہیم میرے لئے بہت کارآمد تھا۔

پھر مجھے بھوک لگی تو میں نے کھانا کھا لیا نہ ہمایوں کا کوئی ٹیلی فون آیا تھا‘ نہ ہی سرفراز نے کوئی رابطہ قائم کیا تھا اور جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اب ان میں سے کوئی نہیں آئے گا تو میں نے فہیم سے کہا..........

”تم نے کھانا کھا لیا..........؟“

”جی صاحب۔“

”میرا خیال ہے اب ان لوگوں میں سے کوئی نہیں آئے گا..........“

”جی صاحب میرا بھی یہی خیال ہے۔“

”تو پھر کیوں نا آرام کی تیاری کی جائے..........!“

”صاحب آپ جیسا حکم دیں۔“

”ٹھیک ہے دروازے وغیرہ احتیاط سے بند کر دو اور اب میں سونا چاہتا ہوں۔ ایسا کرو ٹیلیفون کی بیل بند کر کے اسے اپنے پاس ہی رکھ لو جب تک تم جاگ رہے ہو جاگتے رہو اب اگر ٹیلیفون آئے تو کہہ دینا کہ میں سو گیا ہوں..........“

”ٹھیک ہے صاحب..........“ فہیم نے کہا اور میری ہدایت کے مطابق عمل کر کے وہاں سے چلا گیا۔ میں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا‘ نیند تو خیر ابھی کیا ہی آتی‘ وہ چرمی کتاب ذہن پر ڈنک مار رہی تھی‘ چنانچہ دروازہ بند کر کے ٹیبل لیمپ روشن کیا پھر اس پُراسرار کتاب کو بغور دیکھنے لگا۔ تمام تر حالات کے باوجود اپنے

اعصاب پر قابو پانے کا یہ حوصلہ وقت نے ہی مجھے بخشا تھا' ورنہ ملک اعجاز کی لاش کی جو کیفیت تھی' اس کا تصور کر کے ہی دل پر ایک عجیب سی ہیبت طاری ہو جاتی تھی' کیا بھیانک انداز میں قتل کیا گیا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ کاظمی صاحب کا قتل بھی بالکل اسی انداز میں ہوا تھا' اب کم از کم بہت سے خدشات اور خیالات ذہن سے نکل گئے تھے۔ بہرحال چرمی کتاب کو بمشکل تمام کھولا' یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے موم جامہ سے اس کتاب کو مکمل طریقے سے پیک کیا گیا ہو۔ اندر سے میری توقع کے مطابق ایک انتہائی خوبصورت جلد کی کتاب نکلی تھی اور اس کے اوراق بہت زیادہ نہیں تھے لیکن یہ کاغذ کے بجائے کسی جانور کی کھال کی جھلی پر لکھے گئے تھے اور بڑی نفاست سے ان کی تراش کی گئی تھی' اوراق پر براؤن رنگ کی سیاہی سے نقوش بنے ہوئے تھے' اور ایسے ٹیڑھے میڑھے نقوش تھے کہ کچھ سمجھ میں نہ آئے' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی' میں تو یہ سمجھا تھا کہ اس کتاب سے مجھے کوئی خاص بات معلوم ہو سکے گی کچھ پتہ چل سکے گا' لیکن شروع سے لے کر آخر تک کتاب کے اوراق پر ویسی ہی ٹیڑھی میڑھی لکیریں بنی ہوئی تھیں۔ آہ۔ کاش زندگی کے کسی ایسے شعبے سے تعلق ہوتا جس میں ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا تو آج اس کیفیت کا شکار نہ ہوتا' لیکن کیا کیا جاتا' کبھی کبھی زندگی اچانک ہی ایسے موڑ اختیار کر لیتی ہے کہ ایک۔ بات بھی سمجھ میں نہ آئے۔ غرضیکہ ایک لفظ پلے نہ پڑ سکا اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کتاب بند کر دی اور اس کے بعد اسے تکئے کے نیچے ہی رکھ لیا' بہت پُراسرار صورتِ حال تھی' پھر کافی دیر تک میں جاگتا رہا' میں نے سوچا ان تمام چکروں سے نکل کر زندگی کو کوئی عملی شکل دی جائے' انہی سوچوں میں نہ جانے کب نیند آگئی تھی اور پھر صبح کو اس وقت آنکھ کھلی جب دروازہ زور زور سے بجایا جا رہا تھا۔ میں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا کچھ لمحے تو کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی' لیکن پھر اچانک ہی اچھل پڑا'

آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو ہمایوں اور سرفراز ساتھ ہی ساتھ نظر آئے' دونوں نے مجھے دیکھ کر گہری گہری سانسیں لیں.......... سرفراز کہنے لگا..........

"خدا کا شکر ہے کہ مجھے ایک اور دلدوز سانحے کا سامنا نہیں کرنا پڑا.........."

"کیا مطلب.........؟" میں نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"ہم تو سمجھے تھے کہ تم بھی اللہ کو پیارے ہو گئے؟" سرفراز مسخرے پن سے بولا' پھر کہنے لگا۔

"فہیم ناشتہ تیار کر چکا ہے ہم لوگ تو سوچ رہے تھے کہ تم ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے ہم پر لاحول پڑھ رہے ہو گے' لیکن شکر ہے کہ تم نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا۔ اب جاؤ ذرا اور اپنی بوتھی کو پانی میں ڈبو کر یہ آنکھوں کی غلاظت وغیرہ صاف کر لو اور ناشتے کی ٹیبل پر پہنچ جاؤ باقی باتیں وہیں ہوں گی۔"

میں نے مسکرا کر گردن ہلائی اور غسل خانے کی جانب بڑھ گیا پھر کچھ دیر کے بعد ہم ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور فہیم ہمارے سامنے ناشتہ لگا رہا تھا۔ ہمایوں کے چہرے پر کچھ عجیب سے آثار تھے' سرفراز البتہ تمام باتوں سے بے نیاز تیزی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا' چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اس نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ جب تک میرا معدہ خالی ہوتا ہے میں کام کی کوئی بات کر ہی نہیں سکتا اور یقین کرو رات بھر سو کر صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو میں صرف ناشتے کا انتظار کرتا ہوں اس کے علاوہ جینے کا اور کوئی مزا مجھے حاصل نہیں ہوتا۔" ہمایوں ہنستا ہوا بولا۔

"یہ شخص بڑا پیٹو ہے' ابھی تمہارے ساتھ کوئی نشست نہیں ہوئی اس کی لیکن ذرا بھی اس کا صحیح طریقے سے کھانا پینا دیکھو' خدا کی پناہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں' ویسے پولیس والوں کی صحیح عکاسی کرتا ہے یہ۔"

"چلو خیر اب یہ ساری باتیں تو ہو گئیں' ایک بُری خبر سنو.........." سرفراز نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"بری خبر.........!"

"ہاں.........!"

"کیا.........؟"

"ملک اعجاز کو قتل کر دیا گیا.........." ایک لمحے کے لئے میرے ہاتھ لرز کر رہ گئے تھے' میں نے تعجب بھری نگاہوں سے سرفراز کو دیکھا اور بولا.........

"قت......... قتل کر دیا گیا.........؟"

"ہاں......... بالکل اسی طرح جیسے کاظمی کو قتل کیا گیا تھا۔" میں نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکالی اور سرفراز اور ہمایوں میرے چہرے کو غور سے دیکھنے لگے پھر ہمایوں نے کہا۔

"تم پر شاید اس کا بہت زیادہ اثر ہوا ہے.........."

"پہلے یہ بتاؤ سرفراز کہ تمہیں اس قتل کے بارے میں کیسے معلوم ہوا.........؟"

"صبح کو میں وہاں گیا تھا۔"

"کہاں.........؟"

"اسی ابراہیم ناسا کی حویلی.........."

"وجہ.........؟"

"بس۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ضرغام کاظمی کے قتل کی تفتیش میرے ہی سپرد ہے' میں اپنے افسرِ اعلیٰ کے ساتھ اس عمارت میں گیا تھا کیونکہ میں نے اپنے افسر کو کچھ ایسی معلومات فراہم کی تھیں جو ابراہیم ناسا کی حویلی سے متعلق تھیں' اصل میں بڑی

ترکیب کے ساتھ میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ بات یہ بھی ہے کہ بہت سے معاملات میں کسی کو بھی ملوث کیا جا سکتا ہے' میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی بھی شکل میں' تمہارا نام کسی غلط حیثیت سے اعلیٰ حکام کے سامنے نہ آسکے۔" میں نے سرفراز کو بغور دیکھا اور کہا۔

"لیکن اپنی اس بدقسمتی کو میں کیا کروں سرفراز کہ بار بار میرا نام اس سلسلے میں شامل ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔ سرفراز نے چونک کر مجھے دیکھا' ہمایوں کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی پھر سرفراز آہستہ سے بولا.........

"کیا مطلب' اعجاز کے قتل کے بارے میں تم کچھ جانتے ہو؟"

"سرفراز' یہ بات تو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ایک پُراسرار حسینہ نے مجھے یہ وارننگ دی تھی کہ ملک اعجاز سے کہوں کہ وہ صندوقچہ واپس اس کی جگہ پہنچا دے جہاں سے اس نے اسے حاصل کیا ہے' ورنہ نقصان اٹھائے گا۔ وہ دوہری چال چل رہا ہے۔ ملک اعجاز نے اس سلسلے میں ہم سے کوئی تعاون نہیں کیا بلکہ اس نے خود ہمیں طلب کرنے کے بعد جو کہانی سنائی تھی شاید وہ بھی غلط تھی۔ اس کا یہ کہنا بالکل غلط تھا کہ اس وقت اس صندوقچے میں ہیرے نہیں تھے جب اس نے اسے لاکر سے نکالا۔ میں نہیں جانتا کہ ضرغام کاظمی کا قتل ملک اعجاز نے کیا یا نہیں' لیکن میں یہ بتاؤں کہ رات کو میں بھی اسی حویلی میں تھا اور مجھے ملک اعجاز کے قتل کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں.........."

"ٹھیک......... گویا میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔" سرفراز نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اندازہ.........؟"

"ہاں.........!"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا اور سرفراز نے ایک

لائٹر نکال کر میرے سامنے رکھ دیا' پھر بولا۔
"تمہارا ہے..........؟" میں نے چونک کر اس لائٹر کو دیکھا اور دوسرے لمحے
میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔
"ہاں۔ میرا ہی ہے۔"
"اور اس وقت حویلی میں یہ نہیں گرا تھا جب ہم تینوں ساتھ تھے۔"
"تت..........تت..........تو کیا..........؟"
"ہاں.......... اور شکر ہے کہ میری نگاہ اس پر پڑ گئی' جبکہ میرا افسر اعلیٰ بھی
میرے ساتھ تھا' میں نے احتیاط کے ساتھ اسے اپنے لباس میں محفوظ کیا کہ افسر اعلیٰ کو
پتہ بھی نہیں چل سکا وہ یہی سمجھا کہ میرے پاؤں میں کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے' لیکن
اگر یہ لائٹر افسر اعلیٰ کی نگاہوں میں آجاتا تو پھر یقینی طور پر تم مصیبتوں میں گرفتار
ہو جاتے' کیونکہ یہ لائٹر کم از کم میں نے تو کئی بار دیکھا ہے۔"

میں آنکھیں بند کرکے گردن جھٹکنے لگا بلاشبہ اگر یہ ہمایوں نہ ہوتا اور ہمایوں کے
ذریعے سرفراز سے میری دوستی نہ ہوتی تو آج میں بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگیا
ہوتا' اس بات کے امکانات بھی تھے کہ ملک اعجاز کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ہی عائد
ہو جاتی۔ سرفراز کے الفاظ پھر میرے کانوں میں ابھرے۔

"لیکن چونکہ تم نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے' اس لئے یقین کرو میرا ذہن
تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے' ویسے بھی ہمایوں سے اس بارے میں میری گفتگو
ہو چکی ہے اور ہمایوں نے مجھے تمہارے ماضی کے بارے میں جو تفصیل بتائی ہے' میں
سمجھتا ہوں کہ اس تفصیل کے بعد تم پر شک کرنا ممکن نہیں ہے۔"

"دیکھو سرفراز! صرف اتنا کہہ سکتا ہوں میں کہ نہ زندگی میں کسی کو قتل کرسکتا
ہوں' نہ دولت کے حصول کے لئے میں اپنے آپ کو کوئی تکلیف دے سکتا ہوں' د

وقت کی روٹی اور سر چھپانے کا ٹھکانہ مل جائے تو سمجھ لو میں ساری زندگی گزار سکتا
ہوں۔ اصل میں وقت نے میرے ساتھ اتنے دھوکے کئے ہیں کہ اب مجھے اپنی زندگی
سے بھی بہت زیادہ دلچسپی نہیں رہی ہے۔" میری آواز بھرا گئی۔ سرفراز نے میرے
شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں میرے دوست زندگی میں حوصلہ ہار جانے والے نیم مُردہ لوگ ہوتے
ہیں' تم زندگی سے بھرپور لطف اٹھاؤ ہم دونوں تمہارے ساتھ ہیں۔"

نہ جانے کیوں ان الفاظ سے میرے دل کو بڑی تقویت کا احساس ہوا تھا۔

☆==========☆==========☆

انسان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کبھی کبھی جب وہ اپنے آپ کو بالکل تنہا محسوس
کرنے لگتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے کائنات میں جینا اس کے لئے محال ہوگیا ہو اور ایسے
لمحات میں اگر کسی کا محبت بھرا سہارا مل جائے تو بڑا قیمتی محسوس ہوتا ہے۔ میری کیفیت
کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ دنیا نے جس طرح ٹھکرا دیا تھا اور وقت نے جس طرح
مجھ سے میری شخصیت چھین لی تھی وہ تو محسوس نہیں کر رہا تھا بہت زیادہ ورنہ شاید خود
کشی کرنے کو ہی جی چاہتا۔ کیا فائدہ ایسی زندگی سے جب انسان یہ محسوس کرے کہ اس
کا کوئی بھی ہمدرد نہیں۔ بہرحال دیر تک اس تاثر میں ڈوبا رہا۔ ہمایوں اور سرفراز شاید
اس وقت میری ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے' ہمایوں نے میرے شانے پر
ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اور تم یہ نہیں کہو گے میری جان کہ ہم بہت اچھے' مخلص اور بے غرض
دوست نہیں ہیں۔ انسان برا بھی ہوتا ہے اور اچھا بھی' تمہارے اہلِ خاندان نے
تمہارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ ان کا ذاتی فعل ہے' اس کے عوامل جو کچھ بھی ہوں'
ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں' ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ تم ہمارے دوست ہو اور

ہم ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دیں گے چنانچہ تمہارے چہرے پر جو افسردگی پیدا ہوگئی ہے اسے دور کرو اور بالکل بے جھجک اور نڈر ہو کر اس موضوع پر بات کرو۔ ویسے تم نے جو کچھ دیکھا وہ بتاؤ۔"

"میں ظاہر ہے ذہنی الجھنوں کا شکار ہوں' ان تمام واقعات کے اثرات میرے ذہن میں بھی ہیں' بے در' بے گھر اور لاوارث ہوگیا ہوں' اس لئے کبھی کبھی برے برے خیالات بھی ذہن میں آنے لگتے ہیں' بہرحال اس حویلی کو ایک بار پھر دیکھنے کا خیال دل میں آیا تھا' وہاں پہنچا اور اس کے بعد عجیب وغریب حالات سے واسطہ پڑا' یہاں تک کہ مجھے ملک اعجاز کی لاش نظر آئی' ذہنی کیفیت جو ہو سکتی تھی اس کا اندازہ تم لوگ لگا سکتے ہو' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پچھلے کچھ عرصے سے پُراسرار حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' لیکن اگر تم دونوں نے ملک اعجاز کی بھیانک لاش دیکھ لی ہے تو تم خود اندازہ لگاؤ کہ ایسی کسی لاش کو دیکھ کر انسان کے دل و دماغ پر کیا اثرات ہو سکتے ہیں' اسی کیفیت کا رات بھر شکار رہا ہوں' اس کے علاوہ ایک اور ایسی بات بھی ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟" سرفراز نے پوچھا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا' پھر کچھ لمحات کے بعد میں نے وہ کتاب لاکر ان کے سامنے رکھ دی' وہ موم جامہ بھی ان کے سامنے لار کھا جو اس کتاب سے اتارا تھا میں نے۔ دونوں نے حیرت سے اس کتاب کو دیکھا' سرفراز نے بے اختیار کتاب کی جانب ہاتھ بڑھائے اور اسے اٹھالیا پھر فوراً ہی اسے کھول بھی لیا۔ ہمایوں بھی اس پر جھکا ہوا تھا' میں تو کیونکہ پوری طرح اس کا جائزہ لے چکا تھا اس لئے مجھے اس کتاب سے کوئی بہت زیادہ دلچسپی نہیں تھی' بس میں ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو اس کتاب کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے اور انہوں نے ایک ایک چیز کو محسوس کیا تھا پھر سرفراز نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"ونڈر فل۔ واقعی حالات پُراسرار سے پُراسرار تر ہوتے جا رہے ہیں' اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری مختصر سی سرکاری زندگی میں یہ سب سے انوکھا اور دلچسپ کیس ہے۔ ویری گڈ' ویری گڈ' ویری گڈ اور اب تم یہی بتاؤ گے نا مجھے کہ یہ کتاب تمہیں اس عمارت سے ملی ہے' یعنی حویلی ابراہیم ناسا سے۔"

"ہاں۔"

"کہاں رکھی ہوئی تھی؟" سرفراز نے پوچھا اور میں نے اس کے بارے میں اسے تفصیل بتا دی' سرفراز سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے ہمایوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اس کتاب کی تحریر تمہاری سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"میرے لئے تو یہ سمجھنا ہی ممکن نہیں ہے کہ یہ کوئی تحریر ہے بھی یا نہیں' ویسے دنیا کی قدیم زبانوں کے بارے میں' میں نے تھوڑی بہت تفصیلات سنی ہیں' بالکل یوں سمجھ لو کہ پہلا اتفاق ہے زندگی میں کہ ایک ایسی اجنبی اور نامانوس تحریر دیکھ رہا ہوں جس کی بناوٹ تک میری سمجھ میں نہیں آ رہی' کتاب ابھی تک سرفراز کے ہاتھ میں تھی اور اس کی پیشانی شکن آلود تھی' اس نے کہا۔

"ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دنیا کی کون سی اور کتنی قدیم زبان ہے لیکن اس کتاب کی قدامت جو تم دیکھ رہے ہو اس کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہے؟"

"ایک نگاہ دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب جس چیز پر لکھی گئی ہے' وہ کاغذ نہیں ہے۔"

"ہاں۔ یہ کسی جانور کی کھال کی جھلی ہے۔ میں نے اس بارے میں بہت سنا ہے۔ زمانہ قدیم میں لکھنے کے لئے ایسی چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔"

"خیر یہ تو سب بعد کی باتیں ہیں' تم ذرا مجھے اس کتاب کی کہانی سناؤ۔"

"کوئی کہانی نہیں' وہیں پر تلاشی کے دوران یہ کتاب مجھے ملی تھی۔"

"اور وہ صندوقچہ وہاں سے غائب تھا۔"

"خالی صندوقچہ؟"

"ہاں۔"

"ہاں بالکل۔ وہ وہاں موجود نہیں تھا۔"

"یہ کتاب پر سے موم جامہ تم نے ہٹایا ہے؟"

"ہاں۔ ظاہر ہے میرے ذہن میں بھی تجسس تھا کہ اسے دیکھوں اور پڑھنے کی کوشش کروں۔"

"اس دوران اور کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی؟"

"خاص بات!"

"ہاں۔"

"مثلاً کس طرح کی خاص بات' یعنی.........."

"یعنی تم نے فلیٹ میں کچھ آہٹیں تو محسوس نہیں کیں؟" ہمایوں نے سوال کیا۔

"یار کیوں ڈرا رہے ہو۔ کیا یہاں بھی اس بات کے امکانات موجود ہیں؟"

"ہو بھی سکتا ہے۔"

"ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سرکاری طور پر ضرغام کاظمی کے قتل کی تفتیش میرے سپرد کی گئی ہے اور ظاہر ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ میں چند لمحوں میں یہ بتادوں کہ ضرغام کاظمی کو کس نے قتل کیا ہے' لیکن اس کیس میں جو دلچسپیاں پیدا ہوتی جارہی ہیں وہ کمال کی ہیں۔ میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ ضرغام کاظمی کے قتل کی تفتیش کے ساتھ ساتھ یہ سب کچھ جو منسلک ہوگیا ہے' یہ بڑی دلچسپیوں کا حامل ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو۔"

"البتہ ایک بات ابھی ابھی میرے ذہن میں آئی ہے۔" سرفراز بولا۔

"وہ کیا؟"

"اس سلسلے میں.......... مگر ٹھہرو میں تمہیں بتادوں گا بعد میں۔ اس کتاب کو بڑی حفاظت سے رکھا جانا چاہئے' کہیں یہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔"

"میں اسے تمہارے حوالے کرتا ہوں۔" میں نے فوراً جواب دیا۔

"اگر تم نہ بھی کرتے تو میں تم سے یہ درخواست کرتا کہ فی الحال اسے میرے پاس چھوڑ دو اور اپنے لئے کوئی خطرہ مول نہ لو' لیکن اب میرے ذہن میں کچھ اور ترکیبیں آئی ہیں۔"

"ایک بات میں بھی مسلسل سوچ رہا ہوں۔" ہمایوں نے کہا اور سرفراز بے اختیار مسکرا اٹھا پھر بولا۔

"کیا ہم تینوں دوست بہترین جاسوس نہیں بن جائیں گے اس معاملے کے بارے میں سوچتے سوچتے!"

"جاسوس کیا بن جائیں گے' سچی بات یہ ہے چونکہ معاملہ مجھ سے متعلق رہا ہے' لہٰذا میں زیادہ خوفزدہ رہتا ہوں۔"

"اگر تمہیں خوف زدہ رہنے کا شوق ہے تو ظاہر ہے کسی کے شوق کو ختم نہیں کیا جاسکتا' لیکن اگر اس احساس سے خوفزدہ ہو کہ اس سلسلے میں کوئی تمہیں نقصان پہنچا دے گا تو ایک دوست کا مشورہ ہے کہ بلاوجہ ایسا کوئی احمقانہ خیال اپنے دل میں نہ لاؤ اور اسے ذہن سے نکال پھینکو' میں موجود ہوں' تم اگر کسی کی سازش کا شکار ہوئے اور کسی نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو بے فکر رہو اسے میں سنبھال لوں گا۔ باقی رہا جہاں تک مسئلہ ان معاملات کی تفتیش کا تو یہ تمہارے لئے بھی دلچسپی کا باعث

ہیں اور میرے لئے بھی' دیکھیں گے کہ ہم اس سلسلے میں کہاں سے کہاں تک جاسکتے ہیں۔"

"ویسے ایک بات کہوں سرفراز۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سب سے پہلے تو میں ہمایوں کا شکریہ ادا کروں گا کہ اس نے دوستی کو جس طرح نبھایا ہے.........."

"یار۔ بس کرو نا کیوں ذلیل کرتے ہو' ان تمام فضول باتوں کے بجائے بہتر ہے ہم کام کی بات کریں۔"

"اور اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک وعدہ بھی کرنا ہوگا۔" سرفراز نے کہا۔

"مجھے!" میں نے سرفراز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"بغیر پوچھے ہوئے میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور سرفراز ہنسنے لگا۔

"نہیں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں پہلے پوچھ لو۔"

"چلو بتاؤ۔"

"آج کے بعد تم کوئی مایوسی کی بات زبان سے نہیں نکالو گے' ہمایوں تو بہت بڑا آدمی ہے یہ تمہارے لئے دنیا کا ہر کام کرسکتا ہے' دولت کی اس کے پاس کمی نہیں ہے مگر میں زیادہ دولت مند آدمی نہیں ہوں' البتہ میرے اپنے جو اختیارات ہیں وہ بہت اچھے ہیں اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کسی نے اگر تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو سب سے پہلے میرا سینہ اس کے سامنے ہوگا' چنانچہ تمہاری زبان سے مایوسی کا کوئی لفظ اب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوگا۔"

"ٹھیک ہے' میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اب آپ فرمائیے کیا فرما رہے تھے۔"

"یار ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے۔" ہمایوں نے کہا۔

"جی' جی' جی۔ وہ جو پہلے ذہن میں آئی تھی۔" سرفراز کسی قدر مسخرے پن سے بولا۔

"جی اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

"تو پھر ارشاد' صاحب۔ ارشاد' صاحب۔" سرفراز نے کہا۔

"کیا خیال ہے سرفراز تمہارے خیال میں کیا ہم اعجاز ملک کو اس سلسلے میں سچا قرار نہیں دے سکتے۔"

"اب اس بیچارے کو سچا قرار دیا جائے یا جھوٹا' وہ دنیا سے جاچکا ہے۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کہ اس سلسلے میں تفتیش تو جاری ہے نا۔"

"ہاں ہے۔"

"اور وہ ہیرے.......... کہیں نا کہیں ضرور موجود ہوں گے۔"

"ہونے چاہئیں۔"

"اگر ہم ضرغام کاظمی کی رہائش گاہ پر خفیہ طریقے سے تلاشی لیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ ہیرے وہاں سے برآمد ہوں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں' تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرغام کاظمی نے صندوقچہ لاکر میں رکھوایا اور اس میں سے ہیرے نکال کر پوشیدہ کرلئے۔ خالی صندوقچہ ملک اعجاز کے ہاتھ لگا اور ملک اعجاز اسے لے کر وہاں پہنچ گیا' وہاں بھی اس نے اپنی پوزیشن محفوظ رکھی اور ہیرے گم کردیئے۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ اسے تو ہیرے ملے ہی نہیں۔"

"ہاں۔ میرا بھی یہی مطلب ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ضرغام کاظمی کی رہائش گاہ پر اس کی موت کے بعد پولیس نے بھرپور تفتیش کی ہے جس میں' میں بھی شامل تھا۔ ہم لوگوں نے ایک ایک جگہ کا جائزہ

لے لیا ہے لیکن ہیرے وہاں سے دستیاب نہیں ہوئے' اس کے علاوہ ایک اور بات ہے جو تم بھول رہے ہو۔"

"کیا؟"

"ضرغام کاظمی قتل ہوگیا' اگر کسی پُراسرار قوت نے ان ہیروں کے چرانے کے الزام میں اسے قتل کردیا تو پھر اس پُراسرار قوت کو ملک اعجاز کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ ہیرے تو اس کے پاس تھے ہی نہیں۔ وہ بیچارہ تو خالی صندوقچہ لئے بیٹھا ہوا تھا۔"

"مگر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔"

"کیا؟"

"جب ہیرے اس صندوقچے میں تھے ہی نہیں تو ملک اعجاز کو وہ صندوقچہ ابراہیم ناسا کی حویلی میں پوشیدہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بھئی ظاہر ہے لاکر سے تو وہ یہی سوچ کر صندوقچہ نکال کر لایا ہوگا کہ ہیرے اس میں موجود ہوں گے' جیسا کہ اس نے کہا' یہ تو اسے بعد ہی میں پتہ چلا کہ صندوقچہ ہیروں سے خالی ہے۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"اور پھر تم اس پُراسرار حسینہ کو بھول رہے ہو' جس نے اپنے شعور سے کہا تھا کہ ملک اعجاز سے کہو کہ صندوقچہ اسی جگہ رکھ دیا جائے جہاں سے اس نے اسے حاصل کیا ہے۔"

"ہاں یہ بھی غور کرنے کی بات ہے' مگر یہ کہنے سے تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہ ہے کہ وہ پُراسرار حسینہ اگر وہ صندوقچہ اور ہیرے ملک اعجاز کے پاس نہ ہوتے تو ملک اعجاز کا نام کیوں لیتی' کسی تیسری جگہ جہاں وہ موجود تھے وہاں

انہیں تلاش کیا جاتا۔"

"اس پُراسرار حسینہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کاش......... ہم نے اسے دیکھا ہوتا' ویسے شعور صاحب نے اس کی جتنی تعریفیں کی ہیں اس کے بعد تو یقین کرو دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی ہے کہ کم از کم ایک بار ہمیں بھی اس کا دیدار ہوجائے۔"

"خیر وہ بعد کی بات ہے۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ کیا وہ کوئی پُراسرار شخصیت ہوسکتی ہے۔ یعنی کوئی ایسی مافوق الفطرت شخصیت جو یہ نشاندہی کرے۔"

"میں یہ نہیں مانتا۔" سرفراز نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لئے کہ پُراسرار شخصیتیں کاروں میں سفر نہیں کرتیں۔" ایک بار پھر ہم تینوں خاموش ہوگئے تھے' سرفراز بہرحال پولیس آفیسر تھا اور اس کی کہی ہوئی بات قابلِ توجہ ہوا کرتی تھی' اس بات میں دلیل بھی تھی اور دلیل میں وزن بھی تھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ہمایوں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"گویا اس کا کوئی انسانی وجود ہے۔"

"بھائی دیکھو اسے صرف شعور نے دیکھا ہے' اور اگر درحقیقت وہ کسی انسانی وجود میں ہے اور ہمارے دوست نے اسے پسند کرلیا ہے تو پہلے ہمیں اس کی پسند کا احترام کرنا ہوگا' بجائے اس کے کہ سب کی رال ٹپکنے لگے۔" ہمایوں اور سرفراز ہنسنے لگے تھے پھر سرفراز نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ بات واقعی قابلِ غور ہے' کیونکہ پُراسرار شخصیتیں کاروں میں سفر نہیں کرتیں' ضرور اس کا کوئی وجود ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے' بہرحال ہم اپنا کام تو کرہی رہے ہیں۔ میں نے بہت کچھ سوچا ہے'

ابھی تھوڑا سا وقت گزر جائے تو میں شعور کے لئے کوئی بہترین ذریعہ تلاش کرلوں گا زندگی گزارنے کے لئے' باقی رہا جہاں تک ہیروں کا تعلق تو بھائی ایسے ہیرے ہمیں نہیں چاہئیں جن کی وجہ سے گردنیں اُڑ رہی ہیں' دو بندے تو دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اب باقی ہمارے پاس گنجائش نہیں ہے۔"

"آہ۔ مگر میں کیا کروں میری جو ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ وہ تو تمہیں سرانجام دینا ہے۔"

"اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو' بڑی دیر سے ایک بات میرے ذہن میں کلبلا رہی ہے' جسے میں نے کہتے کہتے روک دیا تھا۔"

"اور اب ہم اسی موضوع پر آنے والے تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ کون سی بات تھی جو تمہیں یاد آئی تھی۔"

"میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو قدیم زبانیں پڑھنے کا ماہر ہے اور اس سلسلے میں بین الاقوامی شہرت کا مالک۔ ہم اسے پروفیسر غازی کے نام سے جانتے ہیں۔"

"پروفیسر غازی کا نام سنا ہوا لگتا ہے۔"

"اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے ویسے یہ نام۔ پتہ ہے اس کی عمر کتنی ہے؟"

"کتنی ہے؟"

"نوے سال۔"

"ویری گڈ۔ مگر اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ بہترین کار ڈرائیو کرتا ہے' اس کے شاید بتیس سے بھی زیادہ دانت ہیں' آنکھیں ہم لوگوں سے بھی زیادہ روشن ہیں' بے شک سر اور داڑھی کے بال سفید ہیں' لیکن چہرے کا رنگ سرخ ہے۔ کیا سمجھے۔"

"یعنی بہت اچھی صحت کا مالک ہے وہ۔"

"ہاں۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"یار نوے سال کی عمر میں تو انسان کا دماغ صحیح رہ جائے بہت بڑی بات ہے۔ اس کی تو ہر چیز صحیح ہے۔" سرفراز نے اس انداز میں کہا کہ سب کو ہنسی آ گئی۔

"بھائی۔ یہ تو کوئی موضوع نہ ہوا' وہ صحت مند ہے تندرست ہے' اس نے اپنی صحت کا خیال رکھا ہوگا اور اسے اس طرح کی مشکلات سے واسطہ نہیں پڑا ہوگا' یہ کون سی ایسی نئی بات ہے جو ہم خاص طور سے تبصرہ کریں۔"

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ بہرحال میرا مطلب یہ تھا کہ پروفیسر قدیم زبانیں پڑھنے کا ماہر ہے اور اگر اس کتابِ کے سلسلے میں اس سے مدد لیں تو.........."

"وہ مدد کر سکتا ہے؟"

"یار کوشش کی جاسکتی ہے' ویسے سرکاری طور پر اسے مجبور بھی کیا جاسکتا ہے' حالانکہ بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے۔"

"تمہیں جانتا ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"تو پھر.........؟"

"جان لے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی تعارف کرادیں گے اس سے اپنا۔"

"تمہاری ملاقات کہاں ہوئی تھی اس سے؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"ایک سیمینار میں' میری وہاں ڈیوٹی لگائی گئی تھی' بہت بڑے بڑے لوگ تھے' دنیا کے کئی ملکوں کے ماہرین آئے تھے' ایک سے ایک دیکھنے کی چیز تھی' بالکل یوں

محسوس ہو رہا تھا جیسے بہت سے بوڑھے سانپ اور گدھ جمع ہو گئے ہوں اور ان کی گفتگو۔ خدا کی پناہ کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا لا کر رکھ لیا گیا اور ثابت کر دیا گیا کہ یہ دس کروڑ سال پرانا ہے' اب تم یہ بتاؤ کیسے معلوم بھائی کہ دس کروڑ سال پرانا ہی ہے یہ' کہنے کو جو دل چاہے کہہ لو۔"

"ہاں بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ خیر چھوڑو ہمیں اس سے کیا غرض' مطلب یہ ہے تمہارا کہ وہ قدیم زبانیں پڑھنے کا ماہر ہے۔"

"ہاں۔"

"رہتا کہاں ہے؟"

"پتہ چلا سکتا ہوں۔"

"او کے۔ پھر ہم یہی کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تحریر اس سے پڑھواتے ہیں۔"

"دیکھو ایک مشغلہ بھی ہے' ویسے میں جانتا ہوں کہ تم لوگ اپنے طور پر مصروف ہو لیکن میری تو یہ ڈیوٹی بھی ہے اور ذمے داری بھی چنانچہ میں یہ کر لیتا ہوں۔ کیا سمجھے؟"

"یعنی؟"

"پہلے میں پروفیسر غازی کا پتہ لگاتا ہوں اور اس کے بعد یہ کتاب اسے دکھاتا ہوں' ہم لوگ کوشش کریں گے کہ اس کتاب کے بارے میں تفصیلات پروفیسر غازی سے معلوم ہو جائیں۔ ویسے یہ کتاب تم لوگ اگر اس وقت میرے پاس رہنے دو تو زیادہ مناسب ہے۔"

"خدا کے لئے اپنی زندگی خطرے میں مت ڈال لینا تم ہمارے لئے بڑی قیمتی شخصیت ہو۔"

"نہیں میرا خیال یہ ہے کہ یہ کتاب میری زندگی کی دشمن نہیں بن سکتی۔"

سرفراز نے کہا اور پھر وہ ہمایوں سے بولا۔

"کیا خیال ہے ہمایوں چلیں۔"

"نہیں۔ اس وقت میں نہیں جاؤں گا' میں اپنے دوست کے پاس رہوں گا تم جانا چاہو تو جا سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" کچھ دیر کے بعد سرفراز ہمارے پاس سے اٹھ گیا' کتاب اس نے اپنی تحویل میں لے لی تھی۔

☆==========☆=========☆

میں ہمایوں کے فلیٹ میں اس طرح رہ رہا تھا جیسے وہ فلیٹ میری ملکیت ہی ہو ویسے یہ حقیت ہے کہ اس دوران لندن میں جو زندگی گزاری تھی اس میں خود میری اپنی کیفیت ایک شاہ خرچ انسان جیسی تھی' خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے تایا ابو کو انہوں نے اپنی بزرگی کا حق ادا کر دیا تھا اور مجھے اتنی رقم بھیجا کرتے تھے کہ لندن میں مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ ہمایوں بذات خود بھی کھاتا پیتا نوجوان تھا اور بڑی اچھی حیثیت کا مالک تھا' لیکن میں بھی کسی سے کم نہیں تھا' بلکہ ہمارا حلقۂ احباب ہم سے بڑا متاثر تھا اور اکثر لوگ کہا کرتے تھے کہ مشرق کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہاں غربت ہے' لیکن ہم نے تو جسے دیکھا شہزادوں ہی کی مانند دیکھا' شاہ خرچ اور زندگی میں عیش و عشرت کرنے والے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سارے ہی مشرقی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن میں نہیں آ جاتے بلکہ ان میں زیادہ تر وہ امراء اور روٴسا ہوتے ہیں جن کی بڑی بڑی جاگیریں ہوتی ہیں اور جو صحیح معنوں میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے والدین بھی انہیں تعلیم کے لئے یورپ بھیج دیتے ہیں' ورنہ عام لوگوں کی یہ ہمت کہاں' ویسے یہ حقیقت بھی تھی کہ اس تعلیم کا حصول کوئی آسان بات نہیں تھی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہمایوں نے لندن میں میری عیش کی زندگی

دیکھی تھی اور اس کے بعد اسے یہاں کی صورتِ حال معلوم ہوئی تھی۔ جو بہرحال ایک الگ نوعیت کی حامل تھی۔ ہو سکتا ہے ہمایوں میری مزید مدد کرتے ہوئے میرے اپنے خاندان کے خلاف مجھے قانونی کارروائی کے لئے مجبور کرتا اور کہتا کہ میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے کیوں نہ ان لوگوں پر مقدمہ قائم کردوں' لیکن یہ نئی صورتِ حال پیش آگئی تھی' بہرحال ہمایوں نے ایک بڑا انسان اور اچھا دوست ہونے کا ایسا ثبوت دیا تھا کہ اب مجھے یہ احساس ہوتا تھا کہ انسان کی شناخت کس قدر مشکل کام ہے۔ لندن میں ہمایوں سے میری بہت اچھی دوستی تھی' لیکن ایسی بھی نہیں جیسے جگری یار ہوا کرتے ہیں' بس ہم وطن تھے' جب بھی ملتے تھے اچھی طرح ملتے تھے اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ ہماری فطرتوں میں تھوڑا سا ایک دوسرے سے محبت کا خاص انداز تھا' یعنی دوسرے نوجوانوں کی طرح لندن کی آزاد فضاؤں میں نہ وہ ایک عیاش طبع نوجوان کی حیثیت سے کبھی منظرِ عام پر آیا تھا اور نہ ہی میری فطرت میں یہ کیفیت چھپی ہوئی تھی' اس کی وجہ سے ذرا ہم لوگوں کے درمیان کچھ زیادہ ہی قربت تھی۔

مگر یہاں آنے کے بعد ہمایوں نے ایسے عالم میں میرے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ قابلِ تحسین تھا۔ پھر یہاں اس نے ایسے عالم میں مجھے ایک بہترین گھر مہیا کر دیا تھا جب کہ میرے لئے شہر کے فٹ پاتھوں پر سر چھپانے کے علاوہ اور کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس نے تمام ہی انتظامات کر دیئے تھے' حالانکہ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اور ہم الجھنوں میں پھنسے ہوئے تھے' لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں مجھے شرمندگی کا سا احساس ہوتا تھا' اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمایوں پر مسلسل بوجھ بنے رہنا تو کوئی اچھی بات نہیں ہے' مجھے اپنا کوئی ذریعہ معاش تلاش کرنا چاہئے' اپنا بندوبست کرنا چاہئے۔ بس یہ سارے واقعات جنہوں نے میرا گھیراؤ کیا ہوا تھا' اگر ان سے مجھے نجات مل جائے تو

سب سے پہلے اپنے لئے کوئی ذریعہ معاش تلاش کروں۔ جو ذہنی دباؤ تھا' وہ تو اب تقریباً ختم ہو گیا تھا اور میں آہستہ آہستہ اپنے آپ کو بہتر حالت میں پا رہا تھا' لیکن پھر بھی ابھی کچھ وقت انتظار کرنا پڑے گا' اگر فوراً ہی ہمایوں سے اپنی اس خواہش کا اظہار کردوں تو وہ برا مان جائے گا۔ کوئی شخص اگر خلوص سے اتنا سب کچھ کر رہا ہے تو اس کے خلوص کو ٹھکرانا کوئی بہتر بات نہیں ہے۔

کئی دن ہو گئے تھے' حویلی سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ ادھر سرفراز بھی اپنے طور پر پروفیسر غازی کو تلاش کر رہا تھا۔ کتاب اسی کے پاس تھی' پھر نہ جانے میرے دل میں کیا سمائی کہ اس صبح میں حویلی کی جانب چل پڑا۔ بس یونہی دل میں خیال آگیا تھا لیکن حویلی کے باہر پولیس کی موبائل کھڑی دیکھ کر ایک دم کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا اور میرے قدم ٹھٹک گئے تھے' ٹیکسی سے اتر کر ٹیکسی والے کو بل ادا کیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

اب یہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ یہیں سے واپس چلا جاتا' کچھ بھی تھا ان لوگوں نے دولت کی چمک سے اپنے خون میں اختلاف پیدا کر لیا تھا' لیکن میرے دل میں حویلی والوں کے لئے بہرطور گنجائش تھی۔ میں تیزی سے آگے بڑھا' حویلی کے گیٹ پر دو پولیس والے موجود تھے۔ میں نے حویلی کے اندر قدم رکھنا چاہا تو ان میں سے ایک نے کڑی نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے جناب' کون ہیں آپ اور کیوں اندر جانا چاہتے ہیں؟"

"بھائی میں اس حویلی کا ایک فرد ہوں میرا نام شعور ظفریاب ہے' کیا ہوا ہے یہاں' آپ لوگ کیسے یہاں کھڑے ہوئے ہیں؟"

"آپ یہیں رہتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟"

"ہاں۔"

"اندر قتل ہوگیا ہے؟"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں وہ ایک بی بی کا قتل ہوگیا ہے' آپ اندر چلے جائیے' لیکن اگر آپ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو تھانیدار صاحب کو آپ کے بارے میں رپورٹ دی جائے گی۔"

میرا دل بری طرح اچھل رہا تھا' حویلی میں قتل ہوگیا ہے' یہ کیا چکر ہے' بہرطور دوڑتا ہوا ہی اندر پہنچا تھا اور اس کے بعد پھوپھا اختیار احمد سے ملاقات ہوئی تھی۔ نارمل آدمی تھے' مجھے دیکھ کر بہت سے چہرے میری جانب گھوم گئے تھے۔

"کیا ہوا' کیا ہوگیا' کس کا قتل ہوگیا؟" جواب میں رونے پیٹنے کی آوازیں ابھرنے لگی تھیں۔ پھوپھا اختیار حسین نے بتایا کہ منجھلی چچی جان کا انتقال ہوگیا ہے۔ رات کو انہیں قتل کردیا گیا ہے اور ان کی لاش ابھی تک کمرے میں پڑی ہوئی ہے' منجھلی چچی جان میرے چچا کی بیگم تھیں اور خاصی عجیب طبیعت کی مالک' یعنی میرے مخالفین میں سے ایک جو اس سلسلے میں پیش پیش رہی تھیں کہ میں اپنے حصے کا سب کچھ وصول کرچکا ہوں اور اب جو کچھ ہے اس کے بچوں کا حق ہے' میں زبردستی اس حق میں گھسنے کی کوشش نہ کروں۔ چچا فیض ان کے شوہر تھے اور اس وقت کافی بری حالت میں نظر آرہے تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو تمام نگاہیں مجھ پر جم گئی تھیں اور ایک لمحے کے اندر اندر میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ گڑبڑ ہے' بہت سی مشکوک نگاہیں مجھ پر پڑی تھیں' ایک مچھندر قسم کا تھانیدار لوگوں سے بیانات لے رہا تھا۔ ایک کمرے کے دروازے پر دو پولیس کانسٹیبل تعینات تھے اور یہ منجھلی چچی کا ہی کمرہ تھا۔ بڑی پھوپھی ایک جانب سر پکڑے بیٹھی ہوئی تھیں۔ چونکہ سب لوگوں نے مجھے دیکھا تھا اس لئے

تھانے دار کی نگاہیں بھی میری جانب اٹھ گئیں' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"یہ کون ہے؟"

"یہی شعور ظفریاب ہے۔" میرے ایک تایا نے بتایا۔

"ہوں تو تم ہو شعور ظفریاب' کافی باشعور معلوم ہوتے ہو۔"

"ڈرامہ مت کرو مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟ کیسے ہوا ہے یہ سب کچھ؟" میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ نہ جانے کیوں اچانک ہی میرا لہجہ اتنا سخت ہوگیا تھا۔ تھانے دار چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس کی سٹی گم ہوئی تھی' لیکن پھر اچانک اسے یاد آگیا کہ وہ تھانے دار ہے اور میں نے اس کے ساتھ کرخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ غصیلے انداز میں بولا۔

"کیا کہا میں ڈرامہ کررہا ہوں؟"

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"او بھائی کیا ڈی آئی جی لگ گئے ہو۔ کیسے بات کررہے ہو مجھ سے؟" تھانے دار بولا۔

"بس تمہیں اتنا بتارہا ہوں کہ جو کچھ بھی کررہے ہو ہوش وحواس میں رہ کر کرو ورنہ نقصان کے ذمہ دار خود ہوگے۔"

"یار کمال کا آدمی ہے بھئی یہ تو' خیر ٹھیک ہے بات کروں گا تم سے بھی دوست' فی الحال یہ بتاؤ کہ کہاں سے آرہے ہو؟" میں تھانے دار کی بات کا جواب دیئے بغیر وہاں موجود دوسرے لوگوں کی جانب مڑا اور سخت لہجے میں' میں نے کہا۔

"کیا واقعہ ہوا ہے' آپ لوگ مجھے بتائیے' میں اس گھر کا ایک فرد ہوں' آپ لوگ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے کہنے سے میرا تعلق اس گھر سے ختم ہوگیا ہے تو یہ آپ کے کہنے کی بات ہے حقیقتاً میرا اس گھر سے تعلق کوئی ختم نہیں کرسکتا۔"

"شعور میاں! تمہاری چچی' تمہاری چچی.........." چچا فیض نے روتے ہوئے کہا۔

"میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے مسٹر' ابھی کوئی اندر نہیں جاسکتا آپ بھی براہ کرم اندر جانے کی کوشش نہ کریں۔ ہمارے اسپیشل ڈیپارٹمنٹ کے افراد آنے والے ہیں' فون پر ان سے بات ہو چکی ہے' ان کے بغیر کوئی بات نہیں ہو سکتی اور نہ کسی کو کمرے میں جانے دیا جاسکتا ہے۔ ہر چیز محفوظ کر دی گئی ہے۔" تھانے دار نے کہا' ذرا انداز بدل گیا تھا اس کا' حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ میں نے کمینگی سے کام نہیں لیا تھا' یعنی یہ کہ کسی کے بل پر میں اتنے سخت لہجے میں نہیں بولا تھا بلکہ تھانے دار نے کچھ رویہ ہی ایسا اختیار کیا تھا۔ حویلی کے لوگوں نے خود اپنا مقام ختم کر لیا تھا۔ جس کا مجھے کئی بار احساس ہو چکا تھا۔ اب یہ حویلی کیا ایک جھونپڑ پٹی ہو کر رہ گئی تھی' جس میں مختلف قسم کے لوگ معمولی سی زندگی گزار رہے تھے' ورنہ کبھی کسی زمانے میں حویلی کی شان و شوکت ہو گی اور لوگ اس کے بارے میں اچھے ہی انداز میں سوچتے ہوں گے' ان سب نے صورتِ حال تباہ کر کے رکھ دی تھی' لیکن بہرحال اب ایسا بھی نہیں کہ ہم سب دو کوڑی کے ہو کر رہ گئے ہوں' میں چچا فیض کے پاس جا بیٹھا' تھوڑا سا تعجب بھی تھا مجھے۔ غیر اختیاری طور پر ہی میں یہاں آیا تھا۔ بس' لیکن بہر حال یہ سارا واقعہ بہت عجیب تھا' حویلی میں ایک خاتون کا قتل کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی لیکن بہرحال قانون کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں' اور ہر حیثیت کے انسان کو ان ذمہ داریوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے' اب اس قدر خود سری تو نہیں کر سکتا تھا میں کہ تھانیدار کے منع کرنے کے باوجود مقتولہ چچی جان کو دیکھنے دوڑ پڑتا' لیکن بہرحال مجھے حیرت تھی' فیض چچا بدستور رو رہے تھے' دوسرے لوگوں کا رویہ چونکہ میرے ساتھ کبھی بہتر نہیں ہوتا تھا' اس وقت بھی

بس کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی' میں نے خود بھی زیادہ لوگوں سے گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا' تھانیدار رہ رہ کر مجھے گھورنے لگتا تھا' اصل میں وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں نے جو لہجہ اختیار کیا ہے اس کا پس منظر کیا ہے۔

میں خود بھی یہ سوچ رہا تھا کہ ذرا یہاں سے فراغت حاصل ہو جائے تو فوری طور پر سرفراز سے ملاقات کر لوں یا اسے فون کر کے یہاں آنے کے بارے میں اطلاع دوں لیکن کچھ دیر کے لئے یہ بھول گیا تھا کہ ان معاملات کی ذمہ داری سرکاری طور پر بھی سرفراز ہی کو سونپی گئی ہے' وہ اسپیشل آفیسر جس کے آنے کی اطلاع تھانیدار نے دی تھی' سرفراز ہی تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا' سرفراز شاید باہر موجود پولیس کے افراد سے صورتِ حال معلوم کرتا ہوا اندر آیا تھا۔ اس وقت وردی میں تھا اور اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا' کیونکہ بہت سے افراد یہاں جمع تھے اس لئے سرفراز کی نگاہ بھی فوراً ہی مجھ پر نہیں پڑی تھی' اس نے تھانیدار کو دیکھا جس نے اس کے سامنے آکر سلوٹ کیا تھا۔

"ہاں۔ کیا بات ہے تفصیل بتاؤ..........؟"

"سر۔ قت۔ قتل ہو گیا ہے۔"

"وہ مجھے معلوم ہے۔ کس کا قتل ہوا ہے؟"

"سر خاتون ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"سر اس کمرے میں ہیں۔"

"آؤ۔" سرفراز نے کہا اور پھر گردن گھما کر بولا۔

"جتنے افراد اس عمارت میں موجود ہیں' ملازموں سمیت۔ ان میں سے کوئی باہر

تو نہیں گیا؟"

"نہیں سر۔ میں نے کسی کو نہیں جانے دیا۔" تھانیدار نے کہا' گردن گھمائے ہوئے سرفراز کی نگاہ بہرحال مجھ پر پڑ گئی اور وہ بری طرح اچھل پڑا۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے پھر اس نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"آپ براہ کرم ادھر آئیے۔" میں آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گیا تو سرفراز نے مجھے بہت احتیاط سے آنکھ مارتے ہوئے اشارہ کیا اور بولا۔

"آپ کا کیا نام ہے؟"

"سر یہ آدمی تو ایسا لگتا ہے جیسے گورنر جنرل لگا ہوا ہے' میں نے اس سے بات کی تو مجھ پر اکڑ گیا۔"

"کیا میں نے تم سے اس بارے میں کچھ پوچھا ہے؟" سرفراز نے تھانیدار کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں سر۔"

"کیا نہیں سر؟"

"سوری سر۔" تھانیدار بوکھلا کر بولا۔

"جو سوال تم سے کروں بس اس کا جواب دو' فضول بکواس مجھے ناپسند ہے۔"

"یس سر۔ یس سر۔"

"آپ آئیے۔ کیا نام ہے آپ کا؟"

"شعور۔"

"جی آئیے۔" سرفراز نے کہا اور میں اپنی مسکراہٹ کو روکتا ہوا سرفراز کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ بہرحال وہ ذہین نوجوان تھا' دنیا کے سامنے اپنے اور میرے

تعلقات کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا' اس سے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں' میں کمرے میں داخل ہو گیا اور پھر میں نے وہ بھیانک منظر دیکھا کیونکہ لاش میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی گئی تھی۔ تھانیدار نے عقل سے کام لیتے ہوئے لاش کو اور کمرے کے پورے ماحول کو جوں کا توں رہنے دیا تھا۔ چنانچہ لاش کا دھڑ مسہری پر پڑا ہوا تھا' دونوں ہاتھ مسہری سے نیچے لٹکے ہوئے تھے سر تقریباً تین فٹ کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور دھڑ کے کٹ ہوئے حصے سے بہنے والا خون زمین پر جمع ہو کر ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ اس کے اوپر سیاہ پپڑی جم گئی تھی' گردن الگ پڑی ہوئی تھی اور چہرہ سامنے ہی تھا۔ اس چہرے پر دہشت کے جو نقوش منجمد تھے' انہیں دیکھ کر دل کی حرکت بند ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی' میں نے رخ تبدیل کر لیا' سرفراز نے بھی ایک ٹھنڈی سانس لی تھی' لیکن کچھ بولا نہیں تھا' تھانیدار کے چہرے کا رنگ بھی تبدیل تھا۔ منظر ہی ایسا تھا' سرفراز نے تھانیدار سے پوچھا۔

"کمرے کی تلاشی لی؟"

"نہیں سر۔ کیونکہ آپ سے رابطہ قائم کر لیا تھا اس لئے بس یہاں کا منظر دیکھ کر سپاہیوں کو باہر کھڑا کیا اور خود بھی باہر نکل آیا۔"

"ٹیکنیشنز آ گئے ہیں۔"

"جی سر!"

"بلاؤ۔" سرفراز نے کہا اور دو افراد اندر آ گئے۔

"دیکھو پہلے احتیاط کے ساتھ کمرے میں قدموں کے نشانات اور انگلیوں کے نشانات تلاش کرو' کیمرہ مین کو بھی بلا لو۔" تیسرا آدمی کیمرہ لے کر آ گیا تھا۔ سرفراز نے سرگوشی کے انداز میں مجھ سے کہا۔

"اگر یہ منظر تمہارے لئے قابلِ برداشت نہ ہو تو باہر نکل جاؤ۔"

"یار باہر جارہا ہوں میں۔"

"مگر کمرے میں ہی رہنا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا' ویسے اس میں کوئی شک نہیں میں نے اپنے آپ کو کبھی بہت زیادہ طاقتور اور مضبوط اعصاب کا انسان نہیں سمجھا' لیکن چچی جان کو ویسے بھی دیکھ چکا تھا' حالانکہ ملک اعجاز کی لاش بھی بالکل اسی انداز میں ملی تھی اور ضرغام کاظمی بھی اسی کیفیت کا شکار ہوا تھا لیکن چچی جان کی لاش دیکھ کر دل پر ایک بہت ہی عجیب سا اثر ہوا تھا' اور میں اپنی طبیعت پر ایک عجیب بوجھ محسوس کررہا تھا' بہرحال سرفراز تقریباً بیس منٹ تک مصروف رہا' اس دوران باہر کوئی مجھ سے مخاطب نہیں ہوا تھا' عجیب رویہ تھا حویلی والوں کا میرے ساتھ۔

بہرحال پھر سرفراز باہر آگیا' اس نے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا' تھانیدار سے وہ کہنے لگا۔

"ایمبولینس منگوالی ہے؟"

"آگئی ہے سر۔"

"لاش کو پولیس ہسپتال بھجوادو' باقی کارروائی ہوچکی ہے' بیانات لے لو اور ان کی رپورٹ مجھے دو۔ ٹھیک ہے اور سنو کسی کے ساتھ سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے' یہ بیچارے تو ویسے ہی غم کا شکار ہیں۔ تم قاتل کو گھر میں ہی تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"جی سر۔"

"اور مسٹر شعور' آپ براہ کرم ذرا میرے ساتھ آیئے۔" سرفرز نے کہا اور میں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ سرفراز مجھے لئے ہوئے باہر نکل آیا' اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"بالکل کچھ نہیں۔"

"کیسے آنا ہوا تھا؟"

"بس حویلی والوں سے ملنے کو دل چاہا تھا۔ مگر تم بھی تو غائب ہی رہے' ہمایوں نے بھی کئی بار کہا۔"

"ہاں بالکل اتفاق سمجھو۔ ڈی آئی جی صاحب نے تین دن کے لئے شہر سے باہر ایک بہت ہی ضروری کام سے بھیج دیا تھا' ایڈیشنل ڈی آئی جی صاحب میرے ساتھ تھے' اطلاع بھی نہیں دے سکا۔ کچھ ایسے ہی معاملات تھے' سوری۔ بہرحال کیا خیال ہے ان سارے معاملات کے بارے میں تمہارا؟"

"ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کچھ خاص بات محسوس کی۔"

"کیا؟"

"گردن دور پڑی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔"

"بالکل' اسی طرح جیسے ملک اعجاز کی گردن دور پڑی ہوئی تھی۔"

"اور ضرغام کاظمی صاحب کی بھی۔"

"ہاں۔ یعنی قاتل بھی ایک ہے' قتل کا انداز بھی ایک ہے اور آلۂ قتل بھی ایک ہے۔ کیس بڑا دلچسپ ہوتا جارہا ہے' اب تم یوں کرو میں تو ذرا چل رہا ہوں' ابھی حویلی ہی میں رہو اور حویلی کے لوگوں سے ذرا گھلنے ملنے کی کوشش کرو۔ تھانیدار کو میں نے خاص طور سے بتا دیا ہے کہ تم سے کوئی بدتمیزی نہ کرے' لیکن بیان دیتے ہوئے وہ تم سے اگر تمہارے بارے میں کچھ پوچھے تو مجموعی طور پر اسے مطمئن کردینا۔

میرا مطلب ہے وہ یہ نہ محسوس کرے کہ تم اس کی توہین کر رہے ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد سرفراز باہر نکل گیا' پھر وہ تو چلا گیا اور میں واپس کمرے میں آگیا' تھانیدار نے اپنا کام شروع کردیا تھا' وہ طرح طرح کے سوالات پوچھ رہا تھا پھر کچھ دیر کے بعد لاش کو وہاں سے روانہ کردیا گیا اور ضروری کارروائیاں ہونے لگیں' تھانیدار نے مختلف لوگوں سے سوالات کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"اور آپ اس حویلی میں نہیں رہتے مسٹر شعور؟"

"جی ہاں۔"

"آپ مجھے اپنی قیام گاہ کا پتہ لکھوا دیجئے گا۔"

"وہ میں تھانے آکر لکھوا دوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"اس لئے کہ ابھی تو میں فٹ پاتھ پر رہتا ہوں۔"

"اس حویلی سے کیوں چلے گئے؟"

"اس لئے کہ اس حویلی والے مجھے حویلی میں ناپسند کرتے تھے۔"

"وجہ؟"

"ان کے خیال میں یہ جگہ اب میرے لئے غیر ہوگئی تھی' وہ مجھے یہاں سے نکال دینا چاہتے تھے۔"

"شعور بیٹے کیسی باتیں کر رہے ہو' کیا یہ وقت ان باتوں کا ہے۔" بڑے پھوپھا نے کہا۔

"آپ براہ کرم خاموش رہئے میں جو سوالات ان سے کر رہا ہوں ان کے جواب مجھے لینے دیجئے۔" تھانیدار نے بڑے پھوپھا کو ڈانٹ دیا تو میں نے کہا۔

"نہیں ٹھیک ہے تھانیدار صاحب ہمارے ذاتی معاملات ہم خود جانیں' آپ مجھ سے اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔" تھانیدار نے کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اس کے بعد خاموش ہوگیا تھا پھر تمام تر کارروائیاں مکمل کرلی گئیں اور تھانیدار صاحب نے آخری ہدایات دیں۔

"حویلی کے دروازے پر پولیس کے دو افراد کا پہرہ رہے گا اس سلسلے میں آپ لوگوں کو کوئی خاص بات معلوم ہو تو مجھے ضرور بتائیے گا۔"

"کیا حویلی کے لوگوں پر باہر آنے جانے پر پابندی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں کوئی پابندی نہیں ہے' لیکن تھانے میں کسی بھی وقت کسی کو طلب کیا جاسکتا ہے۔" تھانیدار صاحب نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ باہر نکل گئے' پھر میں فیض چچا کو سہارا دینے لگا جن کی سسکیاں فضا میں بلند ہو رہی تھیں۔ منجھلے پھوپھا نے پوچھا۔

"اب لاش کا کیا ہوگا؟"

"پتہ نہیں۔ معلومات کرنا پڑیں گی۔"

"کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ ڈیڈ باڈی شاید پوسٹ مارٹم کے بعد ملے گی' تدفین وغیرہ کا انتظام کرلیا جائے' اب ظاہر ہے منجھلی چچی کا معاملہ تھا تدفین میں تو مجھے شریک رہنا ہی تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی سرفراز میری ڈیوٹی لگا گیا تھا کہ میں یہاں رہ کر حویلی کے حالات معلوم کروں' چنانچہ اس کے لئے میں منصوبہ بندی کرنے لگا۔

☆----------☆----------☆

فیض چچا تنہائی میں ملے تو میں نے ان سے پوچھا۔

"فیض چچا آخر یہ کیا ہوا؟ آپ اس وقت کہاں تھے جب یہ واقعہ پیش آیا؟"

"میاں! بس میں تو باہر تھا گھر واپس آیا تو یہ معلومات حاصل ہوئیں' ایک لفظ بھی تو نہ کہہ سکا مرحومہ سے۔"

"کوئی ایسی بات فیض چچا جو قابلِ ذکر ہو۔"

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔" فیض چچا نے جواب دیا۔ اس کے بعد مختلف لوگوں سے میں اس بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا لیکن اس سلسلے میں سب سے کارآمد شخصیت بڑی پھوپھی کی ثابت ہوئی۔ بڑی پھوپھی ویسے بھی اچھی فطرت کی نیک خاتون تھیں' میرے معاملے میں انہوں نے خاموشی ہی اختیار کئے رکھی تھی اور کوئی خاص بات نہیں کہی تھی' لیکن میں جانتا تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو میری یہاں موجودگی کو ناپسند کرتے ہیں' البتہ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے' انہوں نے دوسرے لوگوں کی مخالفت صرف میری وجہ سے مول نہیں لی تھی' دنیا اب اتنی باہمت بھی نہیں رہی ہے کہ دوسروں کی مشکل اپنے سر لے لے' اس لئے وہ بھی خاموش رہی تھیں' لیکن مجھے غمزدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہیں نے کہا تھا۔

"تم نے تھانیدار کو بتایا ہے کہ فٹ پاتھ پر رہتے ہو۔"

"نہیں پھوپھی جان اب ایسی بات بھی نہیں ہے' اصل میں تھانیدار کو میں اپنا پتہ

نہیں بتانا چاہتا تھا اس لئے یہ الفاظ کہہ دیئے۔"

"کہاں رہتے ہو؟"

"ایک فلیٹ میں' بہت خوبصورت بہت اچھا۔ میرے ایک ایسے دوست کا ہے جو لندن ہی میں میرے ساتھ رہتا تھا۔"

"دنیا سمجھتی ہے کہ اس نے انسانوں کی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے' اور اگر وہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اسے دقت نہیں ہوتی' خدا کو بھول گئے ہیں یہ سارے کے سارے۔ اللہ سب کا سہارا ہوتا ہے' سب کے لئے کچھ نہ کچھ کرتا ہے' مجھے بیٹے تمہارے ساتھ ہونے والی اس ناانصافی کا بڑا افسوس ہے مگر میں کیا کروں' ظاہر ہے اب عمر کی اس منزل میں بھی نہیں ہوں کہ لڑائی جھگڑے مول لوں کسی سے اب دیکھو بیچاری.........."

"ہاں پھوپھی جان مجھے چچی جان کے ساتھ ہونے والے اس حادثے کا بے حد افسوس ہے۔"

"بیٹا کیا بتاؤں۔ کیا کہوں' میں نے تو کسی کے سامنے زبان تک نہیں کھولی۔"

"کیا مطلب؟"

"زبان سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے۔"

"پرایا تو میں بھی ہوں پھوپھی جان۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آپ کی زبان سے نکلی ہوئی بات پرائی نہیں بلکہ میری ہوگی۔ کون کی بات زبان سے نکالنا چاہتی ہیں آپ۔"

"بیٹا ایک بات تو تم سمجھتے ہو۔"

"کیا؟"

"یہ کہ ہر انسان کو اپنی قبر میں جانا ہوتا ہے۔"

"کیوں نہیں پھوپھی جان۔"

"اور پھر اس عمر میں پہنچنے کے بعد تو اللہ کا ڈر کچھ زیادہ ہی ہو جاتا ہے' کیونکہ انسان سوچتا ہے کہ اب جوانی تو ڈھل گئی اب تو عمر کی وہ منزل ہے جب کسی بھی وقت اوپر سے بلاوا آسکتا ہے۔"

"جی آگے کہئے آپ۔"

"بیٹا بس کیا کہوں اس کے بارے میں' مرنے والی کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی' لیکن کسی کو بھی نہیں بتایا میں نے۔"

"آخر کیا؟"

"اس رات بیٹا وہ میرے کمرے میں چوروں کی طرح گھسی تھی اور الماری سے وہ جوڑا نکال کر لے گئی تھی۔"

"کیا؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں وہ جوڑا جو میرے پاس امانتاً رکھا ہوا تھا۔ کتنا ہی قیمتی ہو گا وہ مجھے اس کا کچھ نہیں کرنا تھا بلکہ میں نے تو کئی بار لوگوں سے کہا بھی تھا کہ بابا اس کے بارے میں بتادو کہ میں کیا فیصلہ کروں۔ کیسے اس سے نجات حاصل کروں۔ باقی جو کچھ افسانے سنائے گئے ہوں گے تم نے بھی سنے ہوں گے' وہ سارے کے سارے من گھڑت تھے۔ جوڑا جب سے عبدالحق نے مجھے دیا تھا میں نے امانت کے طور پر رکھا ہوا تھا' دو چار بار اس کے بارے میں باتیں بھی ہوئیں لیکن وہ تو وکیل صاحب کی موت نے معاملہ بیچ میں چھوڑ دیا اور پھر اس رات وہ خاموشی سے آئی' الماری کھولی اور جوڑا نکال کر لے گئی۔ میری آنکھ تو اس وقت کھلی تھی جب وہ دروازے سے باہر نکل رہی تھی' دیر تک تو میں سمجھی ہی نہیں کہ کون ہے' پھر میں نے تجسس سے دیکھا تو وہی تھی' مجھے

حیرت ہوئی' بعد میں' میں نے الماری کے پٹ کھلے دیکھے اور الماری میں جھانکا تو جوڑا غائب تھا۔"

"اوہو۔ آپ نے ان سے پوچھا؟"

"تم خود سوچ لو شعور میاں' نند بھاوجوں کا معاملہ تھا' کیا طوفان کھڑا ہوتا۔ میں نے رنگے ہاتھوں تو نہیں پکڑ لیا تھا' وہ تو نکل گئی تھی' اگر میں جا کر اس سے کہتی کہ جوڑا غائب ہے بی بی اور میں نے تمہیں اپنے کمرے سے نکلتے دیکھا ہے تو یوں سمجھ لو کہ خود میری زندگی عذاب ہو جاتی اور بیٹا اب زندگی کا یہ عذاب ایسے مول نہیں لیا جاتا' بڑا مشکل ہو گیا ہے میرے لئے' تم خود سوچو کیا کرتی اور کیسے کرتی؟"

میں شدتِ حیرت سے گنگ ہو گیا تھا' مجھے ان تمام واقعات کی کڑیاں یکجا نظر آ رہی تھیں۔ گویا اگر کہانی کو یوں جوڑا جاتا کہ ہیروں کا وہ صندوقچہ بابا عبدالحق کے پاس تو امانت کے طور پر محفوظ تھا اور وہ جوڑا بھی' کاظمی صاحب نے اسے اپنی تحویل میں لیا اور بظاہر اسے لا کر میں رکھ دیا۔ یہی کیفیت جوڑے کی ہوئی' اب پتہ نہیں ملک اعجاز کی کیا صورتِ حال رہی' سارے معاملات الجھے ہوئے تھے جو پُراسرار شخصیت اس تمام کارروائی کے پیچھے کارفرما تھی اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا ناممکنات میں سے تھا۔ آخر کار مختلف لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد میں حویلی سے باہر نکل آیا۔ اور پھر فلیٹ پر پہنچنے کے بعد میں نے ہمایوں کو ٹیلی فون کیا۔ ہمایوں کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ میں نے اس کے لئے ایک پیغام چھوڑ دیا تھا اور کہا تھا کہ فلیٹ ہی میں اس کا انتظار کروں گا' اور کوئی کام تو تھا نہیں۔ طبیعت پر ایک بوجھل سی سنجیدگی مسلط تھی' ویسے حویلی میں رہ کر مجھے انتظار کرنا چاہئے تھا اور ان لوگوں کی مدد بھی کرنی چاہئے تھی' لیکن یہ سارے چونچلے بیکار تھے۔ جو لوگ مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے' ان کے ساتھ خواہ مخواہ ریت رواج نبھانے کی کوششیں بے معنی

اور بے مقصد ہی تھیں۔ چنانچہ تدفین کے انتظار کا بھی کیا فائدہ' فیض چچا کون سے میرے دوست تھے سب کے سب ایک جیسے ہی تھے' چنانچہ میں کاہلوں کے سے انداز میں فلیٹ پر ہی رہا اور پھر سرفراز اور ہمایوں ایک ساتھ ہی آئے تھے' سرفراز غالباً اپنی مصروفیات سے فراغت حاصل کر کے پہنچا تھا۔ ہمایوں نے کہا۔

"یار معاف کرنا' میں ذرا ڈیڈی کے کام سے گیا ہوا تھا' جیسے ہی مجھے تمہاری آمد کی اطلاع ملی میرا مطلب ہے تمہارے ٹیلی فون کی' میں تیار ہو گیا اسی وقت سرفراز کا فون بھی آیا اور اس نے کہا کہ وہ تمہاری طرف جا رہا ہے میں نے کہا میں بھی آ رہا ہوں ساتھ ہی چلیں گے' اس طرح سے اس وقت تم ہم دونوں کو ساتھ دیکھ رہے ہو' ویسے مجھے اصولی طور پر تمہاری چچی کی موت کے لئے تعزیت کرنی چاہئے۔"

"ہاں' بہرحال میں فرشتہ بننے کی کوشش تو نہیں کروں گا اور یہ بات بالکل نہیں کہوں گا کہ چچی کی موت پر میں بے حد غمزدہ ہوں۔ اصل میں اس خاندان نے مجھ سے اس طرح بے وفائی کی ہے کہ اب مجھے اس کے بارے میں ہمدردی سے کچھ بھی سوچتے ہوئے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے' لیکن بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ' بیچارے فیض چچا تنہا رہ گئے' کچھ بھی ہے' میرے چچا ہیں۔"

"کیوں نہیں' ویسے بھی انسانی بنیادیں ہوتی ہیں اور کوئی نہ کوئی شکل ضرور رکھتی ہیں۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ' تم نے وہاں کچھ معلومات حاصل کیں۔"

"ایک نہایت کارآمد بات معلوم ہوئی ہے مجھے۔ جو پہلے ہونے والی معلومات کی نفی کرتی ہے۔"

میں نے کہا اور سرفراز چونک کر مجھے دیکھنے لگا' پھر پُر تجسس لہجے میں بولا۔

"کیا؟"

"بڑی پھوپھی جان کے پاس وہ جوڑا میرے سامنے رکھوایا گیا تھا جس کے بارے میں بابا عبدالحق نے کہا تھا کہ وہ دادی جان کی ملکیت تھا اور دادای جان نے صندوقچے کے ساتھ یہ جوڑا بھی بابا عبدالحق کے پاس محفوظ کرا دیا تھا۔"

"ہاں ہاں پھر؟"

"اتفاق سے میں اور ہمایوں اس موضوع پر ایک دن گفتگو کر ہی رہے تھے اور خود میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ اس جوڑے کے بارے میں معلومات حاصل کروں' بڑی پھوپھی جان نے مجھے بتایا کہ چچی جان میرا مطلب ہے وہ خاتون جو قتل ہوئی ہیں۔ ان کے کمرے میں داخل ہوئیں اور جوڑا اس الماری سے چرا لیا' پھوپھی جان کی آنکھ اس وقت کھلی جب دروازے پر آہٹیں پا کر وہ جاگی تھیں' انہوں نے چچی جان کو بخوبی نکلتے ہوئے دیکھا تھا' بزرگ خاتون یقینی طور پر جھوٹ نہیں بول رہیں اور میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ انہوں نے اس بارے میں جو کچھ بتایا وہ بالکل سچ تھا جوڑا یقینی طور پر چچی جان نے چرا لیا۔"

"لیکن اس کمرے میں تلاشی کے دوران مجھے اس جوڑے کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ملا۔" سرفراز نے کہا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے' ویسے تو ہیرے بھی غائب ہیں اور اب صندوقچہ بھی۔" میں نے کہا اور سرفراز چکرائی ہوئی نگاہوں سے ہمایوں کو دیکھنے لگا پھر اس نے آہستہ سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خیر محکمۂ پولیس میں رہتے ہوئے بہت سے واقعات تو نگاہوں کے سامنے سے گزرے ہیں لیکن یہ واقعہ واقعی اپنی نوعیت کا بالکل منفرد ہے اور اس نے مجھے کافی سنسنی کا شکار کر دیا ہے اس بار شاید میں اس کیس کو حل نہ کر سکوں اور پھر تینوں قتل ایک ہی انداز میں ہوئے ہیں' ویسے اس دوران میں نے اس معاملے پر غور کر کے اپنے

ذہن میں اپنے طور پر ایک خاکہ تیار کیا ہے' تم لوگ بھی ذرا اس کی تائید یا تردید کرو۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"بات ایک ایسے صندوقچے کی ہے جسے طور علی نے اپنی منہ بولی بہن کے حوالے کیا اور ایک جوڑا بھی انہیں دیا گیا۔ بعد میں انتقال سے پہلے انہوں نے یہ چیزیں اپنے ورثہ میں تقسیم کرنے کے لئے بابا عبدالحق کے حوالے کردیں' اب یہ پتہ نہیں کہ اس سلسلے میں انہوں نے کیا وصیت کی تھی' بابا صاحب وہ دونوں چیزیں حوالے کرنے کے بعد غائب ہوگئے۔ یہاں سب سے پہلا پوائنٹ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کم از کم اس سلسلے میں بابا عبدالحق کی نیت خراب نہیں تھی' وہ اگر چاہتے تو خاموشی کے ساتھ اس مسئلے کو گول کرجاتے اور کسی کو اس بارے میں بتاتے بھی نہیں۔ دوسری بات جو ان کے حق میں جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ ان کا کوئی ایسا وارث بھی نہیں ہے جس کے لئے وہ یہ قیمتی اشیاء خورد برد کرنے کی کوشش کرتے' گھر والوں کے رویے کا احساس کرتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئے کیونکہ یہ بات جانتے تھے کہ حویلی کے رہنے والے انہیں جینے نہ دیتے اور اس بات پر سخت ناراض ہوتے کہ انہوں نے وہ صندوقچہ پہلے ان کے حوالے کیوں نہ کیا۔ پھر بات ضرغام کاظمی تک پہنچی' ضرغام کاظمی نے وہ صندوقچہ اپنی تحویل میں لے لیا اور اسے لاکر میں محفوظ کردیا گیا' پھر ضرغام کاظمی قتل ہوگئے' کیا اس قتل کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ضرغام کاظمی نے صندوقچے میں سے ہیرے غائب کردیئے تھے اور خالی صندوقچہ کسی نئی کہانی کے ساتھ وہاں منتقل کردیا گیا تھا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟ ایک آئیڈیا یہ ہوسکتا ہے' چلو اس سے بھی ہٹتے ہیں اس کے بعد ملک اعجاز نے وہ صندوقچہ لاکر سے حاصل کیا اور جیسا کہ ملک اعجاز خود تسلیم کرچکا ہے کہ اس نے چابی غائب کی تھی اور ایسا کام ضرغام کاظمی کی موت کے بعد کیا تھا تو اس بات کے

امکانات کو مدِنگاہ رکھا جاسکتا ہے کہ ملک اعجاز نے بعد میں صندوقچہ' میرا مطلب ہے وہ ہیرے اس جگہ سے حاصل کرلئے جہاں ضرغام کاظمی نے انہیں چھپایا تھا' ہیروں کے حصول کے بعد ملک اعجاز کا بھی وہی حشر ہوا اور ہیرے اور صندوقچہ وہاں سے غائب ہوگیا۔ اس کے بعد جوڑے کا معاملہ آیا' ہوسکتا ہے بڑی پھوپھی جان نے خلوصِ نیت کے ساتھ وہ جوڑا اس لئے اپنے پاس رکھا ہو کہ جب بھی حقدار اسے طلب کریں وہ ان کے حوالے کردیں اور ان کی نیت میں کوئی کھوٹ نہ آئی ہو' اس لئے وہ محفوظ رہی ہوں اور وہ خاتون جنہوں نے وہ جوڑا وہاں سے چرایا اس چوری کا شکار ہوگئی ہوں' یعنی وہ جوڑا بھی وہاں سے غائب۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"بھائی پولیس آفیسر ہو اور اسپیشل پولیس میں ویسے ہی تمہیں جگہ نہیں مل گئی ہوگی' یہ تمام باتیں ایک وزن تو رکھتی ہیں' ایک چین تو بن رہی ہے جس کی کڑیاں آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں' ہم اس بات کو خلوصِ دل سے تسلیم کرتے ہیں۔"

"خیر چلو یہ بات اپنی جگہ رہی اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ پُراسرار حسینہ کون تھی' جس نے ایک عجیب و غریب پیغام دیا تھا' یعنی یہ کہ ملک اعجاز سے کہا جائے کہ ہیرے واپس اسی جگہ رکھ دے جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا' وہ جگہ پہلی بات تو یہ کہ کون سی ہوسکتی ہے۔"

"یقینی طور پر وہ لاکر جہاں ضرغام کاظمی نے ہیروں کا صندوقچہ محفوظ کیا تھا اور کون سی جگہ ہوسکتی ہے' اور کسی جگہ کی نشاندہی تو نہیں کی گئی ہے۔"

"ہاں۔ ایسی صورت میں وہ پُراسرار حسینہ بڑی سنسنی خیز کیفیت کی حامل ہے۔ اچھا خیر اب یہاں تک آنے کے بعد میں آپ حضرات کو ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"خوشخبری یہ ہے کہ میں نے پروفیسر غازی کا پتہ معلوم کرلیا ہے۔ پروفیسر غازی الگن اسکوائر کی کوٹھی نمبر بیس میں رہتے ہیں۔"

"تت............تو............تو کیا تم ان سے ملے؟"

"نہیں دوستو! میں اپنی گردن نہیں کٹوانا چاہتا' بہرطور اس پُراسرار کتاب کی تحریر جو کچھ بھی ہے میں مخلصانہ طور پر اسے پروفیسر غازی کے حوالے کرکے اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"یار یہ واقعی کمال کی بات ہے۔ ہوسکتا ہے ہمیں اس کتاب سے کچھ معلومات حاصل ہوسکیں۔"

"اور کیا کرسکتے ہیں' سوائے اس کے کہ پروفیسر غازی سے ملاقات کرکے اس کتاب کی تحریر کے بارے میں معلوم کیا جائے اور ویسے شعور' کیا تم اپنی چچی جان کی تدفین میں حصہ نہیں لوگے؟"

"بس ٹھیک ہے سرفراز میرا ذہن ان لوگوں کی جانب سے بالکل ہٹ چکا ہے۔ تم یقین کرو وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے مجھ سے کوئی رغبت ہو' ہاں اس کیس کے سلسلے میں اگر تم چاہو گے تو میں دس بار تمہارے حکم پر وہاں جانے کے لئے تیار ہوں۔"

"نہیں' اگر ضرورت پڑی تو ظاہر ہے ہم اپنے طور پر وہاں کارروائی کرسکتے ہیں' ویسے تم مکمل طور پر ان سے رابطہ نہ توڑنا' بھئی دیکھو نا ہر شخص اپنی اپنی فطرت اپنی سرشت الگ رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ رویہ رہا ہے تو تم اپنا رویہ اتنا خراب نہ کرو' دیکھو تو سہی کیا صورتِ حال رہتی ہے۔"

"تو پھر پروفیسر غازی کے پاس کب چلنے کا ارادہ ہے؟"

"چلتے ہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے کب؟"

"بس تیار ہو جاؤ۔" سرفراز نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"ابھی!"

"ہاں۔ فرصت ہے' اصل میں یہ محکمہ جس میں' میں ملازمت کرتا ہوں نا بس ایسا ہے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی ذمے داری سپرد کی جاسکتی ہے' چنانچہ فرصت کا جو بھی لمحہ ملے اس سے فائدہ اٹھالینا چاہئے۔"

"اوکے۔ پھر ٹھیک ہے۔" ہم نے کہا اور اس کے بعد میں تیار ہونے لگا' کچھ دیر کے بعد ہم تینوں ایک کار میں بیٹھ کر پروفیسر غازی کی جانب چل پڑے۔

☆----------☆----------☆

راستے بھر سب ہی خاموش رہے تھے ہر ایک کے دل میں مختلف خیالات چکراتے رہے تھے' کتاب سرفراز کے پاس موجود تھی جسے اس نے نکال کر ہم سب کو دکھادیا تھا اور کہا تھا۔

"حالانکہ یقین کرو اس کتاب کو اپنے پاس رکھتے ہوئے مجھے بے حد خوف تھا۔"

"کیوں' خوفزدہ کیوں تھے تم؟"

"یار تین گردنیں اُڑ چکی ہیں' مجھے اپنی گردن اپنے شانوں پر ہی اچھی لگتی ہے۔"

"مگر کتاب کے سلسلے میں تمہارے دل میں کوئی بددیانتی تو نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"بار بار یہ جملے میں نے دوہرائے تھے کہ بھائی صاحبِ کتاب! یقین کرو میں بڑا مخلص آدمی ہوں' اور اس کتاب پر میری ذرا بھی نیت خراب نہیں ہے' میری کھوپڑی

کی سلامتی کا خیال رکھنا' بہرحال وہ ایک الگ بات ہے لیکن واقعی بڑے پُراسرار حالات ہیں۔ اب دیکھو پروفیسر غازی اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کرسکتے ہیں؟"

الگن روڈ کی کوٹھی نمبر بیس پر پہنچ کر ہم نے کار روکی' دروازے پر چوکیدار کھڑا ہوا تھا۔ سرفراز نے ہارن بجایا تو وہ باہر نکل آیا اور اس نے کہا۔

"جی صاحب کس سے ملنا ہے؟"

"پروفیسر صاحب سے۔"

"آپ کون لوگ ہیں؟"

"خفیہ پولیس۔" سرفراز نے جواب دیا اور چوکیدار ایک دم سنبھل گیا۔

"پپ۔ پولیس؟"

"ہاں۔"

"مگر صاحب ہم پروفیسر صاحب کو کیا بولے؟"

"پروفیسر صاحب کو پروفیسر بولو اور کیا بولو گے۔"

"نہیں آپ کے بارے میں کیا بولے؟"

"ہم اپنے بارے میں خود بول لیں گے' تم اس کی پرواہ مت کرو۔"

"صاحب برا مت مانو تو ایک بات کہے ہم۔"

"بولو۔" سرفراز نے کہا۔

"یہ کار پولیس کا نہیں ہے اور آپ لوگ بھی پولیس کا وردی میں نہیں ہے پھر ہم آپ کو کیسے اندر جانے دے؟"

"پروفیسر نے کسی اجنبی آدمی سے ملنے کے لئے منع کیا ہے کیا؟"

"نہیں صاحب پر ہمارا ڈیوٹی ہے کہ جو بھی آئے پہلے ہم اس کے بارے میں پروفیسر صاحب کو اطلاع دے۔"

"تو پھر یہ کارڈ دیکھ لو۔" سرفراز نے بیچارے چوکیدار کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا' اور اپنا سروس کارڈ نکال کر اس کے سامنے کردیا جس میں وہ پولیس کی وردی میں تھا' چوکیدار نے کارڈ دیکھا اور پھر خود بھی اٹینشن ہو کر سلیوٹ مارا۔

"صاحب ہم ریٹائرڈ فوجی ہے۔" اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور کار اندر داخل ہوگئی' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سرفراز اس محکمے کے بارے میں ابھی تم کچھ اس انداز سے کہہ رہے تھے جیسے تم اپنی مصروفیات سے بیزار ہو' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی شان ہی نرالی ہوتی ہے' کسی اور محکمے میں اس قدر شان سے انسان نہیں جی سکتا۔"

سرفراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چوکیدار نے شاید دروازے کے پاس بنے ہوئے کیبن سے پروفیسر غازی کو ہم لوگوں کو آنے کے بارے میں اطلاع دے دی تھی' کیبن میں یقینی طور پر انٹرکام لگا ہوا ہوگا' بہرحال جس شخصیت نے چند لمحوں کے بعد ہمارا استقبال کیا وہ ایک شاندار شخصیت تھی' ایک قیمتی گاؤن میں ملبوس پروفیسر غازی موٹے چشمے والی عینک کے پیچھے سے ہمیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھا اور بولا۔

"حالانکہ تم تینوں میں سے مجھے پولیس والا کوئی نظر نہیں آتا۔" اس نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ہم لوگوں نے اسے سلام کیا تو اس نے بڑے پُرتپاک انداز میں ہم سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"اور اتنے خوبصورت نوجوانوں کی قربت میں مجھے خوشی ہو رہی ہے میں تو یہ سمجھا تھا کہ لمبی اور نوکیلی مونچھوں والے کچھ ایسے بدشکل لوگ ہوں گے' جنہیں دیکھ کر طبیعت پر ایک ناخوشگوار کیفیت مسلط ہوجائے گی' ایسے حسین پولیس والے بھلا کہاں نظر آتے ہیں۔"

"شکریہ پروفیسر لیکن ہم تینوں پولیس والے نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا چوکیدار سے غلط بیانی کی تھی تم لوگوں نے؟"

"نہیں سر یہ مطلب نہیں ہے۔"

"بیٹھو۔ بیٹھو' پھر کیا مطلب ہے۔" پروفیسر نے انتہائی قیمتی صوفوں پر ہمیں بیٹھنے کے لئے کہا اور خود بھی ہمارے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مطلب یہ کہ ہم میں سے ایک پولیس والا ہے۔ یہ مسٹر سرفراز ہیں اور درحقیقت آپ کے بارے میں کچھ اس طرح کی باتیں کر چکے ہیں یہ کہ اگر واقعی ہمیں آپ سے کوئی کام بھی نہ ہوتا تو بھی ایک بار آپ سے ملاقات کو دل ضرور چاہتا۔"

"کیا باتیں کر چکے ہیں یہ۔"

"آپ یہ سمجھیں گے کہ ہم آپ کی خوش آمد کر رہے ہیں۔" ہمایوں نے کہا۔

"اگر میں یہ سمجھوں گا بھی تو برا نہیں مانوں گا کیونکہ خوشامد بری نہیں لگتی مجھے۔" پروفیسر نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ ایک انتہائی خوش مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"سرفراز صاحب کا کہنا تھا کہ آپ قدیم زبانوں کے ماہر اور انتہائی قابل شخصیت رکھتے ہیں۔"

"انہیں کیسے پتہ چلا' اور تم میں سے سرفراز کون سے ہیں۔" پروفیسر نے ہم تینوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"سر میرا نام سرفراز ہے اور آپ کو بھی مطمئن کرنے کے لئے میں یہ کارڈ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"سرفراز نے ایک بار پھر اپنا سروس کارڈ نکالا لیکن پروفیسر غازی نے اس پر نگاہ نہیں ڈالی اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"جیب میں رکھ لو' اسے جیب میں رکھ لو' ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے' مہمان بہرحال مہمان ہوتے ہیں' اصل میں بعض اوقات کچھ بے تکے لوگ بھی آجاتے ہیں جن کا کوئی

سر پاؤں نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک دن ایک صاحب ایک ٹوٹی ہوئی چائے کی کیتلی اٹھا لائے کہنے لگے یہ سولہ ہزار سال پرانی ہے اور وہ اس کی تحقیق کر چکے ہیں میں اس کی تصدیق کر دوں۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ کیتلی اٹھا کر ان کے سر پر ماردوں' لیکن خیر مہمان آئے تھے' میں نے ان سے کہا کہ بھائی تم اس بات کی تصدیق کیسے کر سکتے ہو کہ سولہ ہزار سال پہلے بھی چائے اسی انداز میں پی جاتی تھی' اس بات پر وہ سوچ میں ڈوب گئے اور بولے۔

"ہاں یہ بات تو ہے' پتہ نہیں چائے کتنی پرانی ایجاد ہے۔" بہرحال بڑی مشکل سے انہیں گھر سے نکالا تھا' بس اس سولہ ہزار سال پرانی چائے کی کیتلی کو مجھ سے تصدیق کرا کے مہنگی قیمت پر بیچنا چاہتے تھے۔"

"لیکن سر وہ یہ کیسے ثابت کرتے اپنے خریدار کے لئے کہ یہ چائے کی کیتلی ہی ہے اور سولہ ہزار سال پرانی ہی ہے۔"

"بس میرے نام سے فائدہ اٹھاتے اور کیا کرتے۔" جواب میں ہم تینوں ہنسنے لگے تھے پھر پروفیسر غازی نے کہا۔

"سرفراز کا تو تعارف ہو گیا تم دونوں نے اپنا نام نہیں بتایا مجھے۔"

"سر میرا نام ہمایوں ہے اور یہ شعور ہیں۔"

"واہ۔ تینوں نام خوبصورت ہیں' شخصیتیں بھی خوبصورت ہیں' اصل میں نوجوانوں کے ساتھ بیٹھ کر انسان اپنی عمر کو بھول جاتا ہے اور اچھا لگتا ہے بشرطیکہ وہ نوجوان پڑھے لکھے اور سلیقے کے ہوں۔"

"شکریہ سر۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ میرے پاس کیسے آنا ہوا۔ ویسے یہ بھی بتا دو کہ کیا پینا پسند کرو گے؟ میں تمہیں اٹھائیس ہزار سال پرانی چائے کی کیتلی میں چائے بنوا کر پلوا سکتا

ہوں۔"

"نہیں سر پتہ نہیں اس میں کس کس نے چائے پی ہوگی' آپ اگر ہمیں کسی تازہ کیتلی میں چائے بنوا کر پلوائیں تو ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہوں گے۔"

"ہاں تو بس سمجھ لو کہ چائے آنے والی ہے' اصل میں کچھ جنات سے میرا تعلق ہے' بس یہ سمجھ لو وہ بات سن لیتے ہیں اور ضرورت پوری کر دیتے ہیں' دیکھو' بس چند لمحوں کے بعد چائے آنے والی ہوگی۔" پروفیسر نے پُرمزاح انداز میں کہا اور اس کے بعد سنجیدہ ہوگیا۔

"ویسے پولیس والے کی حیثیت سے آئے ہو یا کوئی ذاتی کام ہے؟"

"نہیں سر بالکل ذاتی کام ہے۔"

"ہاں بولو' بتاؤ۔" پروفیسر غازی نے کہا اور سرفراز نے وہ کتاب نکال کر پروفیسر غازی کے سامنے کر دی اور کہا۔

"سر معاملہ ذرا مختلف قسم کا ہے' میں آپ کو اس کی تفصیل بتا دوں گا' یہ کتاب ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آئی اور ہم آپ سے اس کا ترجمہ کرانا چاہتے ہیں یا کم از کم اس کا مفہوم ہی ہماری سمجھ میں آجائے۔ سر اس سلسلے میں ہم نہیں سمجھتے کہ ہمیں آپ کی کیا خدمت کرنا ہوگی' لیکن تفصیل سننے کے بعد شاید آپ خود بھی اس میں دلچسپی لیں۔"

"بالکل بالکل بس اتنی ہی خدمت کافی ہے میری' دکھاؤ ذرا۔" پروفیسر نے کہا اور کتاب اپنے ہاتھ میں لے کر کھول لی' اس کے بعد وہ اس کتاب میں کھو گیا یوں لگا تھا جیسے وہ ہمیں بھول گیا ہو۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر لایا جس پر ڈرائی فروٹس اور چائے کے برتن سجے ہوئے تھے' پروفیسر نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ ملازم نے خود ہی چائے کے برتن سینٹر ٹیبل پر

چائے اور فروٹس وغیرہ کی پلیٹیں ہمارے سامنے رکھ دیں۔ پروفیسر اب بھی کتاب میں کھویا ہوا تھا' سرفراز گہری آنکھوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا' پروفیسر کے چہرے کی تبدیلیاں بتا رہی تھیں کہ وہ اس زبان کو سمجھ رہا ہے اور کچھ کچھ اس پر غور کر رہا ہے۔

بڑی دیر اسی طرح گزر گئی ہم نے سوچا کہ پروفیسر تو بہرحال کتاب کی دنیا میں پہنچ چکا ہے ہمیں چائے شروع کر دینی چاہئے' چنانچہ ہم چائے پینے میں مصروف ہو گئے' لیکن پروفیسر اس قدر غافل بھی نہیں تھا اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"ایک پیالی میرے سامنے بھی رکھ دو۔" لیکن کتاب پر سے اس نے نگاہیں نہیں ہٹائی تھیں' میں نے جلدی سے چائے کی پیالی بنا کر پروفیسر کے آگے سرکا دی اور وہ بے خیالی کے انداز میں کپ اٹھا کر ہونٹوں تک لے گیا' پھر گرم گرم چائے سے جب اس کے ہونٹ جلے تو اس نے جلدی سے چائے کی پیالی پیچھے کھسکا دی اور کتاب بند کر کے ہماری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"نہایت شرارت بھری بات ہے یہ۔ کم از کم بتا تو دیا ہوتا مجھے کہ چائے اتنی گرم ہے' میری محویت توڑ دی تم لوگوں نے۔"

"سوری سر۔ ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا۔" ہمایوں نے کہا۔

"بہرحال کوئی بھی کام نہ ایک دن میں ہوجاتا ہے نہ ایک گھنٹے میں' وقت تو دو گے نا مجھے تم۔"

"کیوں نہیں پروفیسر' لیکن آپ یہ بتائیے کہ کیا اس کتاب کی تحریر.........."

"بھئی کمال کی کتاب ہے' یقین کرو۔ مگر شاید تم یقین نہ کر سکو یہ عبرانی زبان میں ہے اور عبرانی زبان بھی ایسی جسے قدیم ترین زبان کہا جاسکتا ہے۔ میں تو کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگیا ہوں اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ پتہ نہیں یہ کتاب لکھی

کون سے زمانے میں گئی ہے۔ بہرحال میرے لئے ایک نادر چیز ہے' اچھا یہ بتاؤ تمہیں لفظی طور پر اس کا ترجمہ کر کے دے دوں تو کیا تم یہ کتاب میرے پاس چھوڑ سکتے ہو؟"

"سر' پہلے اس سے متعلق پوری کہانی سن لیجئے۔"

"ہاں بولو بتاؤ۔" اور جواب میں سرفراز نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنا دی۔ پروفیسر کے چہرے پر حیرت اور دلچسپی کے نقوش تھے' کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"آتشی مخلوق کے بارے میں اگر تم لوگوں کو کوئی وہم ہے تو اسے دل سے نکال دو' اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی ہے اور بتایا ہے کہ مٹی کی تخلیق کے ساتھ آتشی تخلیق سے تیار کردہ مخلوق بھی موجود ہے اور اسی کائنات میں رہتی ہے وہ۔ اگر ایسا کوئی وقعہ ہوا ہے تو باعثِ حیرت نہیں ہے اور اب کم از کم ایک بات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ کتاب کی یہ تحریر جو ہے یہ کیا ہے' لیکن اس میں ایک دلچسپ تفصیل موجود ہے جسے میں ابھی نہیں بتا سکتا' ہاں اس کا مختصر ترجمہ کر کے میں تمہیں ضرور دے دوں گا۔"

"اب یہ بتایئے سر کہ یہ کتاب کسی طور آپ کے لئے تو نقصان دہ نہیں ہے۔"

"بھائی اگر ہیروں کا وہ صندوقچہ بھی مل جائے تو ایک نظر مجھے دکھا ضرور دینا لیکن بھول کر بھی یہ نہ سوچنا کہ اس میں سے کوئی ذرہ بھی میں حاصل کرنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا سمجھے؟"

"جی۔" میں نے کہا۔

"پھر اب یہ بتاؤ کہ کب مجھ سے ملاقات کر رہے ہو؟"

"سر جب آپ حکم دیں۔"

"یہ کام تو میں آج رات کو ہی کر لوں گا' کل دن میں کسی بھی وقت تم مجھ سے مل

لینا' ویسے کتاب اگر مناسب سمجھو تو میرے پاس چھوڑ دینا اگر قانونی طور پر تمہیں اس کی ضرورت نہ ہو تو۔ ترجمہ میں تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"جی سر۔" میں نے سرفراز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر کافی دیر تک پروفیسر سے مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی اور اس کے بعد ہم لوگ اس سے اجازت لے کر اٹھ گئے' طے یہ کیا گیا تھا کہ دوسرے دن ملاقات ہوگی' باہر نکلے اور باہر نکلتے ہی میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ سامنے ہی سیاہ رنگ کی ایک لمبی کار کھڑی ہوئی اور میری نگاہوں نے اگر دھوکہ نہیں کھایا تھا تو یہ وہی کار تھی جس میں سمندر کے کنارے وہ پُراسرار حسینہ بیٹھ کر چلی گئی تھی' یقینی طور پر میری نگاہیں دھوکہ نہیں کھا رہی تھیں' ویسے ایک ماڈل کی ایک رنگ کی بہت سی کاریں ہو سکتی ہیں' لیکن نہ جانے کیوں میرے دل کو یقین تھا کہ یہ وہی کار ہے۔ میں نے آہستہ سے سرفراز کو مخاطب کیا اور بولا۔

"سرفراز!"

"ہوں۔" سرفراز نے چونک کر مجھے دیکھا' غالباً میرے لہجے کی کپکپاہٹ سے اسے تعجب ہوا تھا۔

"سرفراز یہ کار دیکھ رہے ہو۔"

"ہاں۔ کیوں خیریت؟"

"یہ وہی کار ہے۔"

"کون سی؟"

"جس کے بارے میں' میں نے تمہیں بتایا تھا۔"

"تم نے مجھے کسی کار کے بارے میں بھی بتایا تھا!"

"ہاں۔ سمندر کے کنارے ملنے والی وہ حسینہ جو ملک اعجاز کے لئے ایک پیغام

دے گئی تھی مجھے۔"

"کیا..........؟" سرفراز بھی اچھل پڑا۔

"ہاں۔"

"نمبر یاد ہے تمہیں اس کار کا؟"

"نمبر نہیں دیکھا تھا میں نے لیکن..........."

"صرف کار کا رنگ اور ماڈل دیکھ کر یہ بات کہہ رہے ہو۔"

"ہاں۔"

"آؤ بیٹھو۔" سرفراز نے کہا اور ہم اپنی کار میں بیٹھ گئے' ہمایوں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا تھا۔

"چلو۔" سرفراز بولا اور ہمایوں کار اسٹارٹ کر کے چل پڑا ہم پروفیسر غازی کی کوٹھی کے گیٹ سے نکل آئے تھے۔

"ویسے تو پروفیسر غازی کے بارے میں' میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن تمہارے اس انکشاف نے تو میری کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے' کیا واقعی تم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ یہ وہی کار ہے۔"

"دیکھو اعتماد کی بات میں نہیں کرتا کیونکہ اس وقت بھی میں نے اس کار کا نمبر نہیں دیکھا تھا' وہ لڑکی مجھ سے گفتگو کرنے کے بعد' بلکہ مجھے وارننگ دینے کے بعد آگے بڑھی تھی اور میں نے اس کا تعاقب کیا تھا لیکن پھر اچانک ہی وہ کار آئی تھی' میں تو اس ڈرائیور کی صورت بھی نہیں دیکھ سکا جو یہ کار ڈرائیو کر رہا تھا' بس کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی تھی۔"

"ہوں۔" سرفراز سوچ میں ڈوب گیا' ہمایوں کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار تھے اور وہ سامنے دیکھتے ہوئے کار ڈرائیو کر رہا تھا' پھر اس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے فلیٹ پر ہی چلوں۔"

"ہاں.......... ویسے تو میں پروفیسر کے بارے میں بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن شور کے انکشاف نے تو کھوپڑی کو بالکل ہی الٹ دیا تھا۔ بہرحال کیا کہا جا سکتا ہے اب ذرا مختلف انداز میں سوچنا پڑے گا' ویسے اس کتاب کا اندراج میں نے کہیں نہیں کیا ہے' ہو سکتا ہے پروفیسر کتاب ہضم ہی کر جائے۔ اب ہم یہ بات دعوے سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ پروفیسر ہمیں اس کی جو تفصیل لکھ کر دے گا وہی اس کتاب کا اصل ترجمہ ہو گا۔"

"تو کیا وہ کتاب پروفیسر کے حوالے نہیں کرنی چاہئے تھی؟" ہمایوں نے پوچھا۔

"اس کے بغیر چارہ کار بھی کیا تھا؟ ہم ظاہر ہے اپنا ایک مقصد اور مطلب لے کر اس کے پاس پہنچے تھے' ویسے پروفیسر چہرے مہرے سے ایک اچھا انسان نظر آتا ہے' کیا تم اس سے اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی فریب کرے گا۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا' تم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ جرم کی دنیا میں کیا کیا کچھ ہو جاتا ہے لیکن بہرحال دیکھیں گے اس سلسلے کو بھی دیکھیں گے' البتہ یہ بات نہیں معلوم ہو سکی کہ پروفیسر غازی کے اہلِ خاندان میں کون کون ہے؟"

"میں نے تو یہ محسوس کیا تھا جیسے اس کوٹھی میں کوئی بھی نہ ہو۔"

"ویسے بھی پروفیسر غازی کے بارے میں ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں' لیکن خیر اب جب ہم نے اس پر اتنا زیادہ اعتبار کر لیا ہے تو پھر یہ اعتبار کرنا ہی ہو گا کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔"

چنانچہ یہ سلسلہ یہاں آنے کے بعد ختم ہو گیا۔ سرفراز اور ہمایوں مجھ سے جدا ہو گئے' میں اپنی آرام گاہ میں آ کر ضروریاتِ زندگی سے فارغ ہو کر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا' فہیم ضرورت کی تمام چیزیں پوری کرنے کے بعد مجھ سے اجازت لے کر

اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور میں بستر پر لیٹا حالات پر غور کر رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہونا چاہئے' ویسے سچی بات یہ ہے کہ چچی جان کی موت کا بھی مجھے تھوڑا سا دکھ ہو رہا تھا۔ کچھ بھی تھا میرے خاندان کی ایک فرد تھیں۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ انہیں اس سلسلے میں ہی قتل کیا گیا تھا اور ان کی موت کا انداز بھی وہی تھا جو اس سے پہلے ضرغام احمد کاظمی اور ملک اعجاز کا ہوا تھا۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہیروں کا وہ صندوقچہ اور وہ ڈریس صرف دادی جان کے لئے تھا تو دادی جان نے اسے بابا عبدالحق کے سپرد کیوں کیا تھا' بابا عبدالحق نے تو صرف اس لئے عین وقت پر وہ دونوں چیزیں گھر کے بزرگوں کے سامنے پیش کی تھیں کہ مجھے میرے حق سے محروم کردیا گیا تھا' اور بابا صاحب کا خیال ہوگا کہ شاید اب اس سے میرا حصہ مجھے مل جائے' تو کیا یہ سب کچھ میرے لئے ہو رہا ہے؟ لیکن اس احمقانہ خیال کو دل سے نکال دینا بے حد ضروری تھا اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ جس چیز کے لئے زندگیاں اس طرح ضائع ہو رہی ہیں اس کے حصول کے لئے اگر وہ میرے لئے ممکن ہو بھی جائے تب بھی کم از کم مجھے اس سے بچنا چاہئے' زندگی بڑی قیمتی چیز ہے اور اسے محفوظ رکھنا بہت مشکل' بہرحال زندگی تو آسانی سے گزاری جاسکتی ہے اور میں کسی بھی طرح اسے کھونا نہیں چاہتا تھا' نہ جانے کتنی دیر تک میں اسی طرح لیٹا حالات پر غور کرتا رہا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور میں چونک پڑا' اس وقت ٹیلی فون کرنے والا کون ہو سکتا ہے' بہرحال پھر بھی میں پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور میں نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو کون ہے؟"

"کیا مسٹر شعور یہاں رہتے ہیں؟"

"میں ہی بول رہا ہوں۔"

"اوہو' شعور ظفریاب' کیا تم میری آواز پہچان سکتے ہو؟"

"نہیں' آپ کون ہیں؟"

"پروفیسر غازی بول رہا ہوں۔"

"اوہو' پروفیسر صاحب آپ۔ فرمائیے کیا بات ہے؟"

"سنو' ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوگیا ہوں میں۔ میں تمہیں اس کتاب کے بارے میں کچھ الفاظ بتانا چاہتا ہوں' اصل میں ایک عجیب سی کیفیت ہوگئی ہے' میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔ وہ کتاب جیسا کہ میں نے تم سے کہا' عبرانی زبان میں ہے اور اس میں ایک عجیب و غریب جگہ کی نشاندہی کی گئی ہے اور کسی کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ کہ.........." ابھی دوسری جانب سے اتنی ہی آواز سنائی دی تھی کہ ایک پُراسرار مدہم سا شور میرے کانوں میں آنا شروع ہوگیا اور پروفیسر غازی کی آواز بند ہونے لگی۔

"ہیلو' ہیلو پروفیسر........." میں نے آواز دی' لیکن اس کے فوراً بعد ایک چیخ' ایک دہشت ناک چیخ کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور پھر کسی ٹھوس چیز کے گرنے کا تڑاخا' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ریسیور پروفیسر غازی کے ہاتھ سے نیچے گر گیا ہو' پروفیسر غازی کی آواز اس کے بعد پھر سنائی نہیں دی تھی جبکہ میں ہیلو ہیلو چیختا رہا تھا' لیکن کوئی آواز پھر دوبارہ نہ ابھری' میں پریشانی کے عالم میں تھا' اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں' ٹیلی فون بھی ہیلڈ ہوگیا تھا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد اسے کریڈل پر رکھ کر واپس مڑا' ایسی صورت میں کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا اور میں نے فوراً ہی اس سلسلے میں فیصلہ کرلیا' چنانچہ میں برق رفتاری سے لباس تبدیل کرکے فلیٹ سے باہر نکل آیا' مجھے یاد آگیا تھا کہ فلیٹ کے باہر سڑک کے دوسری جانب ایک ٹیلی فون بوتھ ہے' میں اس ٹیلی فون بوتھ کو استعمال کرنا چاہتا تھا' سب سے پہلے میں نے ہمایوں ہی کو ٹیلی فون کیا تھا۔ دوسری جانب سے بڑی دیر کے بعد فون ریسیو کیا گیا۔

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"براہ کرم مسٹر ہمایوں سے میری بات کرادیجئے۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"میرا نام شعور ہے' شعور ظفریاب۔"

"جی وہ سو رہے ہیں اور ان کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے۔ ہم انہیں اٹھا نہیں سکتے' ویسے بھی آپ کو اتنی رات کو ٹیلیفون نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟" میں نے پوچھا لیکن جو صاحب بول رہے تھے انہوں نے جواب دیئے بغیر ٹیلی فون کا ریسیور زور سے رکھ دیا تھا۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور اس کے بعد میں نے فوراً ہی سرفراز کو ٹیلی فون کیا' جو سرفراز ہی نے ریسیو کیا تھا۔ اس کی آواز میں نیند کا تاثر تھا' لیکن جب میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ سنبھل گیا۔

"ہاں خیریت کیا بات ہے؟" سرفراز بولا۔

"سرفراز' صورتِ حال بتائے دیتا ہوں' ابھی کچھ دیر پہلے پروفیسر غازی نے مجھے فون کیا تھا۔" میں نے سرفراز کو تمام تفصیل بتائی تو سرفراز بولا۔

"گاڑی ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں میرے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔"

"کہاں سے بول رہے ہو۔ مطلب یہ کہ تمہارا فون ٹھیک ہوگیا ہے؟"

"نہیں' اپنے فلیٹ کے سامنے والے ٹیلی فون بوتھ سے۔"

"میں سمجھ رہا تھا' اچھا یوں کرو اندر جاکر لباس وغیرہ تبدیل کرو' میں آرہا ہوں' باہر ہی مجھے ملنا۔"

"میں لباس تبدیل کئے ہوئے ہوں' تم جلدی آجاؤ میں نے ہمایوں کو ٹیلی فون کیا

تھا لیکن شاید اس کے ملازم نے ٹیلی فون ریسیو کیا تھا اور پھر سختی سے اسے نہ اٹھانے کی بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔"

"فکر مت کرو میں آرہا ہوں۔" اس کے بعد میں ریسیور کریڈل پر ٹانگ کر اپنے فلیٹ کے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ میرا دل دھک دھک کر رہا تھا' بدن میں کپکپی سی دوڑ رہی تھی' یہ تو بڑا ٹیڑھا مسئلہ ہوگیا' کیا کرنا چاہئے' قتل پر قتل ہو رہے ہیں' اور بلا وجہ میں اس معاملے میں ملوث ہوگیا ہوں' کیا بیچارہ پروفیسر اس کتاب کی وجہ سے مارا گیا' وہ تو ایک بہت بڑی شخصیت تھی' لیکن کتاب تو میرے پاس بھی محفوظ رہی' مجھے تو کسی نے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ آخر کیوں؟ بہرحال کچھ لمحوں کے بعد میں نے ایک کار کی روشنیاں دیکھیں' اس امید پر میں اس کی طرف دیکھتا رہا کہ وہ میرے ہی قریب آکر رکے گی اور میرا اندازہ بالکل درست تھا' کار میں سرفراز ہی موجود تھا' پولیس والے اتنے ہی مستعد ہوتے ہیں' سرفراز نے واقعی نہ جانے کتنی رفتار سے کار دوڑا کر اتنی سی دیر میں یہ فاصلے طے کرلیا تھا اور اس کے بعد میرے قریب آکر اس نے بائیں سمت کا دروازہ کھول دیا اور بولا۔

"آجاؤ۔" میں پھرتی سے اس کے قریب جاکر بیٹھ گیا تھا اور اس کے بعد اس نے کار برق رفتاری سے دوڑا دی۔

پھر کچھ لمحوں کے بعد ہم الگن روڈ کی کوٹھی نمبر بیس کے سامنے پہنچے تھے' دروازہ کھلا ہوا تھا اور چوکیدار موجود نہیں تھا' ہم برق رفتاری سے اندر داخل ہوگئے' صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کوئی خاص ہی واقعہ ہوا ہے' تھوڑی ہی دیر کے بعد برآمدے کے قریب پہنچے تو وہاں چوکیدار بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ ہم نے حیرت سے اسے دیکھا' اس وقت چوکیدار کی جانب توجہ نہیں دی جاسکتی تھی' چنانچہ ہم برق رفتاری سے اندر دوڑے' سرفراز نے اپنا سروس ریوالور نکال لیا تھا اور مجھے ہوشیار رہنے کے لئے کہا

تھا۔

ہم قدم قدم آگے بڑھتے ہوئے اندر داخل ہوگئے اور وہاں کا منظر بھی دہ
دیکھا۔ مختلف کمروں سے گزرتے ہوئے بالآخر ہم ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے
عجائب خانے کا سا نقشہ تھا' کئی طرح طرح کی عجیب و غریب چیزیں وہاں موجود تھیں
دیوار گیر الماریاں لیکن سب کی سب بے ترتیب اور اِدھر اُدھر بکھری ہوئی' بس یہ
محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی وحشی حیوان اس کمرے کی چیزوں کو منتشر کرتا ہوا اِدھر اُدھر
دوڑا ہے' مطالعے کا برقی لیمپ جل رہا تھا اور تھوڑے فاصلے پر ایک کرسی پر پروفیسر کی
لاش نظر آرہی تھی لیکن اس طرح کہ بس دیکھا نہ جاسکے۔ گردن غائب تھی' لیکن وہ
کرسی کے پیچھے تقریباً پانچ فٹ دور پڑی ہوئی تھی اور چونکہ دیوار سے ٹکرائی تھی' اس
لئے خون کا ایک دریا دیوار سے نیچے تک موجزن تھا' وہی انداز وہی کیفیت' مطالعہ کی
میز پر ٹیبل لیمپ روشن تھا اور پاس ہی ٹیلی فون کا ریسیور لٹکا ہوا تھا' سب سے پہلے ٹیلی
فون کے اس ریسیور کو اٹھا کر کریڈل پر رکھا گیا اور اس کے بعد ہم قرب و جوار کا جائزہ
لینے لگے۔ سرفراز نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"ایک بہت بڑی شخصیت اس دنیا سے رخصت ہوگئی' اتنی بڑی شخصیت کہ جب
اس کی موت کی خبر عام ہوگی تو ایک مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ مگر صاف ظاہر ہوتا ہے
کہ یہ سب کیسے ہوا' یعنی وہ کتاب پروفیسر کی موت کا باعث بن گئی' آخر ایسی کیا بات
تھی اس میں۔"

"پروفیسر نے ٹیلی فون پر اس کتاب کے بارے میں چند الفاظ کہے تھے۔"

"ہاں تم مجھے بتا چکے ہو لیکن اس سے تو کوئی نتیجہ اخذ نہیں ہوتا۔ بڑی عجیب و
غریب صورتِ حال ہے۔ بات سمجھ میں نہیں آرہی بلکہ اب تو سچی بات ہے کہ ہلکا سا
خوف محسوس ہونے لگا ہے۔"

"اب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ چوکیدار باہر بے ہوش پڑا ہوا ہے
پتہ نہیں یہاں کوئی ہے یا نہیں' ویسے سچی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کی موت کی یہ
ذمے داری کم از کم میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ میری تو زندگی عذاب
ہو جائے گی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ آؤ باہر نکلتے ہیں۔"

لیکن پھر سرفراز ایک لمحے کے لئے رکا تھا اس نے جیب سے ایک رومال نکالا' ٹیلی
فون کا ریسیور اٹھا کر اس کی ٹیون کا جائزہ لیا اور پھر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا' اس نے
اپنے ہاتھوں کے نشان ٹیلی فون کے ریسیور پر نہیں چھوڑے تھے' کچھ دیر کے بعد اس
نے ریسیور میں کہا۔

"ہیلو۔ پولیس اسٹیشن' ہاں جی ہاں سنئے' کیا انچارج صاحب بول رہے ہیں' دیکھئے
پروفیسر غازی کو آپ جانتے ہوں گے' الگن روڈ کی کوٹھی نمبر بیس' پروفیسر غازی کو کسی
نے قتل کر دیا ہے۔ آپ فوراً وہاں پہنچ جائیے' جی ہاں' وہاں پہنچ جائیں آپ' نہیں بیکار
باتیں نہ کریں۔ میں آپ کو اپنا نام بتاؤں گا اور نہ ہی اپنے بارے میں بتا کر میں پھنسنا
چاہتا ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا اور اس کے بعد مجھے اشارہ کر کے بولا۔

"آجاؤ۔" میں نے بہرحال اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا' ہم دونوں برق رفتاری
سے کوٹھی سے باہر نکل آئے' پھر اس نے اپنی کار اسٹارٹ کی اور وہاں سے باہر نکل
آیا۔ کافی فاصلے پر جا کر اس نے ایک درخت کے نیچے کار روکی اور اس کی روشنیاں بجھا
دیں۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"کیوں' کسی کا انتظار کر رہے ہو کیا؟"

"ہاں۔"

"کس کا؟"

"پولیس کا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ پولیس اندر آجائے تو پھر ہم بھی اندر پہنچیں' ابھی یہاں کے معاملات کو اس طرح چھوڑ تو نہیں سکتے۔"

"اوہ تم' گویا تم' سمجھ گیا اب میں بالکل سمجھ گیا۔" میں نے کہا۔

ایک ذہین پولیس آفیسر جو کارروائی کر رہا تھا اب مجھے اس کا پورا پورا اندازہ ہوتا جا رہا تھا' چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کئے رکھی تاکہ سرفراز کو کچھ سوچنے کا موقع مل جائے اور پولیس نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی' کیونکہ ظاہر ہے نام ایک بڑی شخصیت کا لیا گیا تھا۔ پولیس کی ایک موبائل اور ایک جیپ وہاں پہنچی تھی اور پھر کھلے ہوئے گیٹ سے وہ لوگ اندر داخل ہو گئے تھے۔

سرفراز تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے اب چلتے ہیں۔" پھر وہ کار اسٹارٹ کر کے اس کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے حیرت ہوئی' لیکن اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی بہرحال وہ ایک پولیس آفیسر تھا' سارے معاملات بہتر طور سے سمجھتا تھا۔

☆--------☆--------☆

پولیس آفیسر اندر پہنچ گیا تھا باہر بھی اس نے کچھ افراد کو ڈیوٹی پر لگا رکھا تھا اور وہ لوگ مستعد تھے چنانچہ سرفراز کی کار دیکھ کر وہ چونک کر اس جانب متوجہ ہوئے ان کے چہرے پر سخت تاثرات تھے پھر ان میں سے ایک ایس آئی نے سرفراز کو پہچان کر سلوٹ کیا اور بولا۔

"سر آپ؟"

"کیا بات ہے؟ یہ پروفیسر غازی کی رہائش گاہ ہے نا' مگر تم لوگ.........؟"

"سر انچارج صاحب اندر موجود ہیں۔" ایس آئی نے کہا اور سرفراز مجھے اشارہ کرکے اندر چل پڑا۔ ایس آئی ہمیں دیکھتا رہا تھا اندر پولیس اپنی کارروائی میں معروف تھی' انچارج نے سرفراز کو دیکھ کر سلوٹ کیا پھر بولا۔

"سر آپ کو کیسے اطلاع ہوئی؟"

"یہ سوال میں تم سے کرنا چاہتا تھا' کیا تم نے مجھے فون کرایا تھا۔"

"بالکل نہیں سر! کیا آپ کو کسی نے فون کیا تھا؟"

"ہاں۔"

"مجھے بھی کسی نے فون کر کے ہی پروفیسر غازی کی موت کی اطلاع دی تھی۔"

"اوہ......... ہو......... کیا پروفیسر غازی........."

"سر ذرا یہ لاش دیکھئے۔" اس کے بعد' سرفراز کو آسانی حاصل ہو گئی' غالباً اپنے پولیس کے فرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے انچارج کو فوراً طلب کر لیا تھا تاکہ تازہ تازہ اس واردات کی تفصیل سامنے آجائے' جبکہ اگر وہ چاہتا تو خود بھی پہلے تسلی بخش طریقے سے تلاشی لے لیتا' انچارج کو ہدایت جاری کرتے ہوئے وہ خود بھی اپنے طور پر ہر جگہ کی تلاشی لے رہا تھا اور اس وقت میں نے بھی اسے ایک دم سے چونکتے ہوئے دیکھا تھا جب اس نے پروفیسر غازی کے تکیے کے نیچے سے وہ کتاب برآمد ہوتے ہوئے دیکھی تھی جس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے پروفیسر غازی کو دی گئی تھی اور بیچارہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ بہرحال سرفراز نے برق رفتاری سے وہ پرچہ جس پر خود سرفراز کا نام لکھا ہوا تھا اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور اس کے بعد کوشش کرتا رہا کہ انسپکٹر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کر سکے' بے ہوش چوکیدار بھی ہوش میں آگیا تھا لیکن وہ کوئی بات نہیں بتا سکا تھا۔ سرفراز نے تھانہ انچارج کو کچھ ہدایات دیں لاش اٹھوانے کے لئے کہہ کر وہ وہاں سے واپس چل پڑا' راستے میں مکمل

خاموشی طاری رہی تھی سرفراز نے کہا۔

"آؤ' میرے ساتھ میرے گھر چلو' نہ جانے کیوں اس وقت میں خود کو ایک ذہنی دباؤ میں محسوس کر رہا ہوں۔" پولیس کے بہت بڑے افسر کے کمرے میں پہنچنے کے بعد سرفراز نے روشنیاں کیں' ملازم سے چائے کے لئے کہا اور وہ پرچہ نکال کر اسے پڑھنے لگا' پرچہ اس کے نام لکھا تھا۔

"مائی ڈیئر پولیس آفیسر بلاشبہ تم نے زندگی کی ایک عظیم تحقیق میرے حوالے کی ہے لیکن دوست اتفاق کی بات ہے کہ وہ چیز تم میرے حوالے کر کے گئے ہو جس کا کچھ عرصے قبل مجھ سے براہ راست تعلق رہ چکا ہے اور اس بارے میں پیش گوئی کر دی گئی تھی کہ یہی کتاب میری موت کی ذمہ دار ثابت ہوگی۔ بہرحال لگ رہا ہے کہ زندگی آخری لمحات کا سفر طے کر رہی ہے' میں تمہیں تفصیل تو خیر کیا ہی بتاؤں یوں سمجھ لو کہ میں بہت پہلے اس فرقے سے واقف ہو چکا ہوں جسے زربانیہ کہتے ہیں۔ فرقہ زربانیہ کے لوگ زربانی کہلاتے ہیں اور یہ ایک بہت ہی پُراسرار فرقہ ہے جس نے اپنے آپ کو کبھی منظرِ عام پر پیش نہیں کیا اور خفیہ ہی خفیہ اپنے کام سرانجام دیتے رہے ہیں' کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ فرقہ غیر انسانی تھا یعنی آتشی مخلوق اور اس فرقے کے ایک فرد کا نام طُور علی تھا۔ اب اگر تم مجھ سے یہ سوال کرو گے کہ اس فرقے کے مقاصد کیا تھے تو شاید یہ میں کیا دنیا کا کوئی بھی محقق اس حقیقت کو واضح نہیں کر سکے گا کہ زربانیوں کا اصل مقصد کیا تھا ہاں ان کی کارروائیاں بڑی خفیہ ہوتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں یہ فرقہ قائم ہوا اور دنیا کے کئی ملکوں میں اب بھی قائم چلا آتا ہے لیکن اس کے سب سے بڑے لیڈر کا نام طور علی ہی تھا اور اس کے بارے میں حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انسان ہے یا آتشی مخلوق' خاصے عرصے قبل میرا قیام مصر میں تھا اور وہاں مجھے زربانیوں کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہوئی تھیں'

دمشق' لیبیا' اور مصر میں یوں سمجھ لو کہ ایک تکون ہے جو اس فرقے کا خاص نشان ہوتا ہے یہ اسلام پسند ہے اور اسلامی روایات کی پابندی کرتے ہیں' کئی بار اس فرقے کے لوگوں نے ایسے افراد کا خاتمہ کیا جو اسلام کے خلاف سرگرم عمل تھے' ایسی شکل میں اس کا ایک احترام بھی موجود ہے ان اسلامی ممالک میں۔ بہرحال میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا اور یہ کتاب جہاں سے بھی تمہیں حاصل ہوئی ہے یوں سمجھ لو پہلے بھی ایک بار میرے سامنے آ چکی ہے اور اس کے بعد میرے پاس سے غائب ہو چکی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اس کتاب کے حصول کے لئے کئی بار کوشش کی تھی اور ایک بار اسے دوبارہ بھی حاصل کر لیا تھا لیکن طُور علی کے پیروکاروں نے یہ کتاب مجھ سے واپس لے لی' اسے دیکھ کر جو میری ذہنی کیفیت ہوئی تھی تم تصور نہیں کر سکتے۔ بہرحال مجھے ہدایت بھی کی گئی تھی کہ کتاب کو اپنے پاس سے ہٹا دوں' اور اس کے چکر میں نہ رہوں' یہ آخری ہدایت تھی لیکن میں نے ایک بار پھر اس کے بارے میں جاننے کے لئے جدوجہد کی اور شاید اب وہ لوگ مجھے معاف نہ کریں خیر زندگی کا اختتام اگر اسی شکل میں تھا تو یہی سہی۔ اب تم خود سمجھدار ہو جو فیصلہ مناسب ہو کرو' میں کیا کہوں.........

"پروفیسر غازی۔"

سرفراز نے یہ پرچہ پڑھنے کے بعد کئی منٹ تک آنکھیں بند کئے رکھیں پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور بولا۔

"پولیس کا کام ہر طرح کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے لیکن کبھی کبھی ہم ایسے کوئی فیصلے کرنے سے قاصر رہتے ہیں جو ہمیں کر لینے چاہئیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس بارے میں کیا کہوں؟ کیا سوچوں؟ فیصلہ تو بڑا ہی مشکل کام ہے' خیر ساری باتیں اپنی جگہ' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھانے کے لئے میرے پاس ابھی

تک کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔" میں خاموشی کے سوا اور کیا کر سکتا تھا ظاہر ہے ایک بڑا
پولیس آفیسر جو کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا' میں کیا اور میری بساط کیا' میں اس بارے
میں کیا کر سکتا تھا بہرحال خاصی دیر کے بعد سرفراز نے کہا۔

"تم ابھی اپنے آپ کو پُرسکون رکھو مائی ڈیئر شعور' باقی جو حالات ہیں' ان سے
نمٹتے رہو۔ اس مسئلے کو میرے لئے ہی رہنے دو۔"

"ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ میں کیا کروں۔"

"بس یوں کرو کہ اب تم آرام سے جا کر سو جاؤ اور کوئی ایسا خیال دل میں نہ لاؤ
جو تمہیں پریشان کرے اور تمہاری نیند کو ڈسٹرب کرے۔"

میں سرفراز کے گھر سے چل پڑا' لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا جیسے کوئی
میرا پیچھا کر رہا ہے' میں نے کئی بار پیچھے دیکھا لیکن بس یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اور
مسلسل میرے پیچھے چلا آ رہا ہے' یہاں تک کہ جب میں ہمایوں کے فلیٹ کی سیڑھیاں
چڑھ رہا تھا تو مجھے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی' پھر جب میں نے
دروازہ کھولا اور دروازے کی جھریوں سے پلٹ کر دیکھا تو سامنے کی تاریکی میں دو
دہکتی ہوئی آنکھیں میری طرف گھور رہی تھیں' سرخ گہری اور بڑی بڑی آنکھیں' میں
نے بے تحاشہ دروازہ بند کیا اور اپنے کمرے میں داخل ہو گیا' فہیم اپنے کمرے میں
سو رہا تھا۔ یہ تعاقب میرے لئے ناقابلِ یقین تھا پروفیسر غازی کی کئی فٹ دور پڑی ہوئی
گردن اور اس کے بے سر کے وجود سے بہتا ہوا خون کا دریا' آہ میرے خدا' میری
سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں' اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے جب میں
مسہری پر لیٹا تو میرا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور میں تکیہ چہرے پر رکھ کر اسے دبا کر اپنے
آپ کو پُرسکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ساری باتیں حیران کن تھیں' میں یہ
سوچ رہا تھا کہ کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی' بابا عبدالحق ایک ایسی مشکل ڈال گئے

تھے ہم لوگوں پر کہ باقی تو تمام مشکلوں سے نکلا جا سکتا تھا لیکن اس مشکل سے بچنا بڑا
عجیب سا لگ رہا تھا' دوسرے دن میں نے ہمایوں کو ساری تفصیلات بتائیں اور ہمایوں
خود بھی حیران رہ گیا اس نے کہا۔ "کہ یہ تو بڑی خوفناک صورتِ حال ہے آخر تمہارا
تعاقب کس نے کیا؟ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صرف تمہارا خیال ہو اور تمہارے
ذہن پر سوار دہشت نے تمہیں ان آنکھوں کا بھی احساس دلا دیا ہو اور تعاقب کرنے
والے اس وجود کا بھی جسے تم نے مکمل طور پر نہیں دیکھا' پھر میں اور ہمایوں سرفراز
سے ملے اور سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر نے اس کتاب میں کچھ نوٹس بھی لکھے ہیں میں رات بھر اس کتاب کا
جائزہ لیتا رہا ہوں' زربانی ایک طرف دین کے شیدائی ہیں تو دوسری طرف ان کے
معاملات کچھ اور بھی ہیں۔ وہ پُراسرار ہستی کا کردار ادا کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگوں کی
تحقیق سے ان کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ درحقیقت وہ آتشی مخلوق نہیں ہے لیکن ان
کے علوم اور ان کی حرکات بڑی انوکھی ہیں۔ مثلاً زربانی تیر کی طرح سیدھی بلندیوں پر
چڑھ جاتے ہیں' تنگ سے تنگ راستوں پر جو خطرناک گہرائیوں پر بنے ہوتے ہوں
گزرنے سے نہیں ڈرتے' حیرت انگیز بلندیوں سے بھی گزر کر زندہ رہتے ہیں اور
انہیں جس آدمی کو ہلاک کرنا ہو اسے اس طریقے پر نشانہ بناتے ہیں کہ وہ تو کیا آس
پاس کے لوگ بھی ان کو نہیں دیکھ پاتے۔" میں نے سرفراز کو ساری صورتِ حال بتائی
تو اس کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے پھر اس نے کہا۔

"میں تمہیں ایک ریوالور دیتا ہوں اسے رکھ لو' میرے لائسنس پر اسے استعمال
کرو میں تمہیں حفاظتِ خود اختیاری کے تحت ایک اعلیٰ آفیسر کی حیثیت سے یہ اسلحہ
دے سکتا ہوں' بہرحال وہ خود بھی پریشان نظر آتا تھا مجھ پر ایک ناقابلِ فہم دہشت سوار
ہو گئی تھی' ہمایوں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مصروف رہتا تھا لیکن میرے دل پر

طاری دہشت کسی طرح دور نہیں ہو پارہی تھی۔ کبھی ان شعلہ ریز آنکھوں کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا جو میں نہیں جانتا کہ حقیقتاً یا تصور میں سیڑھیوں کے نیچے چھپی ہوئی اندھیرے میں دکھائی دی تھیں، کبھی پروفیسر غازی کا ہولناک انجام یاد آجاتا تھا جس کی عبرت انگیز لاش میں نے بے سر کے دیکھی تھی، ملک اعجاز، کاظمی صاحب اور پھوپھی جان.......... یہ سوچ کر بدن کا ایک ایک رواں کھڑا ہو جاتا تھا کہ نامعلوم اس سلسلے میں میرا اپنا کیا حال ہونا ہے، ہر وقت یہی دہشت مجھ پر سوار رہتی تھی، ہمایوں کو اس سلسلے میں زیادہ پریشان کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اس چھت سے بھی محروم ہو جاؤں، کوئی زیادہ سے زیادہ محبت کرنے والا شخص بس اتنا ہی کر سکتا ہے جتنا ہمایوں کر رہا تھا اگر اس سے زیادہ اسے کرنا پڑے تو اصولی طور پر بالکل غلط ہے۔ اس وقت بھی اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا انہی دہشت ناک سوچوں میں گم تھا، میرا ریوالور میرے پاس رکھا ہوا تھا کہ اچانک ایک بہت ہلکی دبی ہوئی آواز بند دروازے کے باہر سنائی دی، میرے سامنے کوئی چیز نہیں تھی۔ میں نے اس آواز پر کان لگا دیئے اور نہ جانے کیوں میرے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز ابھری۔

"ہیبت ناک فرقے کے بارے میں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ.........." دفعتاً باہر کوئی چیز گرنے کی آواز سنائی دی اور میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آگیا، خداوند عالم کون ہے؟ کیا ہے یہ سب کچھ؟ اور میں نے دروازے کے پاس سرسراہٹیں محسوس کرتے ہوئے دیکھا کہ بڑی آہستگی سے اور بالکل بے آواز ایک لمبی سی چیز دروازے کے پہلو میں بنے ہوئے دراز کی راہ سے اندر چلی آرہی تھی، دہشت وخوف سے بے حس و حرکت، میں چپ چاپ سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایک عجیب طرح کی حالت ہوتی جارہی تھی میرے دل و دماغ کی اس وقت۔ میں کھلی آنکھوں سے اس چیز کو دروازے کی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور میرا

سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں، غسل خانے کی کھڑکی کا خیال آیا جو کھلی ہوئی تھی اور گندے پانی کی نالی باہر دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اگر کوئی آدمی چاہتا تو ادھر سے آسکتا تھا، میرے کانوں میں پھر ایک سرگوشی گونجی۔ "ظور علی ایک صحرائی قوم کے لڑکوں کو بچپن ہی سے اس طرح کے کاموں کے لئے تیار کرنا شروع کر دیتا تھا اور جب وہ جوان ہو جاتے تھے تو انہیں آٹھ گھنٹے روزانہ لکڑی کے ایک فریم میں اس طرح بند کرتا تھا کہ ان کا قد و قامت بڑھنا بند ہو جاتا تھا اور وہ انتہائی چھوٹے قد و قامت کے رہ جاتے تھے۔ پھر وہ انہیں پُراسرار علوم سے آراستہ کرتا تھا اور یہ چھوٹے قد والے ظور علی کے لئے ایسے ایسے انوکھے کام سرانجام دیا کرتے تھے جن کا کوئی تصور بھی نہ کر سکے۔" بڑی خوفناک صورتِ حال تھی۔ دفعتاً وہ لمبی سی شے جو میرے قریب آرہی تھی سامنے کی جانب سے پرواز کرتی ہوئی دیوار میں جا کر لگی یہ ایک تیر نما چیز تھی میں نے ایک ہیبت ناک چیخ کے ساتھ اپنا پستول اٹھایا اور دروازے کی جانب دوڑا غالباً یہ خوف و دہشت کی انتہا تھی اور یہ انتہا اکثر دل سے خوف نکال دیا کرتی ہے۔ میں پستول ہاتھ میں لئے دروازہ کھول کر باہر دیکھنے لگا اور میں نے کسی کے دھندلے نقوش دیکھے، دوسرے لمحے میں نے اس پر فائر کر دیا، ایک.......... دو.......... تین.......... چار.......... وہ ایک ناقابلِ یقین سی چیز تھی، مجھے وہ الفاظ یاد آگئے جو ابھی ابھی میرے کانوں میں گونجے تھے۔ "ظور علی ایک فرقے کے لوگوں کو بچپن ہی سے تیار کرتا ہے اور صحرائی قوم چھوٹے قد کی مالک.........." سامنے جو بھاگ رہا تھا وہ چھوٹے قد کا بونا تھا، اتنا چھوٹا کہ اس سے پہلے کبھی دنیا کی عام آبادی حتیٰ کہ عجائبات کی کسی نمائش میں بھی اتنے چھوٹے قد کا کوئی انسان نہیں دیکھا گیا ہوگا۔ وہ بونا تیزی سے دوڑ رہا تھا اور اس کی سکڑی ہوئی بدنی ساخت بڑی معمولی سی تھی۔ اس کا بدنما اور بدصورت جسم اور ہیبت ناک چہرہ جس قدر بھیانک تھا اس بھیانک تصور کو شاید آخری سانس تک

نہ بھول سکوں' خوفناک چوڑا دہانہ' لمبے حیوانی دانت' روشن آنکھیں اس کا بدن انہ
سبک اور اتنا پھرتیلا تھا کہ وہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا اور پھر بلی جیسی پھرتی سے
وہ باورچی خانے کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا' باورچی خانے کی کھڑکی پر چڑھ
اور دوسرے لمحے نیچے کود گیا۔ میرے خدا اس کا قد جتنا بھی تھا اس کا جسم جیسا بھی تھا'
اس بلندی سے نیچے کودنے کا مطلب کیا ہو سکتا ہے؟ میں برق رفتاری سے باہر کی جانب
دوڑا اور نیچے پہنچ گیا' باورچی خانے کے دوسری طرف ایک وسیع و عریض میدان پھیلا
ہوا تھا چاند کی روشنی میں دائیں اور بائیں ہر طرف دور دور تک ہر چیز نظر آتی تھی
لیکن یہاں کچھ نہیں تھا کچھ بھی نہیں تھا میں بمشکل تمام واپس آیا دل میں یہ خیال تھا کہ
فہیم پر غشی کی کیفیت طاری ہوگی اس بیچارے کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ میں نے گولی کس
پر چلائی ہے' کون شکار ہوا ہے؟ قصہ کیا ہے؟ میں کس مشکل میں گرفتار تھا؟ کیا بتاؤں
اسے کیسی تفصیل بتاؤں؟ لیکن مزید حیرتیں میرے ساتھ تھیں۔ اوپر پہنچا تو مکمل
خاموشی طاری تھی' فہیم کے کمرے سے اس کے خراٹوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔
ایک بار پھر مجھ پر حیرت کا دورہ پڑا' میں نے تعجب سے سوچا کہ فہیم زندہ ہے یا مر چکا ہے
مگر یہ خراٹے اس کی زندگی کا پتہ دے رہے تھے آہ پھر فائروں کی آواز سے وہ کیوں
نہیں جاگا' کیا اس پر کوئی نشے کی کیفیت طاری ہے' یا پھر..........یا پھر.......... میرے
خدا ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اس کے کمرے میں جھانکوں' کہیں کوئی کٹی ہوئی گردن'
بے سر کا جسم مجھے نظر نہ آئے' وحشت کے عالم میں اپنے کمرے میں پہنچا' پھر کچھ خیال
آیا کہ باہر نکل کر گولیوں کے وہ نشانات تلاش کئے جائیں جو کمرے کے مختلف حصوں پر
پڑنے چاہئیں تھے' لیکن یہ دیکھ کر مزید حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی نشان نہیں تھا' حیران
ہو کر ریوالور چیک کیا تو پتہ چلا کہ ریوالور میں ساری گولیاں موجود ہیں' میرے
خدا.......... میرے خدا.......... میرے دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔ آہ۔ کیا

کروں میں کیا کروں؟

☆--------☆--------☆

ان واقعات کو تقریباً اکیس دن گزر چکے تھے' اس دوران اور کوئی ایسا واقعہ
پیش نہیں آیا تھا' جس کا تعلق ان معاملات سے ہو۔ یا جس کے بارے میں یہ سوچا جائے
کہ وہ پُراسرار سلسلہ جس کا آغاز ہوا تھا اب بھی جاری ہے' سرفراز سے دو تین بار
ملاقاتیں ہوئی تھیں اور سرفراز نے بتایا تھا کہ بہرحال بڑے آدمی کے قتل کی تحقیقات
ہو رہی ہے' ایڈووکیٹ کاظمی صاحب' ملک اعجاز' اور پروفیسر غازی.......... اسے میں
اپنی خوش قسمتی ہی کہہ سکتا تھا کہ ان تینوں معاملات میں سرفراز اور ہمایوں کی وجہ سے
میری ٹانگ نہیں گھسیٹی گئی تھی ورنہ متعلق تو میں بھی تھا جبکہ تایا احتشام علی کو باقاعدہ
ان معاملات میں شاملِ تفتیش رکھا گیا تھا' حالانکہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کسر
نہیں چھوڑی تھی اور باقاعدہ میرا نام لیا تھا لیکن یہ سرفراز کی کاوشیں تھیں کہ اس نے
ایف آئی آر سے باقاعدہ میرا نام نکلوا دیا تھا اور اس سلسلے میں ملوث ہی نہیں کیا تھا'
ہمایوں کو کسی کام سے جانا پڑ گیا' میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے فلیٹ کو تالا لگا دے' اس
کی موجودگی کی بات اور تھی' تو ہمایوں سخت ناراض ہو گیا' کہنے لگا۔

"اب تک مجھے بس اتنا ہی سمجھ سکے ہو' مٹی اور پتھر کی یہ تخلیق' دوستی سے زیادہ
قیمتی سمجھتے ہو تم۔ تمہاری مرضی ہے' اگر میری اس محبت کا احسان سمجھ کر قبول نہیں
کرنا چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا' جیسا مناسب سمجھو۔"

بہت ہی بگڑ گیا تھا وہ۔ مجھے الٹی اس سے معذرتیں کرنا پڑیں' اور فلیٹ کو میں نے
اپنے باپ کی جاگیر قرار دیا تب کہیں جا کر اس کا موڈ درست ہو سکا تھا' کیونکہ سرفراز
نے ان معاملات سے مجھے علیحدہ ہی رکھا تھا اس لئے پچھلے دنوں سے سرفراز سے بھی
ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ آخری ملاقات میں اس نے کہا تھا۔

"دیکھو شعور' معاملات بڑے سنسنی خیز ہیں' حالانکہ ہمارے پاس کچھ ایسے عجیب و غریب شواہد موجود ہیں' جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ طبقہ زربانیہ کے پُراسرار پیروکاران اموات میں ملوث ہیں لیکن درحقیقت جدید دنیا بہت سی پُراسرار باتوں کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے ہم اس تکون کو اتنی اہمیت نہیں دے سکتے کہ اسے سرکاری کاغذات میں لے آئیں' میں یہ نہیں کہتا کہ تم ان معاملات میں بالکل ملوث نہیں ہو لیکن نہ تو تمہیں طُور علی کا وہ ہیروں والا صندوقچہ چاہئے' نہ ہی زربانیہ کے بارے میں تم اپنی تحقیق کو شدید حیثیت دینے میں دلچسپی رکھتے ہو' بولو۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں۔ بالکل ٹھیک ہے۔"

"بہرحال۔ صورتِ حال تم سے الگ نہیں رہے گی' ہم انتظار کریں گے اور دیکھیں گے کہ اس سلسلے میں ہم کیا کرسکتے ہیں۔" چنانچہ میں ہمایوں کے فلیٹ میں زندگی گزارنے لگا۔ سوچنے کے لئے تو بہت سی باتیں تھیں' خاندان والے مجھ سے کٹ گئے تھے' خاص طور سے پھوپھی کی موت کے بعد تو میرا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں رہ گیا تھا' ویسے بھی وہ الجھن میں گرفتار ہوئے تھے اور اس کی وجہ مجھے ہی سمجھتے تھے' حالانکہ انہوں نے خود یہ ساری کارروائی کی تھی۔ بہرحال اکیسواں دن گزر گیا' بائیسواں دن تھا' اور میں فلیٹ میں بیٹھا ہوا اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا' کہ دروازے کی بیل بجی اور بہت دن کے بعد یہ بیل بجی تھی' ویسے یہاں دو ہی افراد آسکتے تھے' ہمایوں یا سرفراز۔ ان کے علاوہ ابھی تک کوئی ایسا شناسا نہیں آیا تھا جس کی اس وقت توقع کی جاسکتی۔ بہرحال میں نے جاکر دروازہ کھولا تو ایک بے حد معمر شخص کو اپنے سامنے کھڑے ہوئے پایا' اس کا رنگ دودھ کی طرح سفید' قد لمبا' داڑھی سینے تک بکھری ہوئی اور وہ بھی بالکل سفید' نقوش نہایت خوبصورت' خاص چیز اس کے سر پر بندھی ہوئی پگڑی تھی۔ بہرحال شخصیت بہت ہی نفیس تھی' رسمی آداب کے بعد اس

نے انتہائی شاندار انگریزی میں گفتگو کا آغاز کیا اور کہنے لگا۔

"میں شعور ظفریاب علی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمایئے۔"

"کچھ اہم گفتگو کرنی ہے آپ سے' اگر مناسب سمجھیں تو مجھے کچھ وقت دے دیجئے۔"

"تشریف لایئے۔" میں اس کی شخصیت سے متاثر ہوکر اسے اندر لے گیا۔

ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"جی فرمایئے۔"

"گفتگو اگر براہ راست ہی ہو تو زیادہ بہتر رہتی ہے' میں آپ سے اگر یہ پوچھوں کہ آپ پروفیسر غازی سے کس حد تک واقف ہیں تو اس سے میری ناقص معلومات کا اظہار ہوگا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ عارضی طور پر پروفیسر غازی سے ملے تھے اور آپ نے وہ پُراسرار کتاب ان کے حوالے کی تھی جس کے بارے میں آپ جاننا چاہتے تھے۔ بہرحال میں آپ کے پاس ایک خاص کام سے آیا ہوں' ساری بات میں نہیں کرنا چاہتا' بس صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ کتاب آپ کو حاصل ہوجائے یا اس سلسلے میں کچھ الجھنیں آپ کے ذہن میں ہوں تو مجھ سے بہتر مددگار آپ کو اور کوئی نہیں ملے گا۔"

"بڑی دلچسپ بات ہے' جب آپ اس حد تک معلومات حاصل کرچکے ہیں تو آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ کتاب میرے علم میں نہیں ہے اور وہ کہاں ہے۔ یہ بھی میں نہیں جانتا۔"

میرے ان الفاظ پر بوڑھے کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں اس کی گردن اٹھی ہوئی' کمر سیدھی اور آنکھیں عقاب کی آنکھوں کی طرح تیز تھیں۔ وہ میری آنکھوں

میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اور وہ تحریر کہاں ہے جو پروفیسر غازی نے آپ لوگوں کے لئے لکھی تھی؟"

"آپ کو اس کے بارے میں کیسے معلوم؟"

"دیکھئے' میں آپ سے ایک عرض کروں۔ پروفیسر غازی ان معاملات میں بہت آگے بڑھ چکا تھا اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ عبرانی زبان کی وہ کتاب پروفیسر غازی کی نگاہوں میں پہلی بار آئی تھی تو یہ آپ کی کم علمی ہے' آپ بہت سی حقیقتوں سے ناواقف ہیں۔ اگر آپ کو صرف اتنا سا علم ہے کہ طُورعلی نے وہ جوڑا اور ہیرں کا وہ صندوقچہ زیب النساء بیگم کو صرف بطور انعام دیا تھا تو یہ بھی ایک کہانی ہے حقیقت کچھ اور ہی ہے' اور بہت سی حقیقتیں ماضی کی تاریخ میں گم ہو جاتی ہیں' اگر آپ بوڑھے ملازم عبدالحق کے بارے میں بات کرتے ہیں تو صرف اتنا سا سمجھ لیجئے کہ اس کی شخصیت معمولی شخصیت نہیں تھی بلکہ اس نے اپنے آپ کو اس طرح سے پوشیدہ کر لیا تھا' اور اب میں آخری بات آپ سے یہ کہتے ہوئے اٹھتا ہوں کہ حقیقتاً پروفیسر غازی کے پاس اس عبرانی کتاب کا ترجمہ ایک مسودے کی شکل میں موجود تھا اور ہمیں در حقیقت وہ مسودہ ہی درکار ہے۔ اس کے بارے میں سنا گیا ہے کہ پروفیسر غازی نے اپنے ایک ایسے آہنی صندوق میں بند کر کے رکھا ہے جو شاید کھولے سے نہ کھولا جا سکے۔ خیر مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ ہمیں وہ مسودہ درکار ہے کیونکہ اس میں زربانیوں کی کچھ ایسی داستانیں پوشیدہ ہیں جنہیں پوشیدہ ہی رہنا چاہئے۔ کاش آپ مجھ سے تعاون کریں اور اپنی زندگی کو محفوظ رکھیں۔" بوڑھا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور میں اسے دیکھتا رہ گیا' وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے جسم کو کسی نے زنجیروں میں قید کر دیا ہو' ایک لمحے کے لئے میرا جسم بے جان ہو گیا تھا۔ میں اس بوڑھے کا تعاقب بھی نہیں کر سکا تھا' البتہ جب میرے ہوش و حواس درست ہوئے تو

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"زربانی یا شاید طُور علی۔"

☆--------☆--------☆

وقت نے ایک ایسی دلچسپ داستان شروع کر دی تھی جس کا کوئی سر پاؤں نہیں تھا' میں اگر چاہتا تو کوشش کر کے واپس لندن جا سکتا تھا' لیکن یوں لگتا تھا جیسے کچھ پُراسرار قوتوں نے میرے پاؤں پکڑے ہوئے تھے' اور وہ مجھے باقاعدگی کے ساتھ ان ہنگامہ آرائیوں میں ملوث کئے ہوئے تھیں۔ دوسرے دن کی بات ہے کہ دروازے کی بیل بجی تو میں دروازے پر جا پہنچا' سرفراز کو دیکھ کر دل کو کچھ قرار آیا تھا۔ سرفراز نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"اور یوں لگتا ہے جیسے تم نے بھی طُورعلی کو پہچان لیا ہو۔" مجھ پر حیرتوں کے جس قدر بھی پہاڑ ٹوٹتے کم تھے' میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے سرفراز کی صورت دیکھتا رہا تو سرفراز نے کہا۔

"بات یہ نہیں ہے کہ میں ہر وقت اس کھیل میں مصروف رہتا ہوں' لیکن ظاہر ہے کیس میرے پاس ہے۔ کل رات کے بارے میں مجھے ایک رپورٹ ملی ہے اور میری تحقیق نے مجھے پورے وثوق کے ساتھ تم سے یہ الفاظ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ میں خود بھی کام کر رہا ہوں۔ باقی لوگ تو خیر جو کچھ بھی تھے' لیکن تم جانتے ہو کہ پروفیسر غازی ایک بڑی شخصیت تھی۔ اس کے مکان کے پاس باہر اور اندر باقاعدہ پولیس کی ڈیوٹی تھی۔ وہاں سے ہمیں رپورٹ ملی کہ تقریباً ایک گھنٹے تک کوئی پروفیسر غازی کی خواب گاہ میں کوئی چیز تلاش کرتا رہا خاص طور سے اس نے پروفیسر غازی کی ایک ایسی تجوری دریافت کی جو ایک دیوار کے اندر فٹ ہے اور کچھ ایسے بٹن وہاں موجود ہیں جن سے وہ تجوری نمودار ہوتی ہے' تجوری نمودار ہو گئی' لیکن اسے کھولا

نہیں جاسکا' جبکہ اندر باقاعدہ پولیس والے موجود تھے۔"

"اوہو! انہوں نے اس شخص کو یا ان افراد کو پکڑنے کی کوشش نہیں کی جو اس تجوری کو کھول رہے تھے۔"

"نہیں' وہ بے ہوش ہوگئے تھے۔"

"ارے.......... کیسے؟"

"ان کے سروں پر ضربیں لگائی گئیں تھیں۔"

"اس بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہوسکتی ہیں ان سے۔"

"دونوں کا کہنا ہے کہ جس جگہ وہ موجود تھے وہاں انہوں نے دروازے اندر سے بند کر رکھے تھے اور وہاں کوئی اندر نہیں آسکتا تھا' لیکن کوئی آیا اور ان کے سروں میں شدید ضربیں لگائی گئیں اور وہ بے ہوش ہوگئے۔"

"اور تجوری کا معاملہ کیا ہے؟"

"بھئی ظاہر ہے کہ تجوری نمودار ہوئی اور سامنے آگئی' لیکن اسے کھولنے کی ابھی تک کوئی کوشش نہیں کی گئی اور اس پر پہرہ بڑھا دیا گیا ہے' ویسے ایک اور بھی دلچسپ بات ہے' اس بوڑھے شخص کو پروفیسر غازی کے مکان کے پاس دیکھا گیا ہے جو تم سے آکر ملا تھا۔"

"مگر یہ بات آپ کو کیسے معلوم مسٹر سرفراز کہ وہ شخص مجھ سے ملا تھا۔"

"بہرحال تم میرے دوست ہو' اور میرے لئے قیمتی بھی' میں تمہاری نگرانی کراتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے' اس سلسلے میں میں نے کچھ سخت ہدایات بھی جاری کی ہیں۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو خود نقصان اٹھا جائے' بہرحال تم میرے دوست ہو۔"

"گویا اس بوڑھے کو میرے پاس آتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا۔"

"ہاں' لیکن تم فکر مت کرو' ایک بات میں جانتا ہوں وہ یہ کہ تم بے گناہ آدمی ہو اور بس حالات نے تمہیں اس جال میں گرفتار کرلیا ہے' لیکن اطمینان رکھو' میں بھی صرف تمہاری ہی وجہ سے اتنی جدوجہد کررہا ہوں اور ان حالات کا کوئی نہ کوئی حل دریافت کرلیا جائے گا۔" میں نے ممنون نگاہوں سے سرفراز کو دیکھا تو وہ بولا۔

"اب میں چلتا ہوں سمجھ لو ہر ضرورت پر تم سے ملاقات کروں گا' اپنے آپ کو بالکل تنہا مت سمجھنا' میں ہزار آنکھوں سے تمہاری نگرانی کررہا ہوں۔"

اس نے مجھ سے اجازت لی اور وہاں سے واپس چلاگیا۔ درحقیقت میں اس کا ممنون تھا' ورنہ کون کسی کے لئے ذاتی طور پر اتنا سب کچھ کرتا ہے' حقیقت تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہمایوں کی وجہ سے ہوا تھا اور ہمایوں میرے لئے فرشتہ ثابت ہوا تھا' میں نے دل میں سوچا تھا کہ اگر میں ان حالات سے چھٹکارا پاکر بھاگنے کی کوشش بھی کروں گا تو یہ حالات مجھے اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ کیونکہ معاملہ کچھ پُراسرار قوتوں کے درمیان تھا۔ جو کچھ سرفراز نے اس تجوری کے بارے میں بتایا تھا وہ بھی ایک انتہائی پُراسرار عمل تھا۔ تعجب کی بات تھی' لیکن اصولی طور پر تعجب نہیں ہونا چاہئے تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ مناظر دیکھے تھے جو خود میرے ساتھ پیش آئے تھے۔ وہ پُراسرار بونا اور میرے اوپر ہونے والا حملہ' سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے' لیکن ایک بات بڑی دلچسپ ہے وہ یہ کہ خود میں اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث ہوگیا تھا اور میرے لئے ایک مشغلہ بھی پیدا ہوگیا تھا' اب معاملہ یہ ہے کہ زربانیہ فرقے کے افراد جو مذہب پرست ہیں اور جن میں سرفہرست نام طور علی کا ہے کسی ایسی چیز کے حصول کی کوششوں میں سرگرداں ہیں جو ناقابلِ فہم ہے' یہ بابا عبدالحق کی کہانی تھی کہ صندوقچے میں ہیرے ہیں' بابا عبدالحق کہاں غائب ہوگئے یہ بھی کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔ اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دادی صاحبہ کے نام سے جو داستان منسوب کی

گئی وہ بھی سچ نہیں تھی لیکن پھر جوڑے کے حصول کے بعد پھوپھی جان کا قتل' ویسے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ مقدس شے جو کم از کم وہ کتاب نہیں تھی ان لوگوں کے لئے یعنی زربانیوں کے لئے قابلِ توجہ ہے اور وہ کسی کی بھی تحویل میں نہیں جانے دینا چاہتے۔ اس کے لئے یہ ساری کارروائی ہو رہی ہے' پھر مجھے وہ حسین عورت یاد آئی' یہ بھی یاد آیا کہ پروفیسر غازی کی رہائش گاہ پر پولیس کے اعلیٰ آفیسران نے پہرا سخت کردیا ہے کیونکہ یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ کچھ پُراسرار لوگ دوبارہ شاید تجوری کی چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر ایسا ہے تو ممکن ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالا جاسکے' لیکن کیا ان پر ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے؟ یہ بات بھی قابلِ غور تھی' شام کے چار بج گئے مگر اس وقت تک کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تھی مجھے یقین تھا کہ سرفراز مجھے صورتِ حال سے آگاہ رکھے گا' میں نے اور مصروفیتوں کے ذریعے اس بھیانک یاد کو دل سے دور کرنے کی کوشش کی لیکن خیالات پھر اس کی طرف جاتے تھے' وہ لڑکی بھی کئی بار نگاہوں میں آئی جو پروفیسر غازی کے قتل سے پہلے ایک پُراسرار درخواست کا لفافہ میرے مکان پر چھوڑنے آئی تھی اور جس نے مجھ سے خاموشی اور رازداری کی درخواست کی تھی' بارہا میں یہ سوچ کر حیران ہوجاتا تھا اور مجھے اپنی حماقت پر افسوس بھی ہوتا تھا کہ میں نے اس کی خوشنما آنکھوں کے اثر سے اس طرح کا ناجائز معاہدہ کیوں کرلیا' بہرحال یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کون تھی؟ اندازہ تو یہی ہوتا تھا کہ وہ بھی ظور علی کی جماعت میں شامل تھی۔ اس وقت اس کا لہجہ مجھے عجیب معلوم ہوا تھا لیکن اب غور کرنے پر یاد آرہا تھا کہ وہ مشرقیت کی جھلک رکھتا ہے اور اس کے لہجے میں ایرانی زبان کی چاشنی گھلی ہوئی تھی۔ بہرحال پھر میں پُراضطراب انداز میں فلیٹ سے باہر نکل آیا اور یونہی آوارہ گردی کرنے کے انداز میں فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا کہ اچانک مجھے زنانہ آواز سنائی دی۔

"سنو! میں ابھی آتی ہوں۔" نہ جانے کیوں اس آواز میں کچھ شناسائی سی محسوس ہوئی میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک عورت ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل کی طرف جارہی تھی جو سامنے نظر آرہا تھا' گرمی کے دن تھے' روپہلی رنگت کی اس خاتون نے بہت باریک سفید کپڑے کا لباس پہنا ہوا تھا' چند قدم آگے جاکر وہ ٹھہری اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگی' اب میں اس کی صورت اور دلفریب خدوخال کا جائزہ لینے لگا' اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا مگر میں نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس وقت میرے اندازے کی تصدیق ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کے نقوش میں ایرانی جاذبیت گھلی ہوئی تھی اس کی دلکش اور نظر فریب آنکھیں جنہیں دیکھ کر انسان کا ذہن کھوجائے اور جن کی یاد ہر وقت سینے میں موجود رہے' وہ ہوٹل میں داخل ہوئی تو میں بھی برق رفتاری سے اس کی جانب بڑھ گیا اور پھر اس کے قریب پہنچ کر میں نے اسے مخاطب کیا۔

"سنئے!" اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا' میرا خیال تھا کہ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوگی' کچھ ایسا اظہار کرے گی جیسے اپنے آپ کو چھپانا چاہتی ہو' لیکن اس کی آنکھوں میں حیرت انگیز سکون تھا اس کی نہ بھولنے والی آنکھیں سر سے پاؤں تک اور اس کے بعد پھر ایک بار پاؤں سے سر تک میرے بدن کے ہر حصے کا جائزہ لیتے ہوئے آخر کار مجھ پر مرکوز ہوگئیں اور اس کے بعد اس کے لہجے کی حقارت ابھری۔

"جی فرمایئے؟"

"کک کیا آپ......... آپ مجھے نہیں پہچانی۔"

"بالکل نہیں' کون ہیں آپ؟"

میں نے مسکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے غور سے دیکھا اور پھر پریشانی سے میں نے بولنے کی کوشش کی۔ شدتِ اضطراب سے مجھے اپنا چہرہ سرخ ہوتا ہوا محسوس ہوا' کچھ لوگ ہماری جانب متوجہ ہوگئے تھے' میں بوکھلا کر رہ گیا اس نے جس طرح مجھ

سے اجنبیت کا اظہار کیا تھا اس کے بعد زبردستی اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کی شکل میں نقصان دہ ہو سکتی تھی۔"

"جی فرمایا نہیں آپ نے' میرا خیال ہے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑی۔ سورج کی ایک کرن اس کے خوشنما بالوں کی بکھری ہوئی لٹ کو بوسہ دے کر وہ دلفریب رنگت اس میں پیدا کر رہی تھی جو زرد گلاب میں پائی جاتی ہے۔ اس حیرت انگیز چمک نے جو قدرت کی اپنی پیدا کی ہوئی تھی اور کوئی چیز اس کو زائل نہیں کر سکتی تھی اس کی بنفشی آنکھوں نے مل کر رہے سہے شکوک جو میرے دل میں باقی تھے رفع کر دیئے' بھلا اس کا کیا سوال ہے کہ میری آنکھوں کو اتنی بڑی غلط فہمی ہوئی ہو' یہ سو فیصدی وہی تھی جس کی آمد بد نصیب پروفیسر غازی کی موت کا پیش خیمہ بنی تھی' ہو سکتا ہے کسی مصلحت کے تحت یہ مجھے پہچاننے سے انکار کر رہی ہے جب وہ کئی قدم آگے بڑھی تو میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک بار پھر اس کے قریب پہنچ گیا' وہ رک گئی لیکن اس کے چہرے پر ناگواری کی کوئی شکن پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"دیکھئے.......... جو کچھ میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ آپ کو سننا ضرور چاہئے۔ اور اگر آپ نے انکار کیا تو میں اس پولیس افسر کو طلب کر لوں گا جو ہوٹل کے باہر موجود ہے اور جو کچھ میں اس افسر کو بتاؤں گا وہ نہ آپ کے لئے بہتر ہو گا نہ میرے لئے.......... کیا سمجھیں آپ۔"

"آخر تم چاہتے کیا ہو..........؟" اس بار اس کے لہجے میں کچھ نرمی تھی۔

"یہی بہتر ہے کہ آپ اس معاملے کو طول نہ دیں۔" ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پیدا ہو گئی' اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"سنئے.......... اس وقت آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیجئے اگر آپ بالکل ہی پاگل نہیں ہیں تو جایئے اس طرح کسی سے تعارف حاصل

کرنے کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔"

"مگر سنئے.......... آپ یقین کیجئے میں آپ سے.........."

"ہاں.......... میں نہیں چاہتی کہ آپ کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی الجھنوں کا سامنے کرنا پڑے۔" میری ذہنی کیفیت کا صحیح اندازہ لگانا بڑا مشکل کام ہے۔ بھلا میں اسے کیسے بھول سکتا تھا وہی صورت وہی قد و قامت سب سے بڑھ کر اس کی خوش نما پُراسرار آنکھوں کی رنگت بھی وہی تھی لیکن اس کے اس دن کے اور آج کے برتاؤ میں کتنا فرق تھا۔ بہرحال.......... میں اس کے ساتھ اندر داخل ہوا یہ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ ہوٹل میں کس مقصد کے لئے آئی ہے۔ لفٹ میں سوار ہو کر میں ہوٹل کی اوپری منزل تک پہنچ گیا لیکن اس دوران مجھے سوچنے کا موقع مل گیا تھا اور میں اپنے اندر اعتماد پیدا کر رہا تھا۔ سرفراز کو میں نے مختصر طور پر اس عورت کے بارے میں بتایا تھا اور سرفراز کو اگر اس بات کا علم ہو جائے کہ میں نے دوبارہ اسے پالیا ہے تو پھر اس عورت کو تھوڑا سا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیکن بہرحال.......... ابھی میں جن حالات سے گزر رہا تھا انہوں نے ہی میرا سر چکرا کر رکھا ہوا تھا' سب کی بے اعتنائی بھول گیا تھا اپنی ہی مشکل میں گرفتار تھا۔ اور اب وہ ایک کمرے کے سامنے رکی غالباً یہ کمرہ اس کے پاس ہی تھا اس نے جیب سے چابی نکال کر کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اندر آنے کا اشارہ کر کے اندر داخل ہو گئی۔ اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ براہ کرم تشریف رکھئے۔"

"بے حد شکریہ.........." میں نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ سے تھوڑے فاصلے پر ایک صوفے کے ہتھے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جناب.......... اب فرمایئے کیوں پریشان کر رہے ہیں آپ مجھے؟"

"میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں خاتون.......... آیا آپ واقعی مجھ سے واقف نہیں ہیں کیا آپ بھول گئیں کہ پہلے کسی موقع پر آپ مجھ سے ملیں تھیں۔"

"دیکھئے.......... یہ ساری باتیں پرانی ہوگئی ہیں۔ کسی سے تعارف حاصل کرنے کے لئے اب یہ طریقۂ کار گھٹیا لگتا ہے۔ اگر آپ واقعی مجھ سے کچھ چاہتے ہیں تو بتائیے۔"

"محترمہ.......... آپ یقین کیجئے نہ میں آپ سے کوئی فراڈ کررہا ہوں نہ ہی آپ کو کسی طور پریشان کرنا چاہتا ہوں۔ جن چالوں کا آپ تذکرہ کررہی ہیں ان کا پس منظر جو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ آپ ایک سمجھدار خاتون ہیں۔ میں اس منظر سے بات نہیں کررہا۔"

"تو پھر آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں.......... نہ میں آپ کو جانتی ہوں اور نہ آپ مجھ سے واقفیت رکھتے ہیں۔ محض اس لئے کہ میں آپ کی نگاہوں میں خوبصورت ہوں۔ آپ رسمی پابندیوں کی الجھن پیدا کررہے ہیں۔ یقین کیجئے کہ یہ طریقہ آپ کی نگاہوں میں کتنا ہی آسان کیوں نہ ہو۔ میں اسے معاف کیجئے' گھٹیا ہی تصور کرتی ہوں اور اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کو اتنا بتادوں کہ دنیا کے تقریباً ستائیس شہر دیکھے ہیں میں نے.......... ستائیس ملکوں کے ستائیس شہر اور میں اس قدر ناواقف نہیں ہوں اس دنیا سے۔ پھر بھی اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ کی نیت صاف ہے تو صرف مجھے یہ بتائیے کہ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

میں نے گہری سانس لی۔ واقعی بڑی دلیر عورت تھی کس طرح وہ ایک ماہر فن اداکارہ کی طرح اپنے آپ کو بچارہی تھی اور ہر ایک بات میرے حساب میں ڈالنے کی کوشش کررہی تھی۔ پہلے اجنبیت پھر غصہ اور اب ان دو حربوں میں ناکام ہوکر نرمی اور عیاری۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اپنی حسین صورت کے ساتھ ساتھ

ایک شیطانی ذہن کی مالک بھی تھی۔ عام حالات میں شاید میں اس سے لطف حاصل کرتا لیکن اس وقت جب طور علی کا معاملہ میری گردن تک پہنچ گیا تھا اور لاتعداد خطرے زہریلی فضا کی مانند چاروں طرف سے مجھ پر مسلط تھے میری سب سے بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح طور علی کے اس راز کو فاش کردوں اور یہ معلوم کروں کہ اس حسینہ کا تعلق کس قدر طور علی سے ہے اور اگر یہ تعلق ظاہر ہوجائے تو میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کروں لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جب یہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کررہی ہے تو میں اپنی اس کوشش میں کامیابی کیسے حاصل کروں گا۔ بہت دیر تک میں اس کے خوش نما چہرے کو دیکھتا رہا۔ مگر ان حیرت انگیز آنکھوں کے راز ناقابلِ حل تھے اور اس کے نم آلود سرخ ہونٹوں کا حسن دل کو بے چین کررہا تھا۔ آخر کار میں نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے.......... میں اپنے کئے ہوئے وعدے کو نہیں توڑ سکتا۔ جو اس پہلی ملاقات پر آپ نے مجھ سے جبراً لیا تھا۔ تاہم آپ کو علم ہوگا کہ یکے بعد دیگرے کئی قتل ہوچکے ہیں۔ اگر آپ نے میرا اطمینان کرانے کی کوشش نہ کی تو پھر میرے خیال میں یہ بات میرے ہونٹوں تک آجائے گی کہ آپ نے طور علی کا ایک پیغام مجھے دیا تھا۔ اور جو کچھ بھی ہے میں آپ کے اس حسن و جمال کو بھول کر آپ کے خلاف بیان دینے پر تیار جاؤں گا۔"

"خوب.......... گویا آپ مجھے کسی ایسے جال میں پھنسانا چاہتے ہیں جو آپ کے خیال میں جرائم پیشہ افراد کا بنایا ہوا جال ہے۔"

"آپ خود سمجھ لیجئے.......... آپ کا تعلق ایک ایسے گروپ سے ہے جو قتل و غارت گری کررہا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ اس محبت آمیز برتاؤ کا.......... آپ نے مجھے قاتل بنا کر پیش

کردیا ہے۔ بہر حال آپ ضرور ایسا کیجئے میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ہاں اگر آپ میری اصل شخصیت کو جاننا ہی چاہتے ہیں تو ایک منٹ رکئے۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ میں تو یہی سمجھا تھا کہ وہ اس کمرے کی کسی الماری سے کوئی چیز نکال کر لانے کی کوشش کرے گی۔ پتا نہیں وہ کمرے کے باہر جانے والے دروازے سے باہر نکل گئی اور میں ایک لمحے کے لئے سنسنا کر رہ گیا۔ کیا وہ فرار ہوگئی ہے یا پھر.......... یا پھر.......... حماقت کی بات کرنا میرے حق میں کس قدر مضر ہوسکتا تھا اس کا مجھے اندازہ تھا۔ میں نے پھرتی سے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی لیکن دروازے کی دوسری طرف کوریڈور بالکل خالی تھا۔ میں برق رفتاری سے لفٹ.......... کی جانب دوڑا۔ وہ اسی وقت نیچے اتری تھی اور ایک گندمی رنگ کا آدمی لفٹ کے انتظار میں اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے بے اختیار کہا۔

"معاف کیجئے گا.......... آپ نے کسی عورت کو نیچے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"اگر آپ لفٹ کو عورت کہتے ہیں تو ہاں.......... وہ نیچے گئی ہے۔" اس شخص نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔

"کمال ہے.......... آپ واقعی ایک پُرمزاح آدمی ہیں لیکن جناب وہ خوبصورت عورت.........."

"میرا تعلق ہوٹل انتظامیہ سے ہے جناب.......... کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سے کمرے سے نکلی تھی۔"

"آہ.......... وہ سامنے وہ جس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔" میں نے اشارہ کیا اور وہ شخص پلٹ کر ادھر دیکھنے لگا' پھر اس نے چہرے پر حیرت کے نقوش پیدا کرکے اپنی جیبوں کو ٹٹولا اور جلدی سے بولا۔

"وہ کمرہ بند ہے.......... کسی کی تحویل میں نہیں ہے۔ اس کی ڈپلیکیٹ چابی

میری جیب میں ہے اور اصل کاؤنٹر پر.......... آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کوئی عورت اس کمرے میں نہیں رہتی۔ کمرہ بالکل خالی ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ وہ کھلا ہوا ہے۔" وہ پریشانی کے انداز میں کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اس دوران لفٹ اوپر آگئی تھی۔ میں نے فوراً ہی یہ عمل کیا کہ لفٹ میں بیٹھ کر نیچے چلا گیا' لیکن اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ چکر دے کر نکل گئی ہے۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ ایک بار پھر مجھے دھوکا دے کر اپنا راز ساتھ لے کر غائب ہوگئی تھی۔

☆--------☆--------☆

کبھی کبھی انسان غیر متوقع حالات میں پھنس کر اپنی اصل شخصیت کھو بیٹھتا ہے۔ لندن میں ایسے بہت سے واقعات میری زندگی میں پیش آئے تھے جنہیں خطرناک ترین کہا جاسکتا ہے۔ میں نے ان واقعات میں مردانہ وار حصہ لیا تھا۔ کئی بار لندن سے باہر کئی ملکوں کی سیر بھی کی تھی۔ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب میری اپنی بھی کوئی شخصیت اور حیثیت تھی۔ اب یہاں اپنے وطن آنے کے بعد میں بالکل ہی بے حیثیت ہو کر رہ گیا تھا اور میرا اپنا کوئی مقام ہی نہیں رہا تھا۔ سرفراز ایک اچھا دوست اور اچھا ساتھی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ذہین شخص۔ ہمایوں تو اپنے کام سے کچھ ایسا نکل گیا تھا کہ اس کی کوئی خبر تک نہیں ملی تھی' باقی میرے لئے رہ گئے یہ واقعات......... حقیقت یہ ہے کہ نہ مجھے طور علی کے اس صندوقچے سے دلچسپی تھی جس میں ہیرے بھرے ہوئے تھے نہ اور کچھ چاہتا تھا میں......... لیکن زبردستی ان معاملات میں ملوث ہو گیا تھا۔ میرے اپنے اہلِ خاندان تو مکمل طور پر مجھ سے کٹ گئے تھے۔ میں یہ سوچتا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے......... ان واقعات میں جس طرح ملوث ہو گیا ہوں ان سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کروں تو کامیاب ہو سکتا ہوں۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اور ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس لڑکی سے دوبارہ ملاقات کے سلسلے میں سرفراز سے ذکر کروں یا نہیں۔ اس مسئلے کو میں نے ابھی پس منظر میں ہی رکھ چھوڑا تھا کہ سرفراز مجھ تک پہنچ گیا۔ اس نے کہا۔

"سنو......... کیا تم ایک دلچسپ رات گزارنا چاہتے ہو۔ یہ تمہاری اپنی مرضی کی بات ہے سوچ لو۔"

"کیا مطلب.........؟"

"جہاں تک میری عقل کا تعلق ہے اور جہاں تک میں حالات کے بارے میں سوچ سکا ہوں۔ مجھے ایک بات کا یقین ہے کہ کوئی پُراسرار شخصیت وہ جو کوئی بھی ہے ابھی......... پروفیسر غازی کے مکان تک آنے کی دوبارہ کوشش ضرور کرے گی۔ اگر ہم کسی ایسی شخصیت پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو سمجھ لو اس راز کی چابی ہمارے ہاتھ آجائے گی۔"

"تو......... کیا ارادہ ہے.........؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم لوگ آج رات وہاں پہرہ دیں گے اور صورتِ حال کا جائزہ لیں گے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں اس میں کامیابی حاصل ہو جائے گی سرفراز!؟"

"دیکھو......... پولیس کی لغت میں کوشش کرتے رہو اور کامیابی حاصل کرتے رہو کا ایک جملہ لکھا ہوتا ہے۔ ہمیں یہ کوشش کرنی ہی ہوگی چاہے اس کا نتیجہ کچھ نکلے' نہ نکلے اور میری یہ خواہش ہے کہ تم میرا ساتھ دو۔" سرفراز بہت اچھا دوست بھی تھا اور یہ حقیقت ہے کہ میرے خاندان والوں نے مجھے جس جال میں گرفتار کرانے کی کوشش کی تھی یہ سرفراز اور ہمایوں ہی تھے جنہوں نے مجھے اس جال میں گرفتار نہیں ہونے دیا تھا۔ بہرحال......... یہ سارا معاملہ دلچسپی سے چل رہا تھا۔ جاتے وقت سرفراز نے خاص طور سے مجھے اپنا ریوالور ساتھ لینے کو کہا تھا۔ ویسے ایک اچھا ہتھیار اگر ساتھ ہو تو انسان ایک بہترین ساتھی کو اپنے ساتھ محسوس کرتا ہے اور اس سے بڑی تقویت رہتی ہے۔ چنانچہ ہم خاموشی کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ رات حبس آلود اور گرم تھی۔ اس کے بعد وہی سنسان ماحول اور اندھیرا......... پروفیسر غازی کا

مکان سامنے نظر آرہا تھا اور ہم لوگ پہرہ دے رہے تھے۔ وہ تجوری والا کمرہ جہاں غازی کی موت واقع ہوئی تھی اور جہاں اس تجوری کو کھولنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس میں یقینی طور پر کچھ پُراسرار چیزیں محفوظ ہوں گی۔ طویل خاموشی کے سلسلے کو توڑتے ہوئے سرفراز نے کہا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آج وہ پُراسرار قوتیں اس تجوری کو کھولنے کی کوشش کریں گی۔ یا ممکن ہے وہ اس تجوری ہی کو دیوار سے نکال کر لے جائیں۔"

"آخر تجوری میں ایسی کیا چیز ہے.........؟"

"جہاں تک ہمارے اندازے ہیں اور جو معلومات ہمیں ابھی تک حاصل ہو چکی ہیں کچھ ایسے پُراسرار کاغذات جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ضرور کوئی ایسی چیز جو ان پُراسرار لوگوں کے لئے اہمیت رکھتی ہے۔"

"کیا یہ بات حیرت ناک نہیں ہے سرفراز کہ پہلے طور علی کو جن کے طور پر متعارف کرایا گیا اور بابا عبدالحق نے ایک انوکھی کہانی سنائی۔ اس کہانی کی حقیقت بھی سامنے لے آئے۔ بڑے بڑے سمجھدار لوگ اس میں ملوث ہوئے۔ کیا کہتے ہو اس بارے میں.........؟"

"صرف اتنا کہ بابا عبدالحق جو غائب ہو گئے ہیں وہ یقیناً اس راز کی بہت اہم کنجی تھے۔" میں نے گہری سانس لی اور خاموشی سے تاریکی میں نگاہیں پھاڑ کر دیکھتا رہا۔ کافی فاصلے پر کسی مکان کی گھڑی نے رات کا ایک بجایا اور میں کمر سیدھی کرنے کے لئے پیچھے کی جانب جھک گیا۔ پھر بہت دیر اس طرح گزری تو سرفراز نے کہا۔

"ایک بج چکا ہے کام کرنے والے اتنی ہی دیر میں اپنے کام کر لیا کرتے ہیں۔ آؤ......... میرا خیال ہے اب ہماری جگہ مکان کے باہر نہیں بلکہ اندر ہے۔" سرفراز کے اشارے میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور اس جگہ پہنچ گیا جو مغربی کھڑکی کے پاس تھی

اور جہاں سے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ میرے خیال میں پروفیسر غازی کے مکان کا نقشہ اس سے پہلے کافی تفصیل سے میرے سامنے آچکا تھا۔ تاہم وہ ایک طرح کا غیر آباد مکان تھا۔ جس کے اطراف میں وسیع زمین پھیلی ہوئی تھی اور اس کی درستگی اور صفائی کا انتظام برسوں سے نظرانداز ہو چکا تھا۔ مطالعے کے کمرے کی کھڑکیاں مغرب اور جنوب کی طرف واقع تھیں اور مغرب ہی کی سمت ان کھڑکیوں کے باہر ایک لمبی غلام گردش تھی۔ جنوبی کھڑکیوں کے دروازے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کی طرف کھلتے تھے۔ ساری عمارت ہیبت ناک ویرانی، تنہائی اور سنسانی کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد جب ہوا کے جھونکے بند ہو جاتے تھے تو اتنی گہری خاموشی پیدا ہوتی جس کی صحیح کیفیت الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ صرف ایک مثال اس گہرے سکوت و سنسان ماحول کی مجھے یاد ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے ایک قافلے کے ساتھ صحرا کا سفر کیا تھا اور رات بسر کرنے کو ہم لوگ ایک تنہا مقام پر ٹھہرے تھے۔ بالکل ایسا ہی سناٹا اس مکان کے گردو نواح میں تھا جو لندن کے مضافات میں واقع تھا۔ صدر مقام انگلستان کی رونق اور چہل پہل کا اس جگہ شائبہ بھی موجود نہیں تھا۔ ان حالات میں جیسا قدرتی تھا خیالات کی رو صرف ایک طرف ہی جا سکتی تھی یعنی وہ حملہ جو پروفیسر غازی پر کیا گیا تھا وہ کون سا ذریعہ تھا جس سے دشمن نے پہلے اس کو زخمی، پھر بے ہوش اور پھر قتل کر دیا تھا۔ اور کیا آج ہم دونوں کا اس جگہ بیٹھنا اس خطرناک اور پراسرار قوت کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے مترادف نہیں تھا۔ اچانک ہی میں نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں سرفراز کو پکارا تو جلدی سے سرفراز میری طرف دیکھ کر بولا۔

"کیوں خیریت کیا بات ہے.........؟"

"سرفراز......... ایک بات بتاؤ........."

"ہاں۔"

"کیا حملہ آور اسی کھڑکی سے ہو کر اندر نہیں آیا ہو گا۔"

"کیوں.......... یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو..........؟"

"میرا مطلب ہے کچھ نہ کچھ تو ہوا ہو گا۔"

"ہاں.......... ہوا تو ہو گا.......... لیکن بہرحال ہمیں اندازہ تو لگانا ہو گا کہ پروفیسر غازی پر حملہ کرنے کے لئے جو کوئی بھی اندر داخل ہوا ہو گا وہ کون سے راستے سے اندر آیا تھا..........؟"

"کیا مطلب ہے؟"

"میرا مطلب ہے جس جگہ ہم بیٹھے ہوئے ہیں کیا وہ جگہ خطرناک نہیں ہے..........؟"

"ہو سکتا ہے کہ ہو.........."

"تو پھر؟"

"ہم اس خطرے ہی کا تو جائزہ لیں گے۔"

"خیر.......... اب یہ دیکھنا ہے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔" ہم دونوں خاموش ہو گئے اچانک ہی سرفراز نے کہا۔

"اور سنو.......... میں اپنے ساتھ کچھ اور انتظامات بھی کر کے لایا ہوں۔ اگر تمہارے ذہن میں یہ خیال ہے تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتظام کر ہی لیا جائے۔" اور واقعی اس نے جو انتظام کیا وہ میرے ذہن میں نہیں تھا۔ یہ خاص قسم کے پھندے تھے جو اس نے جگہ جگہ مقامات پر چھپا دیئے۔ تاکہ آنے والا بے خبری میں کسی ایک کے اندر پھنس جائے۔ اس کے علاوہ اس سپاہی کو جو اس دروازے پر پہرہ دے رہا تھا دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جس حالت میں حملے کی صرف ایک ہی صورت پائی جاتی تھی۔ یعنی سامنے کی طرف سے کوئی بہت ہی پُراسرار طاقت اگر

حملہ کرنا چاہے تو کرے۔ رفتہ رفتہ میرے خیالات ایک اور سوال کی طرف جانا شروع ہو گئے وہ خوش نما آنکھوں والی عورت جو مجھے دوبارہ ملی تھی۔ کیا واقعی طُور علی سے کوئی تعلق رکھتی تھی اور اس پُراسرار گروہ سے اس کا تعلق تھا جو عجیب وغریب روایت رکھتا تھا۔ واقعی اس بارے میں تو ابھی تک کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ آخر زربانیوں کا ماضی کیا تھا۔ پھر میرے ذہن میں کچھ اور خیالات بھی آئے۔ ویسے میں نے ابھی تک سرفراز سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ خیال جو میرے دل میں پیدا ہوا وہ کچھ ایسی ہی نوعیت کا حامل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا تعلق زربانیوں سے نہ ہو اور کسی خاص وجہ سے وہ اس سازش میں ملوث ہو گئی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق انتظامیہ سے ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے.......... وہ اس سلسلے میں کوئی اہم نوعیت ضرور رکھتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے پھر سرفراز کو پکارا اور سرفراز جو خود بھی اس خاموشی سے تنگ آ چکا تھا بولا۔

یار.......... باتیں کرو۔ تم تو اس طرح خاموش بیٹھے ہو جیسے اپنے چاروں طرف دشمنوں کا ہاتھ محسوس کر رہے ہو۔"

"نہیں.......... میں ایک بات اور بھی جاننا چاہتا ہوں سرفراز۔"

"کیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ طُور علی کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس بند تجوری میں کاغذات نکالنے کی کوشش کرتا ہو۔"

"امکان نہیں ہے اس بات کا.......... لیکن اگر ایسا بھی ہو تو وہ آدمی جو اس پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا ضرور نقصان اٹھائے گا لیکن تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا..........؟"

"بس یونہی۔" میں نے ٹالنے کے لئے جواب دیا۔ کیونکہ اس پُراسرار آنکھوں

والی پُراسرار حسینہ کا راز ظاہر کرنا اب بھی مجھے منظور نہیں تھا۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ وہ گھڑی جو کہیں بھی لگی ہو ممکن ہے اس عمارت میں ہو لیکن اس کی گھنٹی بہت تیز تھی۔ اس نے ڈیڑھ بجے کا.......... گھنٹہ پھر بجایا اور سرفراز نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"میں ذرا اس سپاہی کی خبر لے لوں جو باہر پہرہ دے رہا ہے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا' سرفراز نے مجھ سے کہا۔

"کیا تم بھی میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے..........؟"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔"

"اگر تم خوفزدہ نہیں ہو تو یہیں رکو۔"

"ٹھیک ہے.......... میں یہاں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اب اتنا بھی ممکن اور مناسب نہیں تھا کہ میں اپنے آپ کو ایک انتہائی بزدل انسان ظاہر کرنے کی کوشش کروں اور اپنے آپ کو مذاق کا نشانہ بناؤں۔ سرفراز گیٹ کی جانب چلا گیا۔ جس وقت اس کے پاؤں کی آواز درختوں کے سائے میں مدہم ہوتی ہوتی گم ہو گئی تو خوف کا احساس ایک بھر پھر میرے دل کو ہونا شروع ہو گیا' اس نامعلوم خوف کا احساس جو تاریکی میں پوشیدہ تھا۔ عجیب سی دہشت میرے سارے وجود پر طاری ہو گئی۔ کتنے آدمی جوشِ عقیدت سے بھرے ہوئے پُراسرار عہدِ ماضی سے تعلق رکھنے والے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر مرنے مارنے کے لئے تیار اس مکان کے اطراف میں چھپے ہوئے ہوں' اور یہ سب ان مقدس کاغذات کو حاصل کرنا چاہتے ہوں جن کو پروفیسر غازی نے بے خبری میں اپنے پاس پوشیدہ کر رکھا تھا۔ ان کاغذات میں کیا ہے۔ یا وہ کون سی شے ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتے ہوں۔ میری نگاہ کمرے کے اس کونے کے جانب اٹھ گئی۔ جہاں وہ لوہے کی تجوری رکھی ہوئی تھی اور اس تجوری میں وہ راز بند

تھا۔ جس کے لئے اتنے آدمی زخمی ہوئے تھے اور اتنوں کا خون بہا تھا۔ وہ چاہے مقدس ہیرے ہوں یا ایسا لباس جو طُور علی نے زیب النساء کو بہن بنا کر دیا تھا۔ جبکہ مجھے یہ صرف ایک کہانی معلوم ہوتی تھی۔ یعنی جیسا کہ میں نے اپنے گھر میں سنا کہ وہ لباس چوری کر لیا گیا تھا لیکن وہ لباس کبھی کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ اچانک ہی میں چونک پڑا۔ ایک بڑی مدہم سی آواز محتاط قدموں کے ساتھ آتی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔ یقینی طور پر کوئی ایسی شخصیت تھی جو چھپ کر ادھر آ رہی تھی اور اب اس کا رخ اس کمرے کی جانب تھا۔ میں نے پوری طرح اس پر کان لگائے اور مجھے اس بات کا پکا یقین ہو گیا کہ وہ آواز بہرحال سرفراز کے پیروں کی نہیں ہے۔ دل کہتا تھا کہ یہ اسی پُراسرار ہستی کی رفتار ہے جو پچھلی ہی رات پروفیسر غازی کے قتل کا محرک بنا ہے اور اس رات میرے پورے بدن میں خوف کی جھرجھری سی دوڑ گئی اور میں نے بھرا ہوا ریوالور جیب سے نکالا اور کمرے کے اندھیرے میں سے گزر کر ان کھڑکیوں میں سے ایک کی طرف چلا گیا جو برآمدے کی جانب کھلتی تھیں۔ اس جگہ سے پھاٹک کی روشنی دور دور تک نظر آ رہی تھی۔ درختوں کے سائے میں بے شک اندھیرا تھا مگر چاند کی مدہم روشنی ان کے پتوں سے گزر کر ہلکا ہلکا اجالا پیدا کر رہی تھی اور اس مدہم چاندنی میں میں نے ایک آدمی کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کی پوری قوت سے اس پر غور کیا.......... کیا یہ سرفراز ہے..........؟ قد و قامت تو ویسا ہی تھا۔ رفتار بھی اس جیسی تھی لیکن میرے اندیشے قائم رہے اور رفتہ رفتہ مجھے وہ چہرہ نظر آ گیا اور اس کے ساتھ ہی سرفراز کی آواز سنائی دی..........

"مسٹر شعور.........." مجھے اپنی بزدلی پر ہنسی آ گئی۔ میرا دل اب بھی زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔ سرفراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میری چھٹی حس نے مجھے بتا دیا تھا کہ کوئی میری طاق میں ضرور ہے اور وہ

تم تھے کیوں.......... میں نے غلط تو نہیں کہا۔" سرفراز کی آواز میں شوخی تھی۔ میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی.......... میں کچھ خوفزدہ ہو گیا تھا۔"

"اور تمہارا یہ خوف بے سبب نہیں.......... اگر میرا اندازہ ٹھیک ہے تو یوں سمجھ لو کہ اب وہ چند لمحوں میں ہمارے سامنے آنے والے ہیں۔ میں نے سپاہی سے بات کی تھی وہ پھاٹک پر موجود ہے۔ اس کا بیان ہے کہ تھوڑی سی دور.......... اس نے جھاڑیوں میں ایک آواز سنی تھی۔"

"ممکن ہے کہ ہوا کی سرسراہٹ ہو۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ممکن ہے.......... حالانکہ اس کا کہنا ہے کہ ہوا اس وقت تھمی ہوئی تھی۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے..........؟" میں آہستہ سے بولا۔ سرفراز میرے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"سرفراز.......... خطرہ قریب آنے پر ہم نے جو تجویز پہرہ دینے کی سوچی.......... خطرناک نہیں ثابت ہوگی؟"

"خطرہ..........؟" سرفراز نے کہا۔

"ہاں.......... کیوں..........؟"

"خطرہ تو ویسے ہر کام میں ہوتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے دریافت کا ذریعہ اور رہے بھی کیا تھا۔"

"ہاں.......... بظاہر تو اور کوئی نہیں تھا لیکن کچھ نہ کچھ بہتر ہی ہوگا۔ ان آہنی پھندوں کی موجودگی سے.......... جو ہم نے چھپا رکھے ہیں یقیناً ان کو پکڑنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔" اس کے بعد پھر خاموشی چھاگئی۔ چاندنی کی ایک کرن برآمدے سے ہو کر ہماری طرف آنے لگی۔ اس کی روشنی میں سرفراز کی اندھیرے میں چھپی

ہوئی صورت سیاہ تصویر جیسی نظر آتی تھی۔ ہوا کا رخ اب بدلا ہوا تھا۔ چنانچہ اب وہ داہنی طرف کی کھڑکی سے آرہی تھی اس کے باہر ناہموار جھاڑیوں کی دور تک قطار تھی۔ چاندنی رفتہ رفتہ سرفراز کی پیٹھ تک پہنچی۔ گھڑی نے ایک بار پھر دو کا گھنٹہ بجایا' سرفراز کچھ دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد مجھ سے کچھ کہے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو پُراسرار انداز میں آگے بڑھ گیا۔ میں حیرانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا لیکن پھر میں نے سوچا کہ سرفراز یقینی طور پر پھاٹک پر سپاہی کو خبر دینے گیا ہے۔ اس نے آدھے آدھے گھنٹے کے بعد پھاٹک کے پہرے کو چیک کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اس کی عدم موجودگی میں پھر وہی خوف و دہشت کا احساس مجھے ہونا شروع ہو گیا تھا۔ سرفراز واپس آکر بولا۔

"ادھر سب ٹھیک ہے.......... بالکل ٹھیک ہے اس طرف اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔" لیکن خاص بات میں نے سرفراز کے لہجے میں محسوس کی تھی۔ وہ شاید بیزار ہو گیا تھا یا پھر کوئی ایسا احساس اس کے دل پر تھا جس نے اس کے لہجے میں یہ تبدیلی پیدا کردی تھی۔ ہمارے کان اس گہرے سکوت پر لگے ہوئے تھے جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ اس وقفۂ انتظار میں میرے خیالات کی رو پھر اس سوال کی طرف گئی کہ دشمن کی طرف سے حملے کے لئے دو بجے کے بعد کا وقت پسند کرلینے میں کیا مصلحت تھی.......... کیا اس میں بھی کوئی راز ہے..........؟ اور اگر نہیں تو ایک مقررہ وقت کا انتظار کس کے لئے ہے۔ میری نگاہیں سرفراز کی جانب اٹھ گئیں۔ چاند کی روشنی میں کرسی پر اس کی صورت واضح نظر آرہی تھی۔ میری پشت اور بائیں ہاتھ کی دیوار پر بھی روشنی تھی لیکن میں بذات خود اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ جس کی مجھ کو تلاش تھی وہ وجہ ظاہر ہونا شروع ہو گئی۔ برآمدے اور غالباً اس سے پرے درختوں کی روش سے سرفراز کی صورت اچھی طرح دیکھی جاسکتی ہوگی لیکن

جس جگہ میں بیٹھا تھا کیا وہ بھی فاصلے سے نظر آتی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ سمت جنوب کی کھڑکیوں سے میری صورت بھی دیوار کی چاندنی کے مقابلے میں ضرور نمایاں ہوگی۔ ابھی ان خیالات ہی میں گم تھا کہ ایک بہت ہی مدہم سی آواز کرے سے باہر کسی نامعلوم مقام سے آئی۔ اس وقت سرفراز کے حلق سے بھی آواز نکلی۔

"اوہ......... میرے خدا......... شعور۔"

"ہاں۔"

"کیا تم نے یہ آواز سنی.........؟"

"ہاں......... مگر اس کا کیا مطلب ہے.........؟"

"اوہو......... جہاں تک میرا اندازہ ہے ہمارا سپاہی........." سرفراز نے اتنے ہی الفاظ کہے کہ میں نے بھی جلدی سے اپنا ریوالور نکالا اور اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ شدتِ اضطراب سے ریوالور میرے ہاتھ سے نیچے زمین پر گر پڑا۔ میں اسے اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی میرے کان کے پاس سے نکل گئی اور ایک بھاری آواز کے ساتھ پچھلی دیوار سے جا لگی۔ میرے حلق سے ایک دہشت بھری سرسراہٹ نکلی۔

"سرفراز۔" لیکن جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سرفراز بے بسی کے عالم میں نیچے گر رہا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے سرفراز کسی مشکل کا شکار ہوگیا ہے۔ ایک لمحے کے لئے میرا پورا بدن اس طرح بے جان ہوگیا جیسے کسی نے میری جان نکال دی ہو۔ سرد پسینے کے قطرے میری پیشانی پر نمودار ہوگئے لیکن میں جس طرح جھکا تھا اس طرح جھکا جھکا ایک طرف اندھیرے میں ہٹ گیا۔ بائیں طرف پودوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور ایک نیم برہنہ صورت بندر جیسی پھرتی سے برآمدے میں داخل ہوتی ہوئی نظر آئی۔ وہ انتہائی پستہ قد لیکن مضبوط انسان کی صورت تھی جس کے

ہاتھ میں چھوٹا لیکن ایک مضبوط ڈنڈا تھا۔ دہشت کی وجہ سے میں نے سانس تک بند کر رکھا تھا لیکن چاندنی میں میں نے اتنا ضرور دیکھا تھا کہ ڈنڈے کے سرے پر ایک چرمی ڈوری بندھی ہوئی ہے۔ میرا وجود خوف و دہشت سے اس قدر بے جان ہوگیا تھا کہ میں اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کر سکا کہ سامنے نظر آنے والا کوئی انسان ہے یا واقعی جنات میں سے کوئی......... میں دیوار سے ٹکا کھڑا ہوا تھا اور شاید میرے دل کی دھڑکنیں بھی احتیاطاً خاموش ہوگئی تھیں۔ پُراسرار وجود اندر آیا اور سرفراز کے بے جس و حرکت جسم پر جھک گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسی کا گرم سانس میرے رخساروں کو چھوتا ہوا محسوس ہوا۔ میری طاقتِ ضبط جواب دے گئی۔ میں نے ایک دبی ہوئی چیخ کے ساتھ اسے دیکھا اور میری نگاہ ان دہکتی ہوئی نگاہوں کے شعلوں سے دوچار ہوگئی۔ یہ ایک اور آدمی تھا جو ان کھڑکیوں میں سے ایک کی راہ سے آکر' جو جھاڑیوں کی طرف کھلتی تھیں' میرے اوپر جھک گیا تھا۔ میں بہادری کا دعویٰ نہیں کرتا اور خطرے میں بحالی اوسان کا ثبوت پیش کرنا بھی میرا مقصد نہیں ہے۔ میں بالکل صاف اعتراف کر رہا ہوں کہ تقریباً بے خبری میں میرا وہ ہاتھ جس میں ریوالور تھا اٹھا اور بغیر سوچے سمجھے نتیجے کی پروا کئے بغیر میں نے عین اس کے منہ پر فائر کر دیا۔ اس کا برہنہ جسم مجھے اپنے اوپر گرتا ہوا محسوس ہوا اور کوئی گرم چیز مجھے اپنے ہاتھ پر بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس سے یہ معلوم کر کے کہ دشمن میری طرح گوشت اور خون کا بنا ہوا ہے میں نے اس کے جسم کو دھکا دے کر گرا دیا اور اندھا دھند اس فرار ہوتی ہوئی صورت پر فائر کرنے لگا جو سرفراز کو چھوڑ کر برآمدے کی سمت سے درختوں کی جانب دوڑی چلی جارہی تھی۔ گولی چلنے کی آواز رات کی خاموشی کو ختم کرتی ہوئی چاروں طرف پھیل گئی اور اس کے بعد مکمل طور پر سناٹا چھا گیا۔ میرا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اور میں اپنے آپ کو حواس میں قائم رکھنے کے لئے بڑی جدوجہد کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا

تھا جیسے پورے بدن پر کوئی گہرا بوجھ مسلط ہو گیا ہو۔ میرے دل میں صرف ایک ہی احساس تھا وہ یہ کہ سرفراز اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ میں اس کے مُردہ وجود کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ باقی تمام چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ بمشکل تمام اپنے بے جان وجود کو گھسیٹ کر میں سرفراز تک پہنچا۔ ابھی میں نے سرفراز کے جسم کو ٹٹولنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ اچانک میرے سر کی پشت پر ایک زوردار ضرب پڑی اور میرے حلق سے ایک آہ نکل گئی۔ میں پلٹ کر ضرب لگانے والے کو دیکھ بھی نہ سکا اور پھر آخری احساس یہ تھا کہ میں سرفراز کے مُردہ جسم پر پڑا ہوا ہوں۔ بس......... اس احساس کے بعد اور کوئی احساس نہیں رہا تھا۔ ہاں جب حسیں واپس آئیں تو میں نے خود کو ایک نرم اور آرام دہ بستر پر دراز پایا۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور......... قرب وجوار کا ماحول خاصا بہتر محسوس ہو رہا تھا یہ ایک کمرہ تھا جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ ہسپتال کا کمرہ ہے۔ بس......... ہسپتال جیسا کمرہ تھا۔ دروازہ کھول کر جو شخص کمرے میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ سرفراز کو اس حالت میں دیکھ سکوں گا۔ سرفراز مجھے ہوش میں دیکھ کر مسکراتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ پھر میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"خوابوں کی شکل ایسی بھی ہوتی ہے مسٹر سرفراز......... میں آپ کو جس انداز میں دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ خواب نہیں ایک حقیقت ہے۔ ہم دونوں ٹھیک ہیں۔"

"کیا.........؟" میں نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں......... تمہارا خیال ہو گا کہ میں مر چکا ہوں۔"

"میرا خود اپنے بارے میں یہی خیال ہے۔" میں نے کہا اور سرفراز نے زور سے

قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔

"مگر اپنے دشمنوں کی بدقسمتی سے ہم دونوں ہی زندہ ہیں۔"

"تب تو واقعی دشمن بہت بدقسمت ہیں۔ میں نے ایک دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"ہاں......... ریوالور کا صحیح استعمال تم نے کیا......... لیکن افسوس ہمارے دشمن اس لاش کو اٹھا کر لے گئے۔ جس سے ہم کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے۔"

"لیکن پروفیسر غازی کی رہائش گاہ سے........."

"بہت سے مسئلے مسائل حل کر لیے گئے ہیں۔ اصل میں اس سلسلے میں کئی دوسرے ادارے بھی متحرک ہو گئے ہیں۔ یوں سمجھ لو کہ ہماری اس سیکورٹی کے ایک خاص گروپ نے عین وقت پر پروفیسر غازی کی رہائش گاہ پر ریڈ کیا اور تو کوئی ان کے ہاتھ نہیں آسکا لیکن ہم لوگ بچ گئے۔"

"لیکن تم......... مسٹر سرفراز........."

"ہاں مجھ پر ایک کامیاب وار کیا گیا تھا......... لیکن انہیں کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔ البتہ میرے سر کے پچھلے حصے پر ایک چھوٹی سی ضرب ضرور لگی ہے۔ یہ دیکھو ٹیپ چپکا ہوا ہے۔" سرفراز نے اپنے سر کا عقبی حصہ میرے سامنے کر دیا۔ ڈاکٹروں نے اس کے خوبصورت بال اس جگہ سے کاٹ دیئے تھے جہاں اس کے چوٹ لگی تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے......... باقی ساری باتیں تو اپنی جگہ لیکن تمہاری زندگی بچ جانے پر......... تم یقین کرو میں بے حد مسرور ہوں۔"

"شکریہ......... میں جانتا ہوں۔" سرفراز نے مسکراتی آواز میں کہا۔ میں اٹھ بیٹھ گیا اور میں نے کہا۔

"یہ کون سی جگہ ہے..........؟"

"یوں سمجھ لو کہ ایک طرح سے میرا گھر ہی ہے لیکن وہ گھر نہیں جس میں میں رہتا ہوں۔"

"وقت کتنا گزر چکا ہے..........؟"

"اٹھارہ گھنٹے۔"

"کیا مطلب..........؟"

"تم اٹھارہ گھنٹے تک بے ہوش رہے ہو۔"

"کیا میرا زخم زیادہ شدید ہے..........؟"

"نہیں تمہاری بے ہوشی حیرت ناک تھی لیکن ڈاکٹر نے اس بارے میں کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا ہے.......... بلکہ ان کا کہنا ہے کہ سر کا کوئی ایسا حصہ عارضی طور پر متاثر ہوا ہے جو ہوش میں نہیں آنے دے رہا۔ البتہ ہوش آجائے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس دوران بہت سی کام کی باتیں معلوم ہو چکی ہیں جن کے بارے میں میں تمہیں بتانے کے لئے بے چین ہوں۔ یہ ہمایوں کچھ لمبے عرصے کے لئے ہی نکل گیا ہے۔ ٹیلی فون آیا تھا اس کا.......... خیریت معلوم کر رہا تھا میں نے کوئی ایسی بات اسے نہیں بتائی جس کی وجہ سے وہ اپنا پروگرام ادھورا چھوڑ کر واپسی کا سفر کرے.......... کیا فائدہ ہم تو مشکل میں گرفتار ہیں اسے مشکل میں گرفتار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

"ٹھیک.......... مگر وہ پُراسرار باتیں کیا ہوئیں جن کے بارے میں تم مجھے بتا چکے ہو.........." میں نے سرفراز سے پوچھا۔

"سکیورٹی کے جن افراد نے پروفیسر غازی کی رہائش گاہ پر ریڈ کیا تھا وہاں انہیں کوئی لاش وغیرہ نہیں ملی البتہ پروفیسر غازی کی رہائش گاہ میں تازہ خون کے دھبے ضرور

ملے۔ حالانکہ.......... یہ خون تمہارے جسم پر نہیں پایا گیا۔ تمہارا لباس صاف ستھرا تھا۔ خون کا تجزیہ کیا گیا تو وہ سو فیصدی انسانی خون ہی ہے اور اس کا گروپ او نیگیٹو ہے۔ اس کے علاوہ جو سب سے اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ پروفیسر غازی کی اس تجوری کو یہاں سے اٹھا کر اس خفیہ ڈیپارٹمنٹ میں لے جایا گیا۔ یہ رپورٹ ان لوگوں کو مل چکی ہے کہ تجوری میں موجود جو چیز بھی ہے اس کی وجہ سے کئی قتل ہو چکے ہیں۔ ایڈووکیٹ کاظمی 'ملک اعجاز' پروفیسر غازی اور اس سے پہلے بھی کئی ایسے افراد جو اس انوکھی چیز کا شکار ہو چکے ہیں اور وہ انوکھی چیز جانتے ہو کیا ہے..........؟"

"کیا مطلب..........؟"

"بابا عبدالحق کا کہنا بھی ٹھیک تھا اور باقی لوگ بھی ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ وہ ایک پُراسرار دستاویز ہی نہیں بلکہ ایک قیمتی خزانہ بھی ہے۔ ایک ایسا ہلالی خنجر جس کے دستے پر دنیا کے قیمتی ترین ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ خنجر زمانہ قدیم کا ہے اور اس کے بارے میں بہت سی تحقیقات کی جانے والی ہے۔ اصل میں اس سلسلے میں جو خصوصی دلچسپی لی گئی ہے وہ بنیادی طور پر ان زندگیوں کے ضیاع کی وجہ سے ہے جو قیمتی تصور کی جاتی ہیں اور صرف اس پُراسرار چیز کی وجہ سے گئی ہیں لیکن اس سے مزید الجھاوے پیدا ہو گئے ہیں۔ میں اور تم اگر بیان دے دیں تو یقین کرو تہلکہ مچ جائے۔ ہم نے یہ تو بتایا ہی نہیں ہے کہ کس طرح سے یہ اس گھر میں محفوظ تھا اور ایک بزرگ شخصیت نے اس کا انکشاف کیا۔ وہ بھی ایک شخص کو اس کی جائیداد کے محروم ہو جانے کی وجہ سے ظُور علی جن کا نام بھی آیا جبکہ یہ ساری چیزیں اب پس منظر میں چلی گئی ہیں اور اس خنجر کی ایک تاریخی حیثیت ہو گئی ہے۔ بہت سے محکمے اس مختصر سے وقت میں اس معاملے میں ملوث ہو گئے ہیں اور توقع ہے کہ کچھ وقت کے بعد کچھ ملکی اور کچھ غیر ملکی اس خنجر کی تحقیق کے لئے جمع ہو جائیں گے۔" میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے

سرفراز کو دیکھا پھر ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"سرفراز......... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اب ہم اپنے آپ کو ان تمام معاملات سے بے تعلق ہی کر لیں۔ یہ سلسلہ اب انتہائی سنگین نوعیت کا حامل ہوتا جا رہا ہے۔"

"میرے دوست......... یہ بات میں نہیں کہنا چاہتا لیکن مجھے تم پر غور کر کے انتہائی حیرت ہوتی ہے کیونکہ تم براہِ راست ان معاملات سے متعلق ہو اور تمہارا وہ پسماندہ خاندان قطعی اس حیثیت کا حامل نہیں ہے کہ اتنے بڑے مسئلے میں الجھے۔ یہ تو ایک تاریخی عمل ہے اور اس تاریخی عمل میں تمہارا مقام ایک بہت بڑی حیثیت کا حامل ہوگا........."

"تو تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو ڈیئر سرفراز!"

"یہ کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی کی حیثیت سے اس معاملے میں دلچسپی لو اور بہت اہتمام کے ساتھ اس سے اپنا رشتہ جوڑو۔ میں تو اپنے آپ کو بعد کے مسئلے میں لانا چاہتا ہوں۔ اس کی تحقیق میں تمہارا نام شامل ہوگا۔"

"گویا تمہارا کہنا ہے کہ میں اس سلسلے میں مکمل طور پر........"

"ہاں......... بالکل۔"

"ٹھیک ہے......... اب میں اپنے آپ کو اس معاملے سے دور نہیں رکھوں گا۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

☆---------☆---------☆

حالانکہ لندن سے آنے کے بعد یہاں جو حالات میرے ساتھ پیش آئے تھے انہوں نے مجھ سے میری تمام تر ذہنی صلاحیتیں ہی چھین لی تھیں۔ آخر میں ایک تعلیم یافتہ انسان تھا۔ اگر مجھے میرے گھر میں میری حیثیت مل جاتی تو لازمی بات تھی کہ اپنے وطن میں کارآمد آدمی کی حیثیت سے میں اپنے آپ کو روشناس کراتا لیکن اس بات کا

ہیں کیا کرتا کہ اہلِ وطن میں......... خاص طور سے میرے اپنے عزیز و اقارب نے جس طرح میری پذیرائی کی تھی اس نے مجھے بہت دلبرداشتہ کر دیا تھا اور اب میرے ذہن میں اپنے مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ نہیں تھا لیکن اب پُراسرار واقعات نے جس طرح یہ سب کچھ کیا تھا وہ ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس مخصوص سرکاری محکمے میں مجھے زبردست پذیرائی دی گئی تھی اور یہ بھی سرفراز کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مجھے بالکل پازیٹو انداز میں لیا گیا تھا۔ بہرحال......... جب میں بالکل صحت یاب ہو گیا تو ایک دن مجھے ایک مخصوص جگہ طلب کیا گیا اور یہاں بہت سے افراد موجود تھے۔ یہ ایک دلچسپ چیز تھی کہ ایک بڑی سی میز پر سفید چادر بچھا کر شیشے کا ایک صندوق سا رکھا گیا تھا اور اس صندوق میں ایک چیز رکھی ہوئی تھی۔ یعنی وہ ہلالی خنجر......... جس کی آب و تاب سے واقعی یہ جگہ جگمگا رہی تھی۔ سکیورٹی ڈیپارٹمنٹ کا ایک خاص حصہ تھا۔ جہاں اس خنجر اور ان کاغذات کو دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا جو تاریخی حیثیت رکھتے تھے۔ کچھ ماہرین یہاں موجود تھے جنہوں نے اس سلسلے میں خاصی تحقیقات کی تھیں اور کچھ معلومات حاصل کی تھیں۔ کئی اجنبی چہرے نظر آ رہے تھے ان میں کچھ غیر ملکی بھی تھے۔ جس شخص کی ذمہ داری اس سارے مسئلے کو بتانے کے لئے لگائی گئی تھی اس کا نام حیدر شاہ تھا۔ بلند و بالا شخصیت کا حامل یہ شخص جس کے شانے بے حد چوڑے تھے جسم ورزشی۔ خاص چیز اس کے چہرے پر نظر آنے والی مونچھیں اور سفید بال جو اس کی شخصیت میں ایک عجیب و غریب اضافہ کرتے تھے۔ آخر کار اس نے تقریر کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی ہمارے محکمے کو ایسے واقعات کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے جن کا تعلق پُراسرار جرائم سے ہوتا ہے۔ پُراسرار جرائم اس واقعے کو کہتے ہیں جو کسی ناقابلِ یقین بات کے سلسلے میں ہوتا ہے اور عقل تسلیم نہیں کرتی کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ اس میں

کوئی شک نہیں کہ دنیا میں ایسی بے شمار پُراسرار چیزیں ہیں جو انسانی عقل و فہم سے باہر ہیں۔ پروفیسر غازی جیسی شاندار شخصیت کے بارے میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہمارے ملک کا قیمتی سرمایہ تھے اور اس سرمائے کو کچھ پُراسرار واقعات نے نگل لیا۔ یہ کاغذات بتاتے ہیں کہ یہ ہلالی خنجر جس کا تعلق زربانیہ طبقے سے ہے اور زربانیہ کے بارے میں کچھ قدیم کتابوں میں شواہد ملتے ہیں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ طبقہ کچھ غیر انسانی شخصیت رکھتا ہے اور اس کے سلسلے میں ایک پُراسرار شخصیت والے شخص طُور علی کا نام لیا جاتا ہے۔ اگر ہم ان کاغذات اور پروفیسر غازی کے انکشافات کو حقیقت جان لیں تو یوں سمجھ لیجئے کہ طُور علی کی عمر تقریباً دو ہزار سال ہے یا ممکن ہے کہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہو۔ پروفیسر غازی نے ان کاغذات میں یہی تذکرہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بہت عرصے قبل مشرقِ بعید سے یہ خنجر تلاش کر کے لائے تھے اور اس کے بارے میں تحقیقات کر رہے تھے۔ خنجر گم ہو گیا اور طویل عرصے تک اس کا پتہ نہیں چلا۔ بعد میں یہ کسی ذریعے سے دوبارہ ان تک پہنچا لیکن اس کے بعد وہ زندہ نہ رہ سکے۔ یہ خنجر ایک غیر معمولی تاریخ کا حامل ہے اور اسے نہ جانے کہاں کہاں کا سفر کرنا پڑا ہے.........."

"بہرحال.......... آپ اس خنجر کے بارے میں آئندہ کیا ارادے رکھتے ہیں..........؟"

"کوئی صحیح صورتِ حال سمجھ میں نہیں آ رہی.......... ہمارا کام تو صرف یہ ہے کہ ہم یہ تحقیقات کریں کہ اس خنجر کا تعلق بظاہر کس سے ہے اور ان افراد کی موت کا سبب کون بنا ہے..........؟ ہاں لیکن محکمہ نوادرات کا کہنا ہے کہ اس خنجر کی حفاظت بھی کی جائے۔ کیونکہ یہ نہ صرف تاریخی نوعیت کا حامل ہے بلکہ انتہائی قیمتی بھی ہے۔ چنانچہ ہم اس کے بارے میں کچھ ماہرین سے رابطے کر چکے ہیں جو ہمیں اس کی صحیح

عیت بھی بتائیں گے اور ہماری راہنمائی کریں گے۔"

میری نگاہ چاروں طرف گردش کر رہی تھی۔ میں نے ایک دراز قامت آدمی کو یکھا جو ایک شاندار سوٹ میں ملبوس کسی کاغذ پر جھکا ہوا کچھ پڑھ رہا تھا اس کی رنگت انولی تھی لیکن شخصیت بے مثال.......... بڑی بڑی خوبصورت گہری سیاہ آنکھوں ے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اسپین کا رہنے والا ہو۔ لوگ اس بارے میں اپنے پنے تاثرات کا اظہار کر رہے تھے اور یہ ظاہر کر رہے تھے کہ یہ پُراسرار خنجر زمانۂ ریم میں ایک عجیب و غریب چیز ہے۔

"لیکن اس سلسلے میں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ آپ اس کے تحفظ کا کیا بندوبست ریں گے اور آئندہ اس کے لئے کیا ارادے رکھتے ہیں آپ..........؟"

"ہم اسے یہیں محفوظ کریں گے اس کی باقاعدہ نمائش کی جائے گی اور اس کے ند یہ دیکھا جائے گا کہ کون اس کے حصول میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ ں کے علاوہ اور کوئی تدبیر ہمارے ذہن میں نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ لوگ کوئی بہتر جویز پیش کر سکتے ہیں تو اس کی پذیرائی کی جائے گی۔"

چاروں طرف ہلکی ہلکی بھنبھناہٹیں شروع ہو گئیں۔ لوگ کسی نتیجے پر پہنچنے کی وشش کر رہے تھے۔ آخر کار یہی کہا گیا کہ موجودہ تجویز ہی مناسب ہے۔ سکیورٹی کا وہ فسرِ اعلیٰ جس کا نام بعد میں مجھے معلوم ہوا شہباز علی ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کو اپنے انے پر اٹھائے ہوئے تھا جو خنجر کی حفاظت کے لئے کی گئی تھیں۔ اس نے اپنے آگے کے منصوبے کو بتاتے ہوئے کہا۔

"اصل میں بات صرف اس قیمتی خنجر کی نہیں ہے۔ ایک قیمتی چیز کی حفاظت کرنا اری حکومت کا فرض ہے لیکن اصل مسئلہ وہ قیمتی انسانی زندگیاں ہیں جو چلی گئی ہیں ور لازمی بات ہے کہ ان زندگیوں کو لینے والے بدترین مجرم قرار دیئے گئے ہیں اور

ان بد ترین مجرموں کی گرفتاری ہی ہمارا اصل مسئلہ ہے۔ بہرحال جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ اس خنجر کو نمائش کے لئے رکھا جائے گا اور اس کے بعد اسے ایک میوزیم کے سپرد کردیا جائے گا لیکن میوزیم میں اس خنجر کی حفاظت کی ذمہ داری اور اس میں دلچسپی لینے والوں کی تلاش ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا کام ہوگا اور اصل کام وہی ہے۔"

"لیکن مسٹر شہباز......... کیا وہ پُراسرار لوگ اس خنجر کو چرانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے؟"

"ہم اپنی آخری کوشش کریں گے کہ وہ لوگ کامیاب نہ ہوسکیں۔ بلکہ اسے چرانے کی کوشش میں ہماری نگاہوں میں آجائیں۔ جب دو فریق آپس میں مقابلے پر آتے ہیں تو بہرحال دونوں کے درمیان چوٹیں اور چالیں ہوتی ہیں۔ یہاں پر ہمیں یہی دیکھنا ہے کہ ہم اپنے مقابل کے سامنے کس طرح قدم جماسکتے ہیں۔ اگر وہ ہم سے زیادہ چالاک ہوا تو ہمیں ہماری کوششوں میں ناکام بنادے گا۔"

بہرحال یہ بہت ہی اہم میٹنگ تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس میٹنگ میں جتنے افراد شریک ہیں وہ کس نوعیت کے حامل ہیں' مجھے اس میں اس لئے شریک کیا گیا تھا کہ اس سارے معاملات کا براہ راست مجھ سے ہی تعلق تھا اور بہرحال میں ایک معزز خاندان کا فرد تھا جس سے کسی برائی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی اور یہ ماحول میرے لئے بلاشبہ سرفراز نے پیدا کیا تھا۔ میں نے سرفراز کی طرف دیکھا وہ فکرمند نظر آتا تھا اس کی حالت خاصی مضطرب معلوم ہوتی تھی پتا نہیں......... کیوں وہ اس سلسلے میں پریشان تھا۔ میں نے اس کے پاس جاکر کہا۔

"کیا بات ہے سرفراز......... تم الجھے ہوئے محسوس ہو رہے ہو۔"

"ہاں' مسٹر شہباز......... اس ایجنسی کے سربراہ ہیں اور اس میں کوئی شک

نہیں کہ شہباز کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن اس سلسلے میں جو منصوبہ بندی کی گئی ہے نہ جانے کیوں میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اصل خطرہ اس وقت شروع ہوگا جب اس خنجر کی نمائش کی جائے گی۔" میں نے گردن گھما کر اس دراز قد شخص کو دیکھا جس کے بارے میں میرا خیال تھا کہ وہ اسپینش ہے لیکن اچانک ہی میں چونک پڑا۔ وہ مجھے نظر نہیں آرہا تھا بلکہ وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر ایک اور آدمی جو ہلکے پھلکے بدن کا مالک اور کلین شیو تھا' کھڑا ہوا نظر آرہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی شخصیت بھی بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ اس کی تیز کشادہ آنکھوں سے' جو بڑی برق رفتاری سے اپنے حلقوں میں گردش کرکے کمرے کے ہر حصے کا جائزہ لے رہی تھیں' ایک عجیب سی کیفیت ہویدا تھی۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحول انتہائی پُراسرار ہوگیا تھا۔ جن لوگوں کو اس جگہ مدعو کیا گیا تھا ظاہر ہے وہ حکومت کے ایسے لوگ ہوں گے جن کی یہاں موجودگی کو غلط نہیں سمجھا جاتا ہوگا۔ حالانکہ ان لوگوں کو صحیح صورتِ حال کا علم نہیں تھا۔ یہ بات صرف میرے علم میں تھی اور میرے علاوہ سرفراز جانتا تھا کہ طُور علی کی اگر کوئی شخصیت ہے تو میں نے اس شخصیت کو دیکھا ہے۔ وہ بوڑھا شخص جو اپنے طور پر انتہائی شاندار شخصیت رکھتا تھا۔ یا پھر وہ خوبصورت عورت جس کے بارے میں میرا ذہن ابھی تک صاف نہیں تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ دراز قامت اسپینش کہاں غائب ہوگیا۔ چنانچہ میں سرفراز کو اطلاع دیئے بغیر باہر کی جانب بڑھا۔ دروازے کے باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس جاکر پوچھا۔

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس کمرے میں لمبے قد کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ کیا تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"ہاں میں نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی رنگت سانولی سی تھی۔"

"ہاں بالکل وہی۔"

"میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"کیا وہ اس دروازے سے نکل کر باہر گیا تھا؟" میں نے سوال کیا تو سپاہی حیرت بھرے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"میں نے تو نہیں دیکھا جناب......... وہ اس جگہ کھڑا ہوا تھا اور جب مسٹر شہباز کچھ تفصیلات بتا رہے تھے تو وہ یہیں موجود تھا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ کمرے سے باہر نہیں گیا۔"

"لیکن وہ کمرے کے اندر بھی نہیں ہے۔"

"جناب......... میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کمرے سے باہر نہیں گیا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس کو زمین نگل گئی ہو یا ہوا نے اس کو اپنے اندر چھپا لیا ہو۔" میں شدید حیران رہ گیا مجھے احساس ہو رہا تھا کہ اس پُراسرار گروہ کے لوگ جناتی خواص رکھتے تھے۔ ممکن ہے وہ بھی طور علی کا بھیجا ہوا کوئی جاسوس ہو جو معلومات حاصل ہونے پر پُراسرار طریقے سے غائب ہو گیا ہو۔ اس طرح کے معاملات میں یہ لوگ خاص شخصیتوں کے مالک ہوئے تھے۔ ان کے لئے اپنی مرضی سے صورت بدل لینا یا غائب ہو جانا ناممکن نہیں تھا۔ حالانکہ اگر کسی کو اس بارے میں بتایا جاتا تو وہ یقینی طور پر مجھے پاگل ہی سمجھتا لیکن ایک فرد ایسا تھا جو میری بات کو پاگل پن نہیں سمجھتا تھا اور میں نے اسی سے ملاقات کی۔ یعنی سرفراز......... سرفراز کو میں نے تفصیل بتائی تو وہ دبی آواز میں بولا۔

"ادھر آؤ......... اور اس الماری کو دیکھنے کا بہانہ کرو۔" جب ہم دیوار میں لگی ہوئی شیشے کی الماری کی طرف جا رہے تھے تو وہ بولا۔

"کیا آپ نے اس ستے ہوئے چہرے والے شخص کو دیکھا ہے جو یقینی طور پر مقامی

نہیں ہے لیکن اس کی تیز آنکھیں اس خنجر کا جائزہ لے رہی ہیں۔"

"آہ......... واقعی میں نے اسے دیکھا ہے۔" میں نے ایک بار پھر گھوم کر اس شخص کو دیکھا تو اسے شیشے کے صندوق کی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔

"یہ کون ہے.........؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا واقعی تم اسے نہیں جانتے؟"

"بالکل نہیں........." ظاہر ہے کہ میں اس کی شخصیت سے بالکل ناواقف ہوں۔"

"لیکن میں اس کو جانتا ہوں۔ یہ کرون ہے......... کرون......... اگر تمہیں دلچسپی سے اخبار پڑھنے کا شوق ہے تو کرون کے شاندار کارناموں کو تم نے دیکھا ہو گا۔ یہ دنیا کے تین ملکوں کا چور کہلاتا ہے۔ امریکہ' فرانس اور برطانیہ۔ پچھلے دنوں اس کے بارے میں خاصی کہانیاں مشہور ہو رہی تھیں۔"

خدا کی پناہ اس خفیہ میٹنگ میں ایک چور کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟" میں نے کہا اور سرفراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ بات تو مسٹر شہباز ہی بتا سکتے ہیں۔ ویسے کرون کئی ناموں سے مشہور ہے۔ تینوں ملکوں میں اس کے تین نام ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر تم اس کے نقوش کو بھول جاؤ تو یہاں بھی یہ شمریز کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔" میں نے حیرت سے سرفراز کو دیکھا اور کہا۔

"تو کیا تم یہ بات جانتے ہو.........؟"

"ہاں......... یہ بات شاید میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ شخص صرف اونچے درجے کی چوریاں کرتا ہے۔ حالانکہ دنیا کے تین ملکوں کی پولیس اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے اور یہ آجکل ہمارے وطن میں عیش کر رہا ہے۔"

"ایک بات میں تم سے کہوں۔ کیا یہ اس خنجر کی تلاش میں یہاں نہیں آیا ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے لیکن ایک بات اور یہ ہے کہ شمریز.........

اب ہم اسے شمریز کہہ کر ہی پکاریں گے چاہے اس کا نام کچھ بھی ہو۔ یہ کچے کھیل نہیں کھیلتا اور ایک بیوقوف آدمی نہیں ہے۔ ہاں ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ظور علی نے ایک معقول معاوضہ دے کر اسے یہ خنجر چوری کرنے پر آمادہ کیا ہوگا۔ ورنہ اس خنجر کے لئے جتنے قتل ہوئے ہیں۔ انہیں جاننے کے بعد شمریز اسے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ وہ ایک چالاک انسان ہے۔"

بہت سمجھداری کی بات تھی یہ اور میں اس پر غور کررہا تھا۔ واقعی دماغ کی چولیں ہل کررہ گئی تھیں۔

☆---------☆---------☆

ابھی تو یہ تمام سلسلہ جاری تھا کہ دفعتاً ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے سب کو اس طرف متوجہ کردیا۔ کمرے کے اندر کھڑکیوں کے پیچھے پردے لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شیشے کے صندوق سے پرے جس میں خنجر رکھا ہوا تھا دیوار کے ساتھ لپٹا ہوا تھا یہ پردہ سرسری آواز سے نیچے گرا۔ بات بہت معمولی سی تھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی ڈھیلی رسی سے بندھا ہو۔ رسی ڈھیلی ہوگئی ہو اور پردہ گرنے کا واقعہ محض اتفاقاً پیش آیا ہو لیکن جب ہم وہاں گئے اور دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ اتفاقی واقعہ نہیں تھا پردے کے نچلے سرے سے چار اور فرش سے پانچ فٹ اونچائی پر کپڑے کا ایک مربع ٹکڑا صاف کٹا ہوا نظر آیا۔ میں نے حیرت آمیز نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دوسرے چند اور افراد بھی حیرت سے کھڑے ہوئے ادھر دیکھ رہے تھے لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا اور ہر شخص ایک دوسرے سے اس بارے میں سوال کررہا تھا۔ اچانک ہی سرفراز کے منہ سے یہ آواز نکلی۔

"ایسا کیسے ہوا اور کس نے کیا.........؟"

"دیکھو کوئی باہر نہ جانے پائے۔" لیکن اچانک ہی باہر کھڑے ہوئے سپاہی نے بتایا۔

"وہ صاحب جو دبلے پتلے بدن کے مالک تھے ابھی ابھی باہر گئے ہیں۔" سرفراز تو خیر پولیس آفیسر تھا۔ وہ جس قدر برق رفتاری سے عمل کرتا اس کی تربیت کا حصہ تھا لیکن میں نے بھی باہر کی جانب دوڑ لگادی اور برق رفتاری سے اس عمارت کے گیٹ کی جانب دوڑا جس میں میٹنگ ہورہی تھی۔ پھر میں نے دور ہی سے شمریز کو دیکھ لیا۔ وہ دروازے سے باہر نکلا اور برق رفتاری سے سامنے والے فٹ پاتھ پر پہنچ کر آگے بڑھنے لگا اس کے انداز میں بے فکری اور اطمینان تھا۔ بازاروں کے ہجوم میں کتنے آدمی تھے جو اس کی شخصیت سے واقف ہوسکتے تھے یہ تو صرف سرفراز تھا جسے یہ بات معلوم تھی کہ کرون نامی چور شمریز کی حیثیت سے یہاں موجود ہے۔ میں اس کا تعاقب کرنے لگا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ میری غلطی ہو اور اس کا پیچھا کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو لیکن میں ان معاملات میں جس قدر ملوث ہوگیا تھا اس کے بعد کوئی بھی عمل کرنے سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ میں اس کے پیچھے چلتا گیا وہ آگے جاکر ایک چوراہے پر پہنچا جہاں بہت کم لوگ تھے۔ آگے وہ پیچھے میں......... دیکھنے والا دیکھتا تو کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر اس کے بعد اچانک ہی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے چکر آجائے گا۔ میں نے اس انتہائی خوبصورت عورت کو دیکھا تھا جو سامنے سے اس کی جانب آرہی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کے چلنے کا انداز تھا یا اٹھی ہوئی گردن کی رعنائی......... یا انداز خرام یا یہ خیال ہی اس سارے معاملے کی تہہ میں تھا کہ کرون نے اپنے لئے یہاں سے فرار ہونے کا بندوبست کررکھا ہے۔ بہرحال اس عورت کا چہرہ دیکھنے سے پہلے یہ یقین میرے دل میں

پیدا ہوگیا کہ وہ کوئی ایسی عورت ہے جس کا اس پُراسرار خنجر کی تاریخ میں ایک باب رقم کرنے والا کردار ہوگا۔ میں تھوڑا سا پیچھے ہوگیا لیکن کرون نے مڑ کر دیکھنے کی ایک دفعہ بھی پرواہ نہیں کی۔ تعاقب کی بے خبری میں پُرشوخ انداز میں آگے بڑھ کر اس نے اپنا بازو اس لڑکی کی جانب بڑھایا اور دونوں اس انداز میں ملے جیسے پرانے شناسا ہوں۔ میرے سینے میں ہیجان برپا ہوگیا تھا۔ دوراندیشی اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کروں۔ مگر انتہائی پُرجوش ہو رہا تھا میں.......... چنانچہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے سست رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے لیکن فوراً ہی انہیں احساس ہوگیا کہ کوئی ان کے بہت ہی قریب پہنچ گیا ہے۔ دونوں نے مڑ کر مجھے دیکھا اور اور نہیں کہہ سکتا کہ اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی بجلی کی لہر میرے دل میں کتنے وولٹ دوڑانے لگی۔ کیونکہ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی پُراسرار حسینہ تھی جس سے مختلف حالات میں دوبارہ میری ملاقات ہوچکی تھی اور جو میرے لئے بند کتاب کی مانند تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے ہوش اُڑے جا رہے تھے اور میں انتہائی پیچیدہ حیثیت سے گزر رہا تھا۔ عورت نے مجھے دیکھا اور ایک بار پھر وہی طریقۂ کار اختیار کیا۔ یعنی نگاہوں کی سردی۔ حقارت اور نہ پہچاننے والے تاثرات اس کی آنکھوں میں تھے۔ میں اور تو کچھ نہ کر سکا اس طرح سے ان کے قریب سے آگے بڑھ گیا جیسے ان سے قطعی طور پر ناواقف ہوں اور نہ ہی میں ان کا تعاقب کر رہا ہوں۔ وہ میرے پیچھے رہ گئے تھے۔ اب حقیقت یہ تھی کہ اب مڑ کر پیچھے دیکھنا اپنے آپ کو مصیبتوں میں گرفتار کرلینا تھا۔ ایک طرف اس عورت نے مجھے دوبار ذلیل وخوار کردیا تھا اور دوسری طرف یہ شخص جس نے بہرحال مجھے اس حال میں دیکھا ہوگا لیکن تعجب کی بات ہے کہ علی شہباز تو میرے سامنے ایک ذہین آدمی کے طور پر آیا تھا۔ اس نے ایسے اجنبی اور خطرناک لوگوں کو اپنے درمیان آنے کی جگہ کیسے دے دی۔ ناقابلِ یقین.......... ناقابلِ یقین.......... پھر ایک ایسی جگہ سے پلٹ کر میں نے پیچھے کی طرف دیکھا جہاں اگر کوئی کسی کو دیکھنے کی کوشش کرے تو اس پر تعجب نہ ہو اور میرا جو اندازہ تھا وہی بالکل درست تھا۔ وہ دونوں وہاں موجود نہیں تھے۔ بہرحال میں کافی دیر تک اپنی جگہ کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا کہ شاید وہ نظر آجائیں لیکن سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ میں واپس پلٹ پڑا اور تھوڑی دیر بعد میں اسی عمارت کے سامنے تھا۔ یہاں چونکہ میں دوسری جانب سے آیا تھا اور اب اندر ہونے والی کارروائی کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ اس لئے میں نے دیکھا کہ دو افراد عمارت کے سامنے ایک فٹ پاتھ پر کھڑے عمارت کی مشرقی کھڑکیوں کو گھور رہے تھے۔ میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور میرا خون پانی کی طرح سرد ہوگیا۔ کیونکہ یہ دونوں شکلیں تو میری شناسا تھیں۔ آں.......... دماغ کیسے پھٹتا ہے لوگ شدتِ حیرت سے کیسے پاگل ہوجاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم.......... یا پھر ہوسکتا ہے کہ ایسے الفاظ صرف مثال کے لئے استعمال کئے جاتے ہوں کیونکہ نہ میں شدتِ حیرت سے پاگل ہوا تھا نہ میرا دماغ پھٹا تھا حالانکہ دونوں شکلیں دماغ پھاڑ دینے والی تھیں۔ میری شناسا اور ایسی شناسا جنہیں میں کبھی نہ بھول سکوں۔ ان میں سے ایک تو وہی اسینشُ تھا اور دوسرا وہ پُراسرار بوڑھا جسے دیکھ کر انسان اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ جس کی شخصیت انسان کو پاگل کردے۔ یعنی طُور علی.......... اگر واقعی وہ سفید داڑھی والا شخص طُور علی ہی تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس نے یا اس کے ساتھی نے مجھے دیکھا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اس وقت ان کو عجائب گھر کے سامنے کھڑے دیکھ کر مجھے کیا کرنا اور کیا نہیں کرنا چاہئے تھا اور میں نے کچھ کیا بھی نہیں۔ طُور علی کی شخصیت سے مرعوب ہو کر میں وحشت زدہ ہو کر وہاں کھڑا رہا۔ وہ لوگ چند لمحوں کے بعد بڑے اطمینان اور بے فکری سے وہاں سے روانہ ہوگئے لیکن میرے قدم اس طرح اپنی جگہ

جمے ہوئے تھے کہ میں ان کا تعاقب بھی نہیں کرسکا۔ بہت دیر کے بعد میرے ہوش وحواس بہتر ہوئے تو میں میٹنگ ہال کے دروازے کی طرف گیا لیکن ندامت اور پشیمانی کا یہ احساس دل کو پریشان کر رہا تھا' کہ نہ جانے کیوں اس کو دیکھتے ہی میں نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ اصولی طور پر مجھے چاہئے تھا کہ آگے بڑھ کر سرفراز کو فوری طور پر اس بارے میں تفصیلات بتاؤں تاکہ کام کا آغاز کرسکے لیکن اب بس......... میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان سارے واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھوں اور میں نے ایسا ہی کیا۔

☆---------☆--------☆

اِدھر سکیورٹی ایجنسی کے سربراہ اور خصوصی ذمہ داریوں کے تحت اس عجائب خانے کے انچارج جس میں ایک خاص مقصد کے تحت اس خنجر کی نمائش کی جانے والی تھی علی شہباز کے لیے خصوصی طور پر عجائب خانے کے پاس ہی رہنے کا بندوبست کردیا گیا تھا اور وہاں اپنی ایک سپیشل ڈیوٹی کے تحت مقیم ہوگیا تھا۔ اسے خود بھی اس خنجر کی عجیب وغریب کیفیت کا احساس تھا اور وہ اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے مستعد رکھنا چاہتا تھا۔ جس سکیورٹی ایجنسی میں وہ کام کرتا تھا اس میں اس کا ایک بڑا مقام تھا اور اس نے زندگی کے بیشتر لمحات بڑی شاندار ذمہ داریوں کے ساتھ گزارے تھے لیکن اس رات نامعلوم کیوں اسے اپنے اٹھنے' بیٹھنے' سونے میں ہیبت ناک کیفیت محسوس ہونے لگی تھی۔ ویسے وہ ایک بے خوف اور بہادر آدمی تھا اور اس عمر میں آنے کے باوجود غیر معمولی طاقت اور اعصابی قوت رکھتا تھا۔ تاہم وہ خوف جو اس رات اس پر سوار ہوا' عجیب اور نیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ آج کی رات کے موسم کا اثر ہو۔ یا ان واقعات پر خوف کی یاد کا نتیجہ جو اس خنجر کی تاریخ سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرحال انتہائی کوشش کے باوجود اس رات اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ کبھی خنجر کی

تصویر اس کی آنکھوں میں گھومتی اس سے متعلق لوگوں کی کہانیاں جنھوں نے اس خنجر کو ہاتھ لگایا وہ اس دنیا میں موجود نہ رہے۔ کبھی اپنی معلومات کے تحت زربانیوں کی پُراسرار جماعت۔ غیر ملکی مرد حسین عورتیں اور اس انوکھے خطے کے راہنما۔ اس سے پہلے بھی بہت سی ایسی باتیں اس کے علم میں آچکی تھیں جو انتہائی پُراسرار اور بڑی عجیب وغریب تھیں لیکن آج کی رات ان تمام واقعات سے مختلف تھی۔ اس کے علاوہ یہ رات بے حد گرم بھی تھی اور ہوا کا نام ونشان نہیں تھا۔ ہر طرف ایک خطرناک سنسان کیفیت چھائی ہوئی تھی لیکن اس حالت میں بھی مدہم سا شور سنائی دے رہا تھا۔ بہرحال سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنا چاہئے۔ وہ سخت پریشان تھا۔ پھر اس وقت پے درپے دو آوازیں سنائی دیں۔ پہلے مدہم سی کھڑکھڑاہٹ پھر ایک پُراسرار موسیقی کی جھنکار۔ شہباز جو بستر پر لیٹا ہوا بے تابی سے کروٹیں بدل رہا تھا' ان آوازوں کو سنتے ہی جلدی سے اٹھا۔ ڈریسنگ گاؤن پہنا سرہانے کے پاس رکھا ہوا ریوالور اٹھایا اور عجائب خانے کی کنجیاں نکالیں اور ذرا ہراساں اور متوحش نجی دروازے کے راستے عجائب خانے میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد فطری بے خوفی سے زینہ چڑھ کر اس نے مشرقی گیلری کا دروازہ کھولا۔ اس کے سنسان راستوں سے گزر کر وہ اس جگہ پہنچا جہاں خنجر رکھا ہوا تھا لیکن دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے رک کر اندر کی سن گن لی۔ یقینی طور پر اندر کسی چیز کے حرکت کرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ حالانکہ شہباز کے ہاتھ میں چابی موجود تھی لیکن اس وقت اس کے اعصاب اتنی قوت سے کام نہیں کررہے تھے جتنی قوت سے ہمیشہ کام کرتے تھے۔ وہ اس چابی کو قفل میں ڈالنے کی ہمت نہ کرسکا۔ وحشت کی طرح بے خوفی اور دلیری کے بھی درجے ہیں۔ شہباز کھلے خطروں کا مقابلہ کرسکتا تھا' زندگی کے لاتعداد کارناموں میں اس نے ایک سے زیادہ افراد کا بھی مقابلہ کیا تھا لیکن اس وقت خونخوار طاقت اور نامعلوم ہستی کے سامنے اس

کی یہ تمام جدوجہد ایک لمحے کے لئے سرد پڑ گئی تھی جو بند دروازوں اور مقفل کمروں کے اندر گھس سکتی ہے۔ بہرحال ایک لمحے کے لئے اس کے اعصاب مضمحل ہوئے تھے لیکن اس کے بعد اس کی اپنی شخصیت واپس آگئی۔ دہشت اور بے خوفی میں جدوجہد ہوتی ہے اور اس کے بعد اس نے جی کڑا کر کے دروازے کا تالا کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس سے بھی زیادہ اس نے یہ عمل کیا کہ اندر جاکر دروازہ بند کرلیا اور پستول تان کر نامعلوم خطروں کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہوگیا۔ وہ یقینی طور پر ایک دلیر انسان تھا۔ اس وقت جب وہ ایک عظیم کشادہ کمرے کی تنہائی میں اکیلا دروازے کی پیٹھ سے ٹیک لگائے کھڑا رہا تو ہلکی تھرتھراہٹ اور خطروں کی یاد سے اس کے بدن میں پیدا ہونے والی سنسنی کی لہر ریڑھ کی ہڈی کو چھوتی ہوئی ٹانگوں کے راستے نیچے گزری۔ تاہم واپسی کا خیال ایک دفعہ بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا۔ کمرے کا ایک حصہ تاریکی میں تھا۔ دور افتادہ کھڑکی کے پاس پردے کی راہ سے داخل ہونے والی چاندنی فرش کو پیلی رنگت دے رہی تھی لیکن جس چیز نے اسے شدید حیرت زدہ کردیا وہ ٹھنڈی سفید روشنی کی ایک لمبی کرن تھی جو اطراف کی چیزوں کو چھوڑ کر مقدس خنجر پر پڑ رہی تھی اور اس کو نمایاں کرنے میں مدد دے رہی تھی۔ باقی سامان گھپ اندھیرے میں چھپا ہوا یا مدھم روشنی میں گم نظر آتا تھا۔ مگر یہ ایک چیز جو یہاں موجود تھی اور جو انتہائی پُراسرار کیفیت کی حامل.......... یعنی وہ خنجر سفید روشنی کی شعاع میں گھرا ہوا واضح اور صاف نظر آرہا تھا۔ یہ کیفیت ناقابلِ یقین تھی لیکن دہشت کا پہلا ایک احساس گزر جانے کے بعد شہباز کو یاد آیا کہ صبح تو پردے میں نامعلوم طریقے سے ایک خلا پیدا کردیا تھا۔ جس کی مرمت اس وقت تک نہ ہوئی تھی۔ غالباً یہ روشنی اسی چوکور سوراخ کی راہ سے اندر آرہی تھی۔ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوتے ہی وہ اندیشے جو اس کے دل میں پیدا ہوئے تھے ختم ہوگئے اور جب وہ آہستہ قدموں سے اس مقام کی

جانب بڑھا جہاں روشنی آکر پڑتی تھی تو پہلی بار اس نے دیکھا کہ صندوق کا ایک حصہ جس میں خنجر رکھا گیا تھا یعنی وہ جو پھٹے ہوئے پردے کی سمت تھا ٹوٹا ہوا تھا اور شیشے کے ریزے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔ پھر ان ریزوں سے پرے سفید رنگ کی شعاع کے سائے میں مدہم مگر واضح ایک اور چیز نظر آئی جو متحرک تھی۔ وہ چیز صندوق سے ہٹ کر مشرق کی سمت آہستگی سے حرکت کررہی تھی۔ بے اختیار علی شہباز کے منہ سے نکلا۔

"میرے خدا.......... میرے خدا یہ خنجر.........." اور پھر اس نے اندھادھند بغیر کسی چیز کو دیکھے بغیر نشانہ لئے کمرے کے چاروں طرف گولیاں چلانا شروع کردیں۔ تین چار فائر مسلسل کرنے کے بعد رک گیا۔ اس نے سوچا کہ اس وحشت سے کیا حاصل..........؟ کوئی ذی حیات مخلوق اس کمرے کے اندر نہیں ہے تو پھر ان بے تحاشا فائروں سے کیا فائدہ.......... لیکن وہ فائر بے مقصد نہیں ثابت ہوئے کیونکہ کوئی چیز مشرقی کھڑکیوں میں نہ جانے کہاں لگی اور اس کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے زمین پر گرتے سنائی دیئے۔ شہباز نے دوڑ کر بجلی کا بٹن دبایا اور تیز شفاف روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ اس نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کمرہ خالی تھا لیکن نہیں.......... بالکل خالی نہیں کیونکہ شیشے کا صندوق اور پہلے مشرقی کھڑکی کے درمیان میں وہی خنجر رکھا ہوا تھا۔ جس کو سفید روشنی کے سائے میں اس نے متحرک دیکھا تھا۔ کوئی چیز اس کے ساتھ بندھی ہوئی نہیں تھی۔ کوئی ذریعہ اس کی حرکت کا نظر نہیں آتا تھا لیکن وہ کسی زندہ شے کی مانند کھڑکی کی جانب جارہا تھا۔ شہباز چکراتی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ خنجر میں زندگی کیسے دوڑ گئی تھی۔ پھر کہیں دور سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ معلوم ہوتا تھا کہ گولیوں کی آواز نے پہریداروں کو اٹھا دیا تھا۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد دروازہ کھٹکھٹانے کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں لیکن شہباز کو ان کی پرواہ نہیں

تھی۔ وہ دوڑتا ہوا اس کھڑکی کے پاس گیا جس سمت میں خنجر حرکت کر رہا تھا۔ جلدی سے پردہ ہٹایا۔ کھڑکی بند تھی لیکن نچلے حصے کا چوڑا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اس کے نوکدار ٹکڑوں سے خون کے سرخ قطرے کمرے کے فرش پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

"دروازہ کھولو.........." باہر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیٹیاں بج رہی تھیں۔ قدموں کی آوازیں مسلسل گونج رہی تھیں لیکن شہباز حیران اس ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے پاس چپ چاپ دیکھتا رہا تھا کھڑکی بند تھی۔ لوہے کی مضبوط سلاخیں بدستور لگی ہوئی تھیں۔ پھر ایسی کون سی شخصیت ہو سکتی ہے جو اس ٹوٹے ہوئے شیشے کی راہ سے اندر آتی۔ یا یہ صرف میرا وہم ہے۔ لیکن نہیں.......... صندوق کا ٹوٹا ہوا حصہ' فرش پر پڑا ہوا خنجر' وہ سرسراتی آوازیں جو اس نے دروازے کے باہر سنی تھیں اور سب سے بڑھ کر خون کی وہ ٹپ ٹپ جو شیشے کی نوک سے اب تک جاری تھی' کیا یہ باتیں اس وہم کی تردید کرنے والی نہیں ہیں۔ شہباز نے سوچا اور اس کے بعد اس نے متعلقہ افراد سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ تفصیل اس نے انسپکٹر سرفراز کو بھی بتائی تھی۔ کیونکہ سرفراز مکمل طور پر خنجر والے کیس سے متعلق تھا اور سرفراز نے فون پر مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ اس نے کہا۔

"ایک دلچسپ کہانی سامنے آئی ہے جو میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ ایسا کرو میٹنگ ہال اور عجائب خانے والی عمارت کے سامنے پہنچ جاؤ۔" جب میں وہاں پہنچا تو سرفراز مجھے باہر ہی مل گیا اور اس نے ساری تفصیل مجھے بتاتے ہوئے اس خنجر کی جانب اشارہ کیا جو اب بھی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ ایک ایسی قیمتی چیز جس کے بارے میں پوری کہانی موجود تھی' باہر بے یار و مددگار پڑی ہوئی تھی لیکن کس کی ہمت تھی کہ اسے اٹھا کر دوبارہ صندوق میں رکھ دے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اس خنجر کو ہاتھ لگانے والا زندگی سے محروم ہو جائے گا۔ یہ سب پڑھے لکھے لوگ تھے جو یہاں موجود تھے اور ان کے

بارے میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو معمولی حیثیت کا مالک ہو' لیکن دلچسپ بات تھی کہ دل میں سب یہ یقین رکھتے تھے کہ خنجر کو چھونے والا اس دنیا میں نہ رہے گا۔ کیا دلچسپ بات تھی بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جگہ فرشِ زمین پر بے ضرر اور بے اہمیت خنجر موجود تھا اور وہیں اس کے پہلو میں علی شہباز گاؤن پہنے' آنکھیں دہشت آمیز' سر کے بال کھڑے' پریشان حال دیوار کے ساتھ کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اپنا ستا ہوا چہرہ اس نے میری طرف کر کے سہمی آواز میں کہا۔

"کیا خیال ہے اس خنجر کو واپس صندوق میں رکھنا چاہئے۔" اتنا دلیر ہونے کے باوجود شہباز کی آواز کی لرزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی اور دلچسپ بات یہ تھی کہ سرفراز بھی خاموش تھا۔ بے خبری میں اس کی نگاہ اپنے دو سپاہیوں میں سے ایک بلا وردی آدمی کی طرف گئی جو ان کے پہلو میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں اسے رکھ دیتا ہوں۔"

"ایک منٹ رکو.........." علی شہباز نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ گہری خاموشی چھا گئی۔ سانسوں کی بھاری آوازیں عجائب خانے کے صاف شفاف ماحول میں گونج رہی تھیں۔ سپاہی نے سوالیہ انداز میں علی شہباز کو دیکھا اور علی شہباز نے کہا۔

"میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ اس خنجر کو ہاتھ لگانے میں بڑا خطرہ ہے۔"

"میں جانتا ہوں جناب.......... مگر میں اس کی پرواہ نہیں کرتا۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس خنجر کو ہاتھ لگانے والا اس دنیا میں نہیں رہتا۔"

"میں نے سنا ہے.........." سپاہی بولا۔

"اس کے باوجود!"

"جناب.......... فرض تو فرض ہی ہوتا ہے۔" سپاہی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"گویا تم اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے۔"

"ہاں.......... زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا.........." سپاہی نے کہا۔ بڑا ہی بے خوف آدمی تھا۔ اس نے لاپروائی سے خنجر اٹھا کر اس ٹوٹے ہوئے شیشے کے صندوق کے اندر رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

"بلا وجہ صاحب.......... ہمت تو کرنی چاہئے نا انسان کو.......... اب آپ نیا شیشہ لگوا دیجئے سب کام مکمل ہے۔" سپاہی کے لہجے کی میں دل ہی دل میں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا تھا لیکن بعد میں اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا اس نے دل دکھا کر رکھ دیا۔ سپاہی کی لاش اس کے گھر کے بیڈ روم میں ملی تھی۔ اس کی گردن کسی بکرے کی طرح ذبح کردی گئی تھی اور یہ اطلاع مجھے سرفراز نے دی تھی۔ وہ خود بھی بہت زیادہ غمزدہ ہوگیا تھا لیکن اس بات نے یہ احساس دلادیا کہ یہ سارا مسئلہ بے مقصد نہیں ہے اور ہمیں اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ خنجر کو چھونے والا دنیا میں باقی رہنے کے لئے نہیں ہوتا۔ کئی دن گزر گئے گرمی شدید ہوگئی تھی اور واقعات بھی تیز رفتاری پر تھے۔ وہ کمرہ جس میں خنجر رکھا گیا تھا۔ مرمت کی وجہ سے تماشائیوں کے لئے آمدورفت کے لئے بند تھا۔ کچھ آدمی کھڑکی کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی درستگی اور کٹے ہوئے پردے کی تبدیلی میں مشغول تھے لیکن وہ صندوق جس میں بدنصیب سپاہی نے اپنے ہاتھ سے خنجر رکھا تھا۔ جوں کا توں مرمت کے لئے باقی تھا۔ خنجر کی موجودگی میں شیشہ لگانے کی ہمت کوئی بھی نہیں کررہا تھا۔ اس لئے یہ کام ملتوی کردیا گیا تھا لیکن اب بھی ایک آدمی ان کاریگروں کی پشت پر علی شہباز کی طرف سے خنجر کی حفاظت اور لوگوں کو صندوق سے دور رکھنے کے لئے متعین تھا۔ بہرحال میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں اس آبادی میں کتنے افراد ایسے ہیں جو اس خنجر کی ہیبت ناک کیفیت کا صحیح اندازہ کرسکتے ہوں۔ کتنوں کو معلوم ہے کہ کس کس طرح کی داستانیں اس خنجر

سے وابستہ ہیں اور کس طرح طُور علی کا سایہ اس خنجر کی وجہ سے اس عمارت پر ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ بہرحال کیا کیا جاسکتا تھا۔ بات ایک جگہ منجمد ہوگئی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہمایوں کے آنے کے بعد میں اس سارے واقعات سے اپنے آپ کو آزاد کروں گا اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ فلیٹ چھوڑ دوں گا۔ پھر انتہائی کوشش کرکے میں واپس لندن چلا جاؤں گا۔ یہاں اب میرے لئے کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ لندن کی زندگی بہرحال میرے لئے اجنبی نہیں تھی اور میں وہاں اپنے لئے کہیں بھی کوئی ٹھکانہ تلاش کرسکتا تھا۔ اور کچھ ہو نہ ہو کم از کم وہاں میرے ایسے شناسا تو نہیں ہوں گے جو میرے خاندانی پس منظر سے واقف ہوں اور یہ جان سکیں کہ میں کون ہوں.......... بس یہی احساسات تھے۔ اس وقت بھی میں ایک بازار سے گزر رہا تھا اور میرے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات آرہے تھے کہ اچانک مجھے وہی عورت نظر آگئی۔ کچھ اس طرح سے میرا اور اس کا سامنا ہوا تھا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں پائی تھی اور میں بھی اسے نہیں دیکھ پایا تھا۔ ہم دونوں ایک حادثے کی طرح ایک دوسرے کے سامنے آئے اور پھر وہ برق رفتاری سے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ میں صرف ہاتھ کھڑا کرکے رہ گیا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی بہرحال.......... یہ پُراسرار حسینہ ایک الگ مشکل تھی میرے لئے.......... کون ہے.......... کیا ہے یہ..........؟ اس دن میں سرفراز کی تلاش میں نکلا تو سرفراز مجھے وہیں عجائب گھر میں ملا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"اب گو یہاں ایک مستقل ذمہ داری ہی لگ گئی ہے میری.......... سرکاری طور پر مجھے اس کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے کہ جب تک اس خنجر کا معاملہ حل نہ ہو میں ان ذمہ داریوں میں مصروف رہوں۔ کاش اس بارے میں میرے قدم آگے بڑھ سکیں۔ ویسے میں نے اس کمرے کو ایک ایک انچ کرکے دیکھا ہے۔ کھڑکیاں، فرش سے

زمین تک تیس فٹ کی بلندی پر ہیں اور باہر لان پر چوبی زینہ ہے۔ ڈنڈوں کا نشان تک نہیں۔ پھر اس کے علاوہ لوہے کی سلاخیں جو کھڑکیوں کے باہر لگی ہیں وہ جوں کی توں موجود ہیں۔ ان حالات میں عقل کام نہیں کرتی کہ کس طرح کوئی آدمی اس کمرے میں داخل ہوا۔"

"ممکن ہے وہ ظور علی کے ان چھوٹی قامت کے بونوں میں سے کوئی ہو جن میں سے ایک کو میں بھی دیکھ چکا ہوں۔"

"بونا کیا.......... دودھ پیتا بچہ بھی اس میں سے اندر نہیں آسکتا۔ تم نے ان پر غور نہیں کیا۔" سرفراز نے کہا۔

"لیکن وہ خون جو کھڑکی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔"

"ہاں.......... اسی خون نے تو پریشان کر دیا ہے.......... ویسے آج رات میں پھر یہاں قیام کروں گا۔ اگر تم چاہو تو تم بھی میرے ساتھ یہاں رکو۔"

"ایک بات بار بار ذہن میں آتی ہے سرفراز.......... اگر کوئی ترکیب ہو سکے تو یہ خنجر واپس ظور علی کو پہنچا دیا جائے اور ہاتھ جوڑ کر کہا جائے کہ بھائی.......... ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میرا مقصد.......... بابا عبدالحق جو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہو گئے ہیں اور ان کا کہیں کوئی پتا نہیں ہے۔ یہ صندوقچہ یا خزانہ میرے ہی لئے حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن معاملہ ہی الٹا ہو گیا۔ کئی ایسی مشکلیں پیش آگئی تھیں جو سمجھ میں ہی نہیں آتی تھیں۔ بہر حال.......... میں اور سرفراز اس رات بھی اس پُراسرار جگہ موجود تھے جہاں سے ہم اس جگہ کا بھرپور جائزہ لے سکتے تھے۔ رات کے نہ جانے کون سے پہر کی بات ہے کہ سیٹی بجنے کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور سرفراز نے میرا بازو دبایا۔ ہم دونوں مستعد ہو گئے۔ سرفراز دبے پاؤں آگے بڑھا اور قریب جا کر اس نے دروازہ ساتھ والے کمرے سے چند انچ کھول

دیا۔ میں بھی وہیں موجود تھا۔ مشرق کی وہ کھڑکی جس کی کل مرمت ہوئی تھی۔ پُرشور آواز کے ساتھ ٹوٹتی سنائی دی۔ زرد رنگ کا پردہ جو اس کے اندر لگا ہوا تھا ایک طرف ہٹا اور ایک لمبی سی چیز اس صندوق کی طرف بڑھی جس میں خنجر رکھا ہوا تھا۔ پھر یوں لگا جیسے کوئی شخص اندھیرے میں کسی چیز کو ٹٹولتا ہے۔ یہ آوازیں سن کر کم از کم میرا دل تو بڑی زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ باہر کی کھڑکی کی اونچائی تیس فٹ سے کم نہیں تھی لیکن جو اس تک پہنچا تھا وہ جن تھا جس نے زمین پر کھڑے ہو کر اپنا بازو کھڑکی تک پہنچایا اور اس کا شیشہ توڑ کر آہنی سلاخوں سے صندوق تک لے گیا۔ میرے سرد پسینے کے قطرات پیشانی پر نکل آئے تھے لیکن سرفراز کی حیرت مختلف تھی۔ جونہی وہ پُراسرار بازو جس کا ہاتھ کسی بہت بڑے کیکڑے کے پنجے سے ملتا تھا صندوق کی طرف بڑھا۔ سرفراز نے جلدی سے اپنے لباس سے ایک برقی مشعل نکالی اور اس کے دباتے ہی تیز روشنی ٹے ہوئے صندوق سے گزر کر اس ہاتھ تک گئی لیکن اتنے میں وہ چیز پیچھے ہٹنے لگی ور اس کے ساتھ ہی خنجر بھی.......... اچانک ہی شہباز کی آواز ابھری۔

"جلدی کرو سرفراز.......... کہیں وہ بھاگ ہی نہ جائیں۔ ادھر آکر کھڑکی کھولو۔" سرفراز تو مصروف تھا لیکن میں نے پاس والی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر اسے کھولا اور رفراز دوسری طرف چلا گیا۔ لیکن ہر طرف ویرانہ 'نہ آدمی نہ آدم زاد نہ کوئی زینہ زینے کا نشان.......... ہم لوگ متحیر رہ گئے تھے۔ شہباز میرے پہلو میں کھڑا تھا لیکن نے دیکھا کہ اس کا وہ ہاتھ جو میرے شانے پر رکھا تھا زور زور سے کانپ رہا ہے۔ لمحوں کے بعد سرفراز بھی ہماری طرف مڑا اس کے لیمپ کی روشنی میں شہباز کا چہرہ سرد اور سہما ہوا نظر آتا تھا جس طرح ایک بچے نے بھوتوں کا قصہ سنا ہو۔ جبکہ نیچے میں سپاہی بڑے اطمینان سے گشت کرتے پھر رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم میں ہر ایک کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ یہ صرف جنات کا کارنامہ ہے اور کوئی چیز نہیں

ہے اور ہم کچھ نہیں کرپائیں گے۔ باہر ایک دم ایک ہلکی سی آواز سنائی دی اور اس کے بعد چھت پر دوڑنے کی سی آوازیں لیکن بے کار.......... سب کچھ بے کار.......... البتہ بعد کی تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا کہ آنے والا دیوار سے کمند لگا کر اور بیلوں کو پکڑ پکڑ کر اترا اور چڑھا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ سرفراز نے بھی اس کا تجربہ کرکے دیکھا اور یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ بازو نما چیز جو ہم نے شیشے کے صندوق کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھی تھی دراصل ایک طرح کا آلہ تھا جس سے مالی درختوں کی شاخیں کاٹا کرتے ہیں۔ اس کے سرے پر اس طرح کا دستہ لگا ہوا تھا جس کو رسی کھینچ کر دور ہی سے کھولا اور بند کیا جاسکتا تھا لیکن وہ بات ہم تینوں کی سمجھ میں نہیں آسکی۔ وہ چیخ کی ہیبت ناک آواز تھی اور اس کے سلسلے میں کچھ بھی سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔ یہ رات خوف وندامت کی رات تھی۔ دن کی روشنی افق پر نمودار ہوئی تو ہم دونوں کے ہیبت ناک خیال کی تصدیق ہوگئی کیونکہ اس وقت ہم نے دیکھا کہ ایک آلہ جس کی کیفیت سرفراز نے بیان کی تھی اس جگہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے پاس خون کا چھوٹا سا ٹکڑا نظر آرہا تھا۔ جھک کر دیکھا تو ایک کٹا ہوا انسانی ہاتھ بے رنگ اور مردہ اس آلے کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا۔ اس ہاتھ کو دیکھ کر ہمارے دل ہل گئے تھے۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور کل رات کے ٹوٹے ہوئے شیشے کی نوک اب بھی اس میں چبھی ہوئی تھی۔ "کیا سمجھے..........؟" سرفراز نے مجھ سے کہا اور پھر ایک پُراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"جانتے ہو یہ ہاتھ کس کا ہے.......... مجھ سے زیادہ اسے اور کوئی نہیں پہچان سکتا جو شخص خنجر لے بھاگا ہے اس کا نام کرون ہے۔ یعنی مقامی نام شمریز۔"

سوال یہ ہے کہ اب وہ خنجر کس کے پاس ہے۔ کرون کے پاس یا طور علی کے پاس۔

☆------☆------☆

پھراس کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے خنجر کا مسئلہ ختم ہوگیا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پچھلے دنوں جو ہنگامہ آرائی رہی تھی اس نے میرے ہوش وحواس چھین لئے تھے اور میں اور سرفراز عجیب وغریب حالات کا شکار رہے تھے۔ کچھ دوسرے افراد بھی ان حالات کا شکار ہوگئے تھے۔ ایک سپاہی زندگی کھو بیٹھا تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن بہرحال.......... جو کچھ ہوا تھا ناقابلِ فہم تھا۔ البتہ خنجر کے عجائب گھر سے چوری ہونے کے بعد بڑا سکون چھا گیا تھا۔ پریشانی ہوئی تو انتظامیہ کے ان افراد کو ہوئی ہوگی جو اس سلسلے میں جواب دہی کے ذمہ دار تھے جیسے شہباز.......... لیکن اس شخص سے ہمارا کوئی گہرا واسطہ نہیں تھا۔ چند روز تک تو ہنگامہ آرائی رہی اور اس کے بعد سرفراز سے بھی میری ملاقاتیں کم ہوگئیں۔ ہمایوں نے البتہ دو تین بار فون پر بتایا تھا کہ اس کی مصروفیات کچھ بڑھ گئی ہیں۔ اس نے کہا تھا کہ اے میرے دوست تم اطمینان سے فلیٹ پر رہو۔ کہیں اور جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' جب تک میں واپس نہ آجاؤں کوئی فیصلہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ مجھے صورتِ حال کا علم ہے۔ ممکن ہے تمہارے لئے میں کوئی بہتر صورتِ حال دریافت کرسکوں۔ میں نے اپنا تجزیہ کیا۔ خاندان والوں کی طرف اب رخ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ ان لوگوں نے سوچا ہوگا کہ وہ قیمتی خزانہ حاصل کرنے کے بعد میں بابا عبدالحق کے ساتھ کہیں روپوش ہوگیا اور اب زندگی کے مزے لے رہا ہوں گا۔ ان جاہل بدبختوں کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ وہ خزانہ میرے لئے کتنا مشکل ثابت ہوا تھا۔ جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ بابا عبدالحق کے بارے میں بھی سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی کہیں موت کا شکار ہوگئے ہوں حالانکہ انہوں نے اس صندوقچے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا لیکن اب دماغ کو خراب کرنے سے فائدہ نہیں تھا۔ تو بات وطن اور اہلِ وطن کی ہو رہی تھی۔ ہمایوں

نے فون پر مجھ سے کہا تھا کہ فکر نہ کروں اور واقعی اس نے میرے لئے سارے انتظامات بھی کر دیئے تھے۔ بے شک لندن جانے کا خیال کئی بار دل میں آیا تھا لیکن اگر وطن میں واقعی کوئی سہارا مل جاتا ہے تو اپنا وطن وطن ہی ہوتا ہے۔ اہلِ وطن کو دور سے بھی دیکھ کر سکون ملتا ہے۔ جبکہ گوری چمڑی والے اپنے کلچر سے الگ لوگ کتنے ہی قریب آئیں لیکن اجنبی محسوس ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں پھر رک گیا اور اپنی تھوڑی بہت ذمہ داریوں کو پورا کر رہا تھا۔ میرے پاس کچھ رقم بھی تھی جو میرا ساتھ دے رہی تھی۔ زندگی کی ہر چیز میرے پاس موجود تھی لیکن جب کرنے کو کچھ نہیں ہوتا انسان کے پاس.......... تو وہ اپنے لئے مشکلیں تلاش کرتا ہے۔ خنجر والے معاملے کو بھولا تو خیر کسی صورت نہیں جاسکتا تھا لیکن بس.......... اس کی یادیں ذہن سے ذرا پرے ہی رکھنی تھیں لیکن پھر یہ سلسلہ دوبارہ جڑتا ہوا محسوس ہوا۔ اس دن میں ایک مخصوص علاقے سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس پُراسرار حسینہ کو دیکھا۔ وہ مجھ سے بے خبر سامنے چلی جارہی تھی اس کے چہرے پر نقاب تھا لیکن اس کی آنکھیں بھلا کیسے بھولی جاسکتی تھیں۔ میں برق رفتاری سے اس کے پیچھے چل پڑا۔ اسے میرے آنے کا علم نہیں تھا۔ بہرحال میں تیز رفتاری سے اس کا پیچھا کرتا ہوا اس بلڈنگ میں داخل ہوگیا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے فلیٹ کے دروازے تک پہنچ گیا۔ تب اسے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ میں اس کے پیچھے موجود ہوں۔ اس نے متجسس نظروں سے مجھے دیکھا۔ تب میں نے ہنس کر کہا۔

"اب آج بھی آپ وہی رویہ اختیار کریں گی یعنی آپ کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت اور حقارت ہوگی اور آپ تعجب سے پوچھیں گی کہ میں کون ہوں۔ آپ مجھے بالکل نہیں جانتیں۔" وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"آیئے.......... میرے ساتھ آیئے۔" میں اس کے پیچھے اندر داخل ہوگیا۔

اس کے فلیٹ میں سناٹا اور خاموشی تھی اور میں اس کا راز معلوم کرنے پر آمادہ تھا۔ فلیٹ کا دروازہ اس نے میرے سامنے ہی کھولا تھا۔ جس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ وہ جہاں بھی گئی تھی اپنے فلیٹ کو مقفل کر کے گئی تھی لیکن بہرحال میں اس کے راز کو جاننے کے لئے بڑی شدت سے طلبگار تھا۔ وہ اندر داخل ہو کر ایک کمرے کی جانب بڑھی اور میں اس کمرے میں داخل ہوگیا لیکن ابھی میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی کہ مجھے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"اپنے ہاتھ سر کے اوپر اٹھالو دوست.......... ورنہ کئی گولیاں بے آواز نکلیں گی اور تمہارے بدن میں گہرے سوراخ ہو جائیں گے۔" یہ ایک بھاری آواز تھی اور اس کے ساتھ ہی پُراسرار عورت نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور پھرتی سے میرے لباس کی تلاشی لینے لگی۔ سرفراز کا دیا ہوا پستول میرے پاس ہی رہتا تھا۔ اس نے وہ پستول میرے لباس سے نکال لیا اور میں اس کی پھرتی دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دل میں، میں نے سوچا کہ بیوقوف آدمی ایسی مصیبتیں خریدتے پھرتے ہیں تم خود اپنے لئے عذاب مول لے رہے ہو۔" اس آواز نے پھر کہا۔

"چلو.......... تم دروازہ بند کر دو شینا۔" اور لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا لیکن پہلی بار مجھے اندازہ ہوا تھا کہ لڑکی کا نام شینا ہے۔ پھر وہ شخص میرے سامنے آگیا جس نے مجھ پر پستول تانا تھا اور میں نے اسے ایک نظر دیکھ کر ہی پہچان لیا۔ یہ لازمی طور پر کرون تھا۔ کرون، لیکن وہ جس حالت میں تھا وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ اس کا چہرہ شدید زخمی تھا ماتھے پر پٹیاں کسی ہوئی تھیں اور وہ اس وقت بہت بُری حالت میں نظر آتا تھا۔ اس کا چہرہ اتنا لاغر ہو رہا تھا اور بدن اتنا کمزور کہ اسے دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی۔ وہ تو ایک شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ بہرحال اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"موت اتنی آسان چیز نہیں ہوتی.......... تم مجھے یہ بتاؤ کہ آخر تم شینا کے پیچھے

کیوں لگے ہوئے ہو اور اس وقت تمہارا یہاں آنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں کیا وہ خنجر آپ کے پاس موجود ہے..........؟"

"یہ میں تمہیں ذرا مکمل طریقے سے بتاؤں گا۔" اس نے کہا اور اس کے بعد پستول کے بل پر جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ میری مجبوری تھی۔ انہوں نے ایک موٹا رومال میرے منہ میں ٹھونس دیا اور گردن میں ایک رسی پیچھے کی سمت باندھ دی۔ کلائیوں کو پیٹھ کی جانب کسا اور پھر ایک طرف لے جا کر انہوں نے میرے بے بس بدن کو دیوار میں لگی ہوئی کھونٹیوں کے ساتھ مضبوطی سے کس دیا۔ بندھی ہوئی آنکھوں کی وجہ سے میں دیکھنے سے قاصر تھا لیکن ان آوازوں کی بنا پر جو کمرے میں پیدا ہو رہی تھیں معلوم ہوا کہ کرون اور شینا رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انہوں نے جلدی جلدی کچھ چیزیں اکٹھی کر کے باندھیں اور پھر کھلے دروازے سے باہر چلے گئے۔ خاموشی طاری ہو گئی۔ میری آواز تک بند تھی اور میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں لیکن پھر نہ جانے کیوں ایک عجیب سی بات ہوئی۔ قدموں کی چاپ ابھری اور اس کے بعد میری آنکھوں کی پٹی کھولی گئی۔ پھر میرے منہ سے وہ کپڑا نکال دیا گیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گئی۔ آہ.......... یہ مزید حیرت ناک بات تھی جس نے مجھے ششدر کر دیا تھا۔ کیا یہ اس کی ذاتی کوشش تھی..........؟ یا پھر کرون نے اجازت دی تھی اسے.......... میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ مجھے اس حالت میں کھڑے ہوئے بہت وقت گزر گیا تھا۔ ذہنی اور جسمانی تکلیف میں بے پناہ اضافہ ہونے لگا تھا۔ اس پر عجیب و غریب سوچیں.......... کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ..........؟ کاش بابا عبدالحق یہ ڈرامہ شروع نہ کرتے۔ ان کی ساری باتیں جھوٹ ثابت ہو گئی تھیں۔ وہ کون تھے.......... کیا

تھے..........؟ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بہرحال.......... بڑی پریشانی ہو رہی تھی اس وقت.......... کسی کو میرے بارے میں علم نہیں تھا کہ میں یہاں مقید ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں اس قید میں رہنے کے بعد میری زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔ رات کا وقت اور بھیانک سناٹا ہر طرف.......... میری اس وقت کی بُری حالت کا اندازہ شاید کسی کو نہ ہو سکے۔ میرے بازوؤں اور پیٹھ میں شدت کا درد ہونے لگا تھا۔ ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں مجھے لگ رہا تھا جیسے کوئی آنے والا ہے۔ ممکن ہے کوئی طُور علی کا نیا فن پارہ اور اس کے بعد درحقیقت چھت پر مجھے پاؤں کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دینے لگی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز میرا وہم ہے یا حقیقت.......... لیکن جس طرح کا خوف مجھ پر یہ آواز سن کر طاری ہوا میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ اگر منوں برف کسی آدمی کے دل پر رکھ دی جائے تو جو حالت اس کی ہو سکتی ہے وہ میرے دل کی تھی۔ بے بس اور محتاج میں یہاں کھڑا ہوا تھا اور ایک پُراسرار ہستی پُراسرار ذریعے سے خنجر کی تلاش میں مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور گھپ اندھیرے میں' میں بخوبی دیکھ سکتا تھا' میں نے ان کپڑوں میں سے ایک کو جو کھڑکیوں میں ٹنگے ہوئے تھے حرکت کرتے دیکھا۔ اس کے ایک لمحے کے بعد وہ پردہ ایک طرف کو ہٹ گیا اور ایک بدنما کبڑی صورت کھڑکی میں داخل ہونے کی کوشش کرتی نظر آئی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ ایک مڑا ہوا خنجر اس کے دانتوں میں دبا ہوا ہے۔ میری دہشت دیوانگی میں تبدیلی ہونے لگی۔ انتہائی جوش کے ساتھ میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی جو میرے لئے موت ثابت ہو رہی تھی۔ درد کی تیز ٹیس میرے بائیں شانے میں اٹھی اور ساتھ ہی بھیانک منظر.......... کھڑکی میں جھکی ہوئی پُراسرار صورت اس کے منہ میں پکڑا ہوا خنجر کمرہ

اور تنہائی کا احساس ہونا شروع ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی ایسا لگا تھا جیسے میں گہرے پانی میں گرتا جارہا ہوں۔ کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز اور پھر بے خبری اور بے ہوشی.......... میرا جسم و دماغ تھکن کا احساس فراموش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو سرفراز کے سامنے پایا۔ سرفراز نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئے لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم وہاں کیسے پہنچ گئے تھے..........؟"

"آہ.......... شاید.......... شاید میں کچھ نہ بتا سکوں اس بارے میں لیکن مجھے بھی یقین نہیں آرہا سرفراز.......... کہ اس اجنبی جگہ تم کیسے آگئے..........؟"

"بس اتفاق کی بات ہے یوں سمجھو کہ قدرت نے میری راہنمائی کی ہے۔ میں اس علاقے سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو اس کھڑکی کی جانب جاتے دیکھ لیا اور یہ شخصیت ایسی تھی کہ میں اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ برقی تاروں کے ذریعے اس کھڑکی تک پہنچا تھا۔ بس یہ سمجھو کہ عام لوگ ایسی جرأت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ بہرحال.......... وہ چالیس فٹ کی بلندی سے اتنی اوپر گیا تھا اور جب میں نے اسے ٹریس کیا تو وہ اتنی بلندی سے درخت پر کودا۔ پھر درخت سے زمین پر اور پھر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ بلی کی طرح ایک طرف کو بھاگ نکلا ہے۔"

"کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ کردن یا تمہارے الفاظ میں شمریز اسی مکان میں رہتا تھا۔"

"نہیں.......... میں یہ بات نہیں جانتا کیا ایسی بات ہے؟"

"ہاں.......... لیکن تمہارا کیا خیال ہے..........؟"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ خنجر اس وقت اس کے قبضے میں ہے اور شاید یوں لگتا

ہے جیسے طور علی کرون تک پہنچنے میں ناکام رہا ہے۔" سرفراز نے بے چینی سے اپنے دونوں ہاتھ ملے اور بولا۔

"اگر ایسی بات ہے تو ہمیں ایک خیال دل سے نکالنا ہوگا۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ طور علی کوئی غیر حقیقی شخصیت نہیں ہے۔ وہ بے شک ایک ایسے گروہ کا سربراہ ہے جو انتہائی خوفناک صلاحیتیں رکھتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کہ ہر ایک پر قابو پالیں، کیا کہتے ہو اس بارے میں؟"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"بقول تمہارے اگر خنجر کرون کے قبضے میں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایسا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو طور علی کا ہرکارہ اس عمارت تک پہنچنے کی کوشش نہ کرتا۔"

"شاید.......... شاید ایسا ہی ہو۔" بہرحال ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ بعد میں مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ ہمایوں ہی کا فلیٹ ہے۔ کافی دیر تک یہاں رہنے کے بعد سرفراز نے مجھ سے اجازت مانگی اور مسکرا کر بولا۔

یہ تو وہ والی بات ہے کہ ہم تو کمبل کو چھوڑنا چاہتے ہیں لیکن کمبل ہمیں نہیں چھوڑ رہا۔ یعنی یہ کہ یہ سلسلہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا۔ بہرحال دیکھتے ہیں۔" جب وہ چلا گیا تو میں نے اپنی کیفیت کا جائزہ لیا۔ میں نہ زخمی تھا نہ بیمار کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو مطمئن کرلیا۔ پھر وقت گزرتا رہا۔ رات حسب معمول گرم تھی اور کھڑکی سے باہر گاڑیوں کی آمد و رفت کا شور مدھم پڑ گیا تھا۔ نہ جانے رات کا کیا بجا تھا۔ چاروں طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے باہر سیاہ رات سیاہ مخمل کی طرح اندھیری چادر کی مانند فضائے بسیط پر پھیلی ہوئی تھی۔ نکھرے ہوئے صاف آسمان پر تاروں کے الماس روشن تھے۔ پھر میں کھڑکی کے

پاس سے ہٹ کر میز پر جا بیٹھا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ باہر کے دروازے پر ہلکی سی دستک سنائی دی۔ شاید یہ میرا وہم تھا یا میری دماغی پریشانی.......... میں اس دستک کو سنتا رہا پھر باہر آیا۔ ایک عجیب طرح کی دہشت مجھ پر سوار ہو گئی۔ میں نے جلدی سے بجلی کا بٹن دبایا اور اس کی روشنی میں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک دفعہ دل میں آیا کہ آگے بڑھ کر دروازہ کھول دوں لیکن پھر سوچا نہ جانے کون ہے یہ جو گھنٹی کی بجائے دروازہ بجا رہا ہے۔ اپنے کمرے میں واپس جا کر میں نے پستول جیب میں رکھا۔ دستک پھر سنائی دی اور پھر میں نے دیکھا کہ کسی نے لیٹر بکس کا ڈھکن جو دروازے میں لگا ہوا تھا ذرا سا اٹھایا۔ میں نے جھٹ بلب بلند کر دیا۔ دروازے کی طرف سے آنے والی مدہم روشنی اس بات کا ثبوت تھی کہ لیٹر بکس کا ڈھکن اب اونچا اٹھا ہوا ہے اور یہ باہر کے لیمپ کی روشنی تھی جو اس درز سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ بڑی خاموشی سے اس کو جھکا دیا گیا۔ پھر ایک بار وہی دستک سنائی دی۔ تو میں نے رعب دار لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے..........؟" لیکن میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ ایک عجیب طرح کی کشمکش میرے دل و دماغ میں برپا ہو گئی تھی کیا کروں.......... کیا نہ کروں.......... کون آیا ہے یہ..........؟ آدھا منٹ.......... ایک منٹ پھر وہی آواز سنائی دی۔ ایک قدم آگے بڑھ کر میں نے اور زیادہ گرجدار لہجے میں کہا۔

"کون ہے.......... کیا چاہتے ہو..........؟ اور جب تک نہیں بولو گے میں دروازہ نہیں کھولوں گا۔" لیٹر بکس کا ڈھکنا ہلنے لگا اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے بچاؤ کے لئے ایک عمل کیا اور میں دروازے کی طرف بڑھا اور پاس جا کر دو زانو بیٹھ گیا۔ ڈھکنا اب پوری طرح اٹھ گیا تھا۔ اس کے سوراخ کی راہ سے میں نے باہر کی طرف دیکھنے کی پوری طرح کوشش کی۔ روشنی میں دو آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں

لیکن میں ان کو دیکھ کر اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکا کہ وہ کس کی ہیں اور کون اس پُراسرار طریقے سے دروازے کے ساتھ لگا کھڑا ہوا ہے لیکن اب میری قوت برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔ کچھ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے پستول کی نال اس شگاف سے اندر داخل کی اور کہا۔

"تم کون ہو..........؟ میں فائر کرتا ہوں۔" لیکن اب بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ البتہ اچانک ہی ایک عجیب طرح کا دھواں اور غبار اس شگاف کی راہ سے اندر آتا محسوس ہوا اور صرف ایک لمحے کے اندر اندر مجھے اپنی آنکھیں' ناک اور منہ بند ہوتا محسوس ہوا' میرے اعصاب اس طرح میرا ساتھ چھوڑ گئے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے جا رہے ہیں۔ پستول پر بھی میری گرفت قائم نہ ہو پائی اور میں نے پستول گرنے کی آواز سنی لیکن یہ آخری ہوش کا احساس تھا جو مجھے ہوا اس کے بعد کوئی ایسا احساس نہ رہا۔

☆------☆------☆

پھر جب آنکھ کھلی تو میں نے محسوس کیا کہ میں ایک چھوٹے سے کمرے کے اندر خوش نما گدے دار صوفے پر پڑا ہوا ہوں۔ جگہ بالکل نئی ہے۔ ایک زرد رنگ کا کمرہ جس کی دیواروں پر زرد ریشم کے پردے لٹکے ہوئے تھے اور فرش پر زرد ہی رنگت کا ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔ چوبی فریم میں جلتی ہوئی شمع کی روشنی سبز شیشوں سے خارج ہو رہی تھی۔ سنہرے رنگ کی میزیں جن پر پتھر جڑے ہوئے تھے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں اول سے آخر تین ہی رنگ اس کمرے میں تھے۔ سنہرا' پیلا' سبز' ان کے علاوہ چوتھا رنگ نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے آنکھیں ملنے کی کوشش کی پھر پیشانی پر ہاتھ پھیرا دُکھتے ہوئے سر کو پکڑ کر دبایا لیکن یہ خواب جوں کا توں قائم تھا۔ میری پشت پر دو کارنس بنے ہوئے تھے۔ جن پر سونے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ جس صوفے پر میں

پڑا ہوا تھا اس کی رنگت زرد اور سنہری تھی۔ میں نے اس کمرے کو پھر اطمینان کے ساتھ دیکھنے کی کوشش کی لیکن نہ اس میں دروازہ تھا نہ کھڑکی.......... بالکل بند کمرہ صرف تین رنگوں میں گھرا ہوا۔ کمرے کی فضا بھاری اور کثیف تھی۔ بہرحال کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے..........؟ شاید کوئی قبر' دفعتاً میں نے ہلکی سفید لکیر پُراسرار دھوئیں کی شکل میں بل کھاتی ہوئی دیکھی' سونے کا بنا ہوا ایک اونچا سا بخور دان تھا جس میں لاتعداد فیروزے جڑے ہوئے تھے۔ بہرحال میں دیر تک مخمور نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ ایک بار میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کچھ اس طرح سے چکر آیا کہ آنکھیں خودبخود بند ہوگئیں۔ چنانچہ میں بے بسی سے پڑا رہا۔ بہرحال وقت زیادہ نہیں گزرا تھا کہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ ایک دراز قامت ڈھیلا ڈھالا زعفرانی لباس پہنے' پاؤں میں زرد جوتا اور سر پر سبز رنگ کی پگڑی.......... میرے سامنے نمودار ہوا' وہ ایک سفید داڑھی والا عمر رسیدہ آدمی تھا جس کا چہرہ انتہائی شاہانہ حیثیت رکھتا تھا۔ آنکھیں تیز اور ناک عقاب کی طرح مڑی ہوئی' سختی اور غصہ کسی پُرعتاب شخص کی شکل میں اس کے چہرے پر موجود تھا۔ اس نے دونوں بازو چھاتی پر باندھے اور متجسس نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنے ذہن پر قابو پایا اور غور سے اسے دیکھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ وہی شخص تھا جسے طور علی کے نام سے یاد کیا جاسکتا تھا۔ وہ بہت ہی وحشت انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ پھر اس نے بہت ہی نرم لہجے میں کہا۔

"اور میں جانتا ہوں کہ تم مجھے جانتے ہو شعور ظفریاب.......... میں نے یہاں تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے بلایا ہے۔ میں ماضی کی ایک بھی بات دہرانا نہیں چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں کی پولیس مجھے دن رات تلاش کر رہی ہے لیکن وہ میری تلاش میں کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ تاہم میں ضرورت سے ایک پل بھی زیادہ یہاں نہیں

ٹھہرنا چاہتا۔ ایک مقدس فرض کی ادائیگی مجھے اس جگہ لے کر آئی ہے۔ میرا وہ فرض پورا ہوگیا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں خصوصاً تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے اس خنجر کو چھونے کی کوشش نہیں کی اور اپنے لئے وہ سزا نہ تلاش کی۔ میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت خنجر میرے علم سے باہر ہوگیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے..........؟"

"اگر آپ ایسی ہی پُراسرار قوتوں کے مالک ہیں تو اپنی قوتوں سے پتا کیوں نہیں چلا لیتے۔"

"دیکھو' مجھ سے ایسی بات مت کرو جو مجھے مشتعل کردے۔ میرے دل میں تمہارے لئے برے خیالات نہیں ہیں۔ تمہیں یہاں لانے کا ایک خاص مقصد ہے اور میں اس خاص مقصد کی تکمیل چاہتا ہوں۔"

"بتاؤ.......... کیا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"تم کرون کو تلاش کرو۔ اس کی ساتھی لڑکی شینا تم سے متاثر ہے۔ اگر تم کرون کے بارے میں پتا لگا سکو تو میں تم سے رابطہ قائم رکھوں گا۔ مجھے اس کے بارے میں بتا دینا اور نتیجے میں تمہیں جو فائدے حاصل ہوسکتے ہیں' حاصل ہوں گے۔ میں اپنی مدد کرنے والوں کو بے یارومددگار نہیں چھوڑوں گا۔ اب آگے جو کچھ بھی ہوگا میری ضرورت کے تحت ہوگا۔ بس اتنا ہی کہنا تھا مجھے۔"

اس سے پہلے کہ میں کوئی ایک لفظ بھی اس سے کہتا' وہ پلٹا اور اس کے بعد اس طرح غائب ہوگیا کہ میں تصویرِ حیرت بنا رہ گیا۔ کوئی دروازہ کھلا تھا نہ بند ہوا تھا۔ وہ ہوا کی طرح اندر آیا تھا اور ہوا کی طرح غائب ہوگیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے چلا گیا..........؟ بہرحال میں پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن اچانک ہی ایک کارنس سے سبز رنگ کی ایک دھند بلند ہوئی اور میری نگاہوں کے سامنے چھانی شروع

ہوگئی۔ کچھ پُرشور آوازیں کانوں میں پیدا ہوئیں سر کے اطراف میں درد کی تیز لہریں اٹھیں' انتہائی کوشش کے باوجود میں اپنے حواس بحال نہ رکھ سکا اور پھر پیلے پانی کے سمندر میں غوطے کھاتا ہوا تحت الثریٰ میں اتر گیا اور جب آنکھ کھلی تو میں ہمایوں کے فلیٹ کے پاس دروازے سے پیشانی لگائے بیٹھا ہوا تھا اور میرے حواس میرا ساتھ چھوڑے جا رہے تھے۔ خداوند عالم کیا یہ سب ایک خواب تھا۔ وہ کمرہ اور وہ ماحول بہرحال......... سیدھی سیدھی سی بات تھی۔ سرفراز کے علاوہ بھلا کسی اور سے میں کیا کہہ سکتا تھا۔ سرفراز نے یہ ساری باتیں سننے کے بعد پُرجوش لہجے میں کہا۔

"تم نہیں جانتے میرے دوست......... تم نے ایک نہایت انوکھا اور سنسنی خیز انکشاف کیا ہے۔ واقعی......... بڑی عجیب بات ہے اور اس سے ایک خاص بات کا احساس ہوتا ہے۔"

"وہ کیا.........؟ .... ظاہر ہے کہ میرا ذہن اس قدر کام نہیں کرتا جتنا تمہارا سرفراز!"

"وہ یہ کہ طُورعلی کے بارے میں' میں پچھلے کافی دنوں سے کام کر رہا ہوں اصل میں فرقہ زربانیہ کی حیثیت کوئی ایسی نہیں ہے جسے نظرانداز کیا جاسکے۔ یہ جماعت طویل عرصے سے مصروفِ عمل ہے۔ اس کے زیادہ تر کام پُرتشدد رہے ہیں۔ دنیا کے کئی ملکوں میں اس کے بارے میں بہت سی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن سے ان کے خلاف نفرت کا تصور ابھرتا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے شعور......... اس کے سربراہ بھی بدلتے رہے ہیں۔ کیونکہ کوئی ایک شخص اتنی طویل عمر نہیں پاسکتا۔ کیونکہ طُورعلی کا نام میرے اپنے خیال میں تو ایک مسلسل اور طویل کہانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب کم از کم یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ طُورعلی بے شک ایک شعبدہ گر ہے اور ایسے عمل کر سکتا ہے جس سے عام لوگ اسے مافوق الفطرت سمجھیں لیکن درحقیقت وہ

مافوق الفطرت نہیں ہے۔ بلکہ عام دنیا ہی کا ایک انسان ہے اور اس کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ کرون کے سلسلے میں وہ تم سے مدد لینا چاہتا ہے اور خود اس کی تلاش میں ناکام ہوگیا ہے۔ کرون کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ ایک بہت ہی مکمل مجرم ہے' اور......... بے شمار روایتوں سے منسوب۔ ایسی شکل میں تم یہ سمجھ لو کہ اب کرون اور طُورعلی آمنے سامنے آگئے ہیں اور یہ ایک بہترین موقع ہے کہ ہم ان میں سے کسی ایک پر ہاتھ ڈال دیں۔ طُورعلی بھی آسانی سے کرون کو وہ پُراسرار خنجر لے کر نکلنے نہیں دے گا۔ ادھر کرون جو تمہارے کہنے کے مطابق سخت زخمی ہوچکا ہے اور وہ بھی طُورعلی کے ہاتھوں......... وہ بھی اپنے طور پر اپنی تمام صلاحیتیں صرف کردے گا اور ہم بے صلاحیت لوگ........." سرفراز کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔ بہرحال......... سرفراز تو چلا گیا تھا وہ ایک پولیس آفیسر تھا اور اسے زندگی میں ہمیشہ ہی پُراسرار اور خطرناک واقعات کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن میں تو ایک عام سا آدمی تھا جو ایک انوکھے جال میں گرفتار ہوگیا تھا۔ میرے ہوش و حواس میرا ساتھ چھوڑتے نظر آتے تھے۔ عجیب عجیب شکلیں مجھے اپنے سامنے پھرتی نظر آتی تھیں۔ بدنما بونے بندر منہ چڑاتے تھے۔ کٹے ہوئے ہاتھ کھولتے اور کستے نظر آتے تھے۔ تیز دھار والے خنجر آنکھوں کے سامنے رقص کرتے تھے۔ کبھی طُورعلی کی شاندار شخصیت اور کبھی کرون کا پٹیوں سے ڈھکا ہوا چہرہ......... اور کبھی شینا کی حسین آنکھیں......... بہرحال ہمایوں ایسا غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ' اگر وہ ہوتا تو تھوڑی سی سہولت رہتی لیکن بہرحال وقت گزر رہا تھا لیکن واقعی کمبل ہمارا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس وقت بھی میں فلیٹ میں ہی تھا جس وقت دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے باہر جاکر دروازہ کھول دیا اور میرے ہوش مجھ سے رخصت ہونے لگے۔ آنے والا طُورعلی ہی تھا لیکن ایک ایسے

خوبصورت بے داغ سوٹ میں ملبوس جس میں کوئی شکن نہیں تھی۔ شاندار کوٹ شاندار پتلون سفید رنگ کی قمیض اور سفید ہی ٹائی.......... سر پر سفید پگڑی بندھی ہوئی کیا' دیکھنے کے قابل شخصیت تھی۔ عمر رسیدہ لیکن بالکل سیدھی سادی..........

میری آواز بند ہوگئی تھی بہرحال وہ اندر داخل ہوگیا اور کہنے لگا۔

"اب ضروری ہے کہ میرا تم سے رابطہ رہے شعور ظفریاب.......... کیونکہ تم اس وقت میرے لئے ایک مہرہ بنے ہوئے ہو۔ یہ دیکھو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سامنے کردی اور بولا۔

"یہ موت ہے.......... اسے موت کہتے ہیں اور یقین رکھو ایسی موت تم نے اس سے پہلے نہیں دیکھی ہوگی۔" بہرحال اس نے کہا۔

"اور کچھ وقت گزرے گا جب ایک عورت تم سے ملنے کے لئے آئے گی اور اس عورت کو تم بھی جانتے ہو اور میں بھی.......... لیکن میں چاہتا ہوں کہ یہ ملاقات میرے سامنے ہو۔" اس کی تیز عقابی آنکھوں میں جوش کی آگ شعلہ زن تھی۔ اس نے چھڑی کا رخ میرے سینے کی جانب کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہمیشہ ان لمحات سے جب یہ موت تم پر نازل ہوجائے.......... اس وقت اتنا ہی کہوں گا کیونکہ ابھی کچھ لمحوں کے بعد وہ عورت تمہارے سامنے پہنچنے والی ہے۔ میں تمہارے فلیٹ کی سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی آواز سن رہا ہوں۔ جاؤ.......... اس کے لئے دروازہ کھولو وہ آگئی ہے لیکن ذہن میں رکھنا کہ میں تم سے دور نہ ہوں گا۔" اور اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ اس پُراسرار شخص کے بارے میں پہلے بھی میرے خیالات ایسے نہیں تھے کہ میں اسے بہتر شخصیت سمجھتا۔ بہرحال میں نے جاکر دروازہ کھول دیا اور میں نے شینا کو دیکھا۔ وہ ایک خوبصورت لباس پہنے ہوئے کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں میں وہی نہ بجھنے والے چراغ تھے۔ اس نے پُرسکون لہجے میں

کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے مسٹر شعور.......... کہ اس قصے کو ختم کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔ تم جانتے ہو میں کس کی طرف سے آئی ہوں اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ کون ہے۔ وہ خنجر اب کرون کے پاس موجود ہے اور کرون اسے واپس کرنے کے لئے تیار ہے لیکن معاوضہ لے کر کیا سمجھے..........؟"

"آپ اندر نہیں آئیں گی خاتون.........." میں نے ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا اور وہ ایک حیرت انگیز سکون کے ساتھ اندر داخل ہوگئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا اور اس نے بھی دیکھا۔ وہ بھی ساکت رہ گئی تھی۔ طور علی سامنے کھڑا ہوا تھا لیکن شینا پر اس کی موجودگی کے آثار کچھ پریشان کن نمودار ہوئے' وہ طور علی کے سامنے مرعوب اور مسحور ہوگئی تھی اور اس کے چہرے پر سہمے سہمے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی اور دیوار کے سامنے جالگی۔ میں نے اس کے چہرے کو زرد ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی کرخت سی آواز نکلی۔

"تم.......... تم.........." طور علی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کو سامنے کرکے اندر آنے کا اشارہ کیا لیکن شینا کے پاؤں آگے نہ بڑھ سکے اور اس کی آنکھیں طور علی کا جائزہ لیتی رہیں۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"میرا پستول میز کے بائیں خانے میں بھرا ہوا رکھا ہے۔ اندر جاؤ اور اسے نکال لو۔" وہ میرا مطلب سمجھ گئی۔ اس کے اندر زندگی پیدا ہوئی اور وہ آہستہ آہستہ کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ طور علی ہم دونوں کے پیچھے.......... مگر وہ دروازے کے پاس رک گیا۔ اس طرح میں اور شینا دوسری جانب اور وہ ہم دونوں کے پیچھے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم شعور کی معرفت اس خنجر کے بارے میں سمجھوتا کرنے آئی

ہو اور کرون نے اس کے لئے ایک معاوضہ مقرر کیا ہے لیکن اس کتے کو یہ اندازہ نہیں کہ یہ خنجر نہ فروخت ہو سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی بے حرمتی کر سکتا ہے۔ یہ زربانیوں کا مقدس نشان ہے اور اس مقدس نشان کو کوئی بے حرمت کرنے والا کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا سمجھیں..........؟ دیکھو میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے اب کوئی مزید زندگی نہ کھوئے۔ میں اگر چاہوں تو تم دونوں کو اس جگہ کھڑے کھڑے ختم کر سکتا ہوں لیکن میں بے سبب خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ میں جانتا تھا کہ تم دونوں جلد ملو گے' اور آپس میں کوئی منصوبہ گڑھو گے لیکن میری بات سنو.......... کرون کو اس کی منہ مانگی قیمت دی جا سکتی تھی دولت ہمارے لئے ایک بے حیثیت چیز ہے لیکن وہ خنجر فروخت نہیں ہو سکتا۔ کل دوپہر سے پہلے وہ پھر اس مقام پر پہنچ جائے گا جہاں سے اس مردود کرون نے اس نے چرایا تھا اس کا حال مجھے معلوم ہے اور جس طرح میں کہتا ہوں اسی طرح ہوگا۔ اس تجوری کی دو چابیاں ہیں۔ ایک میرے حوالے کر دو۔ دوسری جس کے پاس رہنی چاہئے رہنے دی جائے۔ اس سے کہہ دو کہ خاموش رہے ورنہ اس کی اپنی زندگی خطرے میں ہوگی۔" اس نے سیاہ رنگ کی نالی لڑکی کی طرف کی اور کہا۔

"لاؤ.......... وہ چابی مجھے دے دو۔ لاؤ.........." شینا کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ اس نے کہا۔

"نہیں.......... تم یقین کرو۔ میرے پاس وہ چابی نہیں ہے۔ کسی طور پر میں وہ چابی مہیا نہیں کر سکتی۔" طور علی نے ایک طرف دیکھا کچھ سوچا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ ایک کھڑکی کے قریب پہنچا اور کھڑکی تھوڑی سی کھول کر باہر جھانکنے لگا اور اسی وقت مجھ پر ایک جنون سوار ہو گیا۔ شینا تو خیر ایک عورت تھی لیکن اس جنون کے بارے میں' میں دعوے سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ بہرحال اس جنون نے مجھے موقع فراہم

کر دیا اور انجام سے لاپرواہ ہو کر میں نے طور علی پر چھلانگ لگا دی۔ میں جانتا تھا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ میرے لئے موت کے مترادف ہے لیکن کر ڈالا تھا میں نے۔ میری زور دار ٹکر نے اسے کھڑکی سے ٹکرایا اور اس کے بعد اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر میں نے بے تحاشا اس پر مکوں کی بارش کر دی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا تو میں نے اس نالی پر ہاتھ ڈال دیا جو چھڑی کی شکل میں تھی اور اس وقت شینا کی دہشت آمیز چیخیں ابھریں لیکن میں نے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ اس وقت مجھ پر ایک انوکھا جنون سوار تھا۔ البتہ چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہو گیا کہ وہ اپنی عمر اور سفید داڑھی کے باوجود کسی تیندوے جیسی چستی اور شیر جیسی طاقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ چند ہی لمحوں میں اس نے مجھ پر قابو پا لیا۔ چھڑی دوبارہ اس کے ہاتھ میں آ گئی اور اس نے زور سے دھکا دے کر مجھے گرا دیا۔ پھر راستے میں بکھرے ہوئے سامان کو گراتا ہوا اندھا دھند دروازے کی طرف بھاگا اور دروازے میں رک کر اس نے میری طرف دیکھا۔ آہ.......... اس وقت اس کا چہرہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس کے دانت حیوان کی مانند ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور چال اس دہشت زدہ ہاتھی کی تھی جو راستے کی ہر رکاوٹ کو توڑتا ہوا جاتا ہو' میں نے پھر اس کی طرف چھلانگ لگائی لیکن باہر کا دروازہ پُرزور آواز کے ساتھ بند ہو گیا تھا۔ میرے عقب میں شینا مجسم دہشت بنی ہوئی کھڑی تھی لیکن اس نے جو عمل کیا وہ میرے لئے ناقابلِ یقین تھا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ خوف و دہشت کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کر سکے گی لیکن دوسرے لمحے اس نے بھی دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور اس طرح باہر نکل گئی جس طرح صابن سے بال.......... میں چکرا کر رہ گیا تھا لیکن جب میں باہر نکلا تو سامنے کی راہداری اس طرح خاموش اور سنسان تھی جیسے یہاں سے برسوں سے کوئی انسان نہ گزرا ہو۔ میرے خدا.......... میرے خدا.......... میں نے کچھ اور قدم آگے جانے کے بعد

مایوسی سے سوچا اور کچھ لمحے کھڑے رہنے کے بعد فلیٹ کی جانب بڑھا۔

☆======☆======☆

میں جانتا تھا کہ ہر داستان کا ایک اختتام ہوتا ہے۔ اس کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر وہ آگے بڑھتی ہے۔ اس میں ہیجان خیز دلچسپیاں پیدا ہوتی ہیں اور آخر کار اس کا کلائمکس ہو جاتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ داستان کافی طویل ہو گئی ہے۔ اس کا کلائمکس کیا ہو گا..........؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پھر اتفاق سے ایک دن ایک ایسے شخص سے ملاقات ہو گئی جس کا تعلق ہمارے گھر سے تھا۔ یہ قدیم ملازم تھا جسے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ سرِ راہ ملا تھا بڑی محبت و عقیدت سے ملا۔ چونکہ ملازم تھا اور ان سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے بھی اسے عزت دی۔ گھر کے لوگوں کے بارے میں بات چیت ہوئی۔ تو اس نے کہا۔

"سب اپنے طور پر مشکلوں کا شکار ہیں۔ ہر ایک کے دل میں یہ حسرت ہے کہ کاش اسے وہ خزانہ مل جاتا.......... صاحب ایک بات تو ہم کہتے ہیں کہ ہم بہت خوش نصیب ہیں کہ ہمارے دلوں میں دولت کی ہوس ہی نہیں ہوتی۔ بات یہ نہیں ہے کہ ہم دولت نہ چاہتے ہوں۔ بلکہ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہمارے پاس اس کے حصول کے ذرائع نہیں ہوتے۔ جب یہ ممکن ہی نہیں ہے تو پھر انسان کسی ایسی چیز کے لئے پریشان کیوں ہو۔" واقعی بڑی دلچسپ بات تھی۔ میں ہنس پڑا میں نے کہا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ مجھے.......... یہ بابا عبدالحق کتنے عرصے سے ہمارے ہاں کام کرتے تھے۔ انہیں کون جانتا ہے..........؟"

"صاحب............ ایک بات بتائیں آپ کو............ ان بابا عبدالحق کو کسی نے گھر میں ملازم نہیں رکھا تھا ایک دن خود ہی آ گئے تھے۔ گھر کے کام کاج سنبھال لئے تھے اور یہ بات کوئی بھی نہیں جانتا ہوگا کہ راتوں کو کچھ پُراسرار لوگ ان سے آ کر ملاقات کرتے تھے۔ ہم نے تو ایک بار دیکھا تھا۔ ایک ایسا آدمی ان سے ملنے آیا تھا جو بہت زیادہ عمر کا معلوم ہوتا تھا۔ مگر کیا صحت تھی۔ سفید داڑھی' سفید لباس مگر صحت بہت اچھی تھی اس کی۔ میں نے مزید حلیہ پوچھا تو یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ طور علی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس کا مطلب تھا کہ بابا عبدالحق بھی اس فرقے کے رکن تھے اور کسی خاص وجہ سے انہوں نے ہمارے گھر میں آ کر پناہ لی تھی۔ اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچا جاسکتا تھا۔ بہرحال یہ معلوم ہوجانے کے بعد طبیعت پر ایک اور تکدر سوار ہوگیا تھا۔ انسان کس پر بھروسہ کرے اور کس پر نہ کرے۔ ظاہر ہے بابا عبدالحق غائب ہوگئے تھے۔ کہیں اور چلے گئے ہوں گے۔ بہرحال اس پُراسرار واقعے کے بعد کچھ اور دن اسی طرح گزر گئے' ہمایوں نے نہ آنے کا فیصلہ کرلیا تھا بس کبھی کبھی اس کی ٹیلی فون کال آجایا کرتی تھی۔ کاروباری آدمی تھا کاروبار میں اس طرح گرفتار ہوگیا تھا کہ معذرت ہی کرتا رہتا تھا؟ ایک دو بار اس نے ان حالات کے بارے میں بھی پوچھا تھا جن میں کچھ کا رازداں وہ خود بھی تھا لیکن ظاہر ہے اسے پُراسرار کہانیاں سنا کر ہمیں کیا حاصل ہوتا۔ چنانچہ خاموشی ہی اختیار کی گئی۔ ایک دن سرفراز نے ایک اور کہانی سنائی جو میرے لئے باعثِ دلچسپی تھی' کہنے لگا............

"سننا چاہتے ہو ایک اور نئی بات!"

"کئی دن ہوگئے نئی بات سنے ہوئے اور میں تو تمہیں وہ نئی بات سنا چکا ہوں۔"

"یہ میری کہانی بھی اسی بات سے منسلک لگتی ہے۔" سرفراز بولا اور مجھے ہنسی آگئی۔

"چلو ٹھیک ہے ہم ایک دوسرے کو کہانیاں سنا کر ہی خوش ہولیا کریں۔ کیا ہرج ہے۔"

"ہمارے ایک مخصوص محکمے کو جس کا تعلق نوادرات و عجائبات سے ہے اور سرکاری میوزیم جس کی تحویل میں چلتا ہے ایک پیشکش موصول ہوئی ہے اور بڑی فراخ دلی اور آزادی کے ساتھ موصول ہوئی ہے۔ جانتے ہو وہ پیشکش کیا ہے............؟"

"ابھی نہیں جانتا۔"

"وہ پیشکش کرون کی طرف سے ہے۔ جس نے ایک خط میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ تاریخی خنجر جو نوادرات کی دنیا میں ایک نایاب شے کی حیثیت اختیار کرچکا ہے' اس کے پاس موجود ہے اور وہ اس خنجر کو مناسب معاوضے پر حکومت کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دنیا بھر میں اس خنجر کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں اور بے شمار ادارے اس میں دلچسپی لیں گے۔ اس خنجر کے لئے حکومت اگر اسے مناسب معاوضہ ادا کردے تو وہ یہ خنجر حکومت کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہے۔"

"ویری گڈ............ کیا خیال ہے سرفراز............ اس پیشکش کے بارے میں تم کیا کہتے ہو............؟"

"بظاہر اس کی ایک ہی حقیقت معلوم ہوتی ہے اور وہ بھی تمہارے بیان کی روشنی میں............" سرفراز نے کہا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تو کچھ لمحے خاموش رہ کر وہ بولا۔

"یہ بات مجھے تم ہی نے بتائی ہے کہ کرون اس خنجر کو فروخت کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ خنجر طور علی کے حوالے کرنے کو بھی تیار تھا جبکہ طور علی کا کہنا ہے کہ اس مقدس

خنجر کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ طُور علی سے مایوس ہو کر کرون اب اس خنجر کو ہماری حکومت کے ہاتھوں فروخت کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ گھبرا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ شدید زخمی ہونے کی وجہ سے یہاں سے نکلنے میں بھی کامیاب نہ ہو پا رہا ہو۔ کیونکہ بہرحال طُور علی ہزار آنکھوں سے اس کی نگرانی کر رہا ہے اور یقینی طور پر اس نے باہر جانے والے راستوں کو اپنی نگاہ میں رکھا ہو گا۔ یہ بات کرون یا شمریز بھی جانتا ہے چنانچہ اب اس نے یہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے............؟ کیا حکومت کوئی ایسا احمقانہ قدم اٹھانے پر تیار ہو جائے گی؟ جب وہ خنجر میوزیم میں تھا تو کیا میوزیم کے انچارج شہباز کی یہ خواہش نہیں تھی کہ یہ خنجر جلد از جلد میوزیم سے چوری ہو جائے اور اس کے چوری ہونے کے بعد کتنے لوگوں نے سکون کی سانس لی تھی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔"

"تمہارے علم میں ایسی کوئی بات ہے؟"

"بالکل نہیں............ میں نے کہا نا اس پیشکش کے بارے میں مجھے سرکاری طور پر اطلاع دی گئی ہے لیکن یہ نہیں کہ حکومت اس کو خریدنے میں کسی دلچسپی کا اظہار کر رہی ہے۔"

"اظہار ہونا بھی نہیں چاہئے۔ ویسے ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کرون شاید ان حالات سے گھبرا گیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ طُور علی اسے وہ خنجر لے کر نکلنے نہیں دے گا۔" بہرحال یہ دلچسپ اطلاع تھی جو مجھے سرفراز کے ذریعے ملی تھی۔ عارضی طور پر صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ اس خنجر سے متعلق دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر اس دن دوپہر کے وقت مجھے ایک ٹیلی فون کال موصول ہوئی۔ جس میں کسی لڑکی نے کہا۔

"مسٹر شعور بول رہے ہیں۔"

"جی آپ کون ہیں............؟"

"جی میں محکمہ خفیہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ آپ کے دوست مسٹر سرفراز نے آپ کو میوزیم میں طلب کیا ہے۔ ٹھیک دو بجے وہ میوزیم میں آپ کا انتظار کریں گے۔ آپ براہ کرم وہاں پہنچ جائیں۔" اس کے بعد فون بند ہو گیا۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر میں نے گردن ہلا کر گھڑی میں وقت دیکھا ابھی تھوڑی دیر تھی۔ چنانچہ میں تیاریاں کر کے باہر نکل آیا۔ ہو سکتا ہے کہ سرفراز مجھے میوزیم میں بلا کر کوئی دلچسپ انکشاف کرنا چاہتا ہو۔ میں راستے طے کرتا ہوا آخر کار میوزیم میں داخل ہو گیا اور پھر سرفراز کو تلاش کرتا ہوا اس ہال میں پہنچا جہاں بڑی دلچسپ کارروائیاں میرے سامنے ہی ہو چکی تھیں۔ ایسی کارروائیاں جنہیں آسانی سے نہیں بھلایا جا سکتا۔ ہال کی مرمت کرا دی گئی تھی۔ شیشے کا صندوق بھی اپنی جگہ ثابت و سالم موجود تھا۔ جس میں بڑی خوفناک چیز رکھی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی ابھی وہ خنجر اس شیشے کے تابوت میں واپس آ جائے گا۔ مگر مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ سرفراز مجھے بلانے کے باوجود یہاں موجود نہیں ہے' یہ بات حیران کن تھی' میری نگاہیں اسے چاروں طرف تلاش کر رہی تھیں۔ جو لوگ یہاں ہونے والے پُراسرار واقعات کے بارے میں نہیں جانتے تھے وہ آزادی سے سیر و سیاحت کر رہے تھے اور عجائب گھر کی مختلف چیزیں دیکھتے پھر رہے تھے' لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ یہ جگہ اس وقت بھی کتنی زہر آلود ہے' کسی بھی لمحے کوئی بھی حادثہ یہاں متوقع ہے اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگیاں بھی خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ میری متجسس نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں' بے شک ابھی تک مجھے کوئی پُراسرار چیز نظر نہیں آئی تھی اور یہ احساس ہو رہا تھا کہ کوئی

سنسنی خیز واقعہ یقینی طور پر ہونے والا ہے اور اس کے نتیجے میں کوئی گڑبڑ ضرور ہوگی' چنانچہ میں انتظار کرتا رہا' سرفراز سے ایسی غلطی کی امید نہیں تھی لیکن ہوتا ہے کبھی کبھی ذمہ دار سے ذمہ دار انسان کوئی چھوٹی سی مشکل میں گرفتار ہو کر اپنی تمام ذمہ داریاں کھو سکتا ہے۔ بہرطور میں انتظار کرتا رہا پھر مجھ پر بیزاری سوار ہونے لگی' میں نے سوچا کہ کسی طرح سرفراز کو تلاش کیا جائے' اس سے رابطہ قائم کیا جائے' اسی وقت ایک نوجوان لڑکا جو چہرے سے عجائب گھر کا ملازم معلوم ہوتا تھا' میرے پاس پہنچا اور اس نے کہا۔

"شعور آپ ہی کا نام ہے؟"

"ہاں کہو............؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا............

"باہر سرخ رنگ کی ایک کار میں ایک شناسا بیٹھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں براہ کرم ان سے ملاقات کر لیجئے۔" میں نے حیرانی سے لڑکے کو دیکھا' کچھ سوچا' میری شناسا' تعجب کی بات ہے' میوزیم کا خاصا فاصلہ طے کیا اس دوران شہباز بھی نظر نہیں آیا تھا' یہ فاصلے طے کرنے کے بعد میں میوزیم کے پارکنگ میں آیا' میوزیم کی پارکنگ میں سرخ رنگ کی ایک کار موجود تھی اور اس کا اندازہ ایک لمحے کے اندر اندر ہو گیا تھا کہ کار کی سیٹ پر کوئی محترمہ موجود ہیں' ہلکے کاسنی رنگ کا لباس دور ہی سے لہرا رہا تھا' جو کار کی رنگت سے ہم آہنگ محسوس ہوتا تھا۔ بہرطور پھر چند لمحات کے بعد میں وہاں پہنچ گیا' قیمتی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر جو شکل مجھے نظر آئی' وہ اس کار سے زیادہ قیمتی تھی' یہ شینا ہی تھی' اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی وہ بے حد دلکش نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھ کر شناسائی کے انداز میں گردن ہلائی اور برابر کی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا' میں کچھ نہ سمجھ کر اس کے پاس جا بیٹھا۔ کار کا بے آواز انجن اسٹارٹ تھا اور اس میں کوئی تھرتھراہٹ نہیں تھی' میرے بیٹھتے ہی شینا نے

کار آگے بڑھادی تو میں نے چونک کر کہا۔

"کہاں؟"

"جہاں بھی لے جا رہی ہوں آپ کو' آپ براہِ کرم اس پر تردد نہیں کیجئے گا' وہ بہتر جگہ ہی ہوگی۔" شینا نے کہا۔

"شکر ہے آج آپ نے مجھ سے ناشناسائی کا اظہار نہیں کیا۔" میرے ان الفاظ پر وہ مسکرا کر خاموش ہوگئی' نہ جانے کس خیال کے تحت میں نے چونک کر کہا۔

"ایک بات بتائیے............؟"

"جی!"

"کیا آپ ہی نے مجھے فون کیا تھا اور سرفراز کا حوالہ دیا تھا؟"

"جی............!" اس نے جواب دیا اور میں بری طرح چونک پڑا' میں نے تو ایسے ہی یہ الفاظ کہہ دیئے تھے لیکن تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ تاہم میں نے حیران لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ نے ایسے کیوں کیا؟"

"اس لئے کہ یہ ایک شناسا جگہ تھی اور میں آپ کو یہیں بلا سکتی تھی۔"

"لیکن پھر آپ نے مجھ سے باہر ہی رابطہ کیوں نہ قائم کیا............؟"

"مجھے کچھ دیر ہوگئی تھی۔"

"ہوں' کیا کام تھا مجھ سے............؟"

"بتا دوں گی' اتنی جلد بازی کیا ہے۔"

"اور جا کہاں رہی ہیں آپ؟"

"ایک ایسی جگہ جو آپ کے لئے نامانوس ہے لیکن وہاں آپ کو لے جانا ضروری تھا۔"

میں گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا یہ طلسمی واقعات پہلے ہی میرے لئے کون سے خوشگوار تھے جو اب ہوتے۔ حالانکہ شینا کی صورت نہ جانے کیوں مجھے ہمیشہ ہی دلکش لگی تھی لیکن جس انداز میں وہ میرے سامنے آئی تھی وہ ناخوشگوار تھا' بہرطور جس جگہ وہ مجھے لے گئی وہ ایک خوبصورت عمارت تھی اور اس عمارت کے ایک کمرے میں مجھے کرون کا سامنا کرنا پڑا' کرون بستر پر دراز تھا۔ اس کی ظاہری کیفیت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بُری حالت میں ہے' پٹیاں اب بھی اس کے جسم پر بندھی ہوئی تھیں' آنکھوں سے ایسا اظہار ہوتا تھا جیسے وہ شدید اذیت میں مبتلا ہو' مجھے دیکھ کر اس نے کہا۔

"مسٹر شعور ظفریاب علی آیئے' کرون آپ کو دوستانہ انداز میں اپنے پاس خوش آمدید کہتا ہے براہ کرم تشریف رکھئے۔" میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا میں کرون کو نہیں جانتا تھا لیکن اس کے بارے میں جو تفصیلات سرفراز کے ذریعے مجھے حاصل ہوئی تھیں ان کے تحت مجھے یہ اندازہ تھا کہ وہ دنیا کے خطرناک ترین مجرموں میں شمار ہوتا ہے۔ اس وقت یہ شخص بے بسی کے عالم میں میرے سامنے موجود تھا اس نے میرے بیٹھنے کے بعد گہری سانس لے کر کہا۔

"شینا! کیا تم اپنے معزز مہمان کی کچھ خاطرمدارت نہیں کروگی؟"

"کیوں نہیں۔"

"براہ کرم ایسی کسی الجھن میں گرفتار نہ ہوں' میں اس وقت کسی چیز کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"اصل بات یہ ہے مسٹر شعور کہ آپ ان سارے معاملات سے ایک غیر متعلق شخصیت کے مالک ہیں۔ اگر آپ براہ راست اس خنجر کے سلسلے میں ملوث ہوتے تو شاید میں آپ سے بھی رابطہ نہ کرسکتا' اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خنجر عجیب وغریب

روایات کا حامل ہے' اپنے بارے میں مختصراً آپ سے اتنا ہی عرض کروں گا کہ میں نے زندگی میں ہمیشہ وہ کام سرانجام دیئے ہیں جو دوسروں سے ممکن نہیں ہوسکے۔ اس خنجر کے بارے میں مجھے تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میری تمام تر دلچسپیاں اس سے میں ملوث ہوگئیں اور آخر کار میں نے اسے حاصل کرلیا لیکن اب اسے بدقسمتی ہی کہا جاسکتا ہے کہ میں اس کے حصول میں شدید زخمی ہوگیا' میرے زخم اور میری کیفیت اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ میں اسے زیادہ عرصے اپنے پاس حفاظت سے نہیں رکھ سکتا' میں نے آپ کی حکومت سے بھی درخواست کی تھی کہ اگر وہ چاہے تو اسے اپنی تحویل میں لے لے' اور مجھے ایک معقول معاوضہ ادا کردے لیکن اب مجھے یہ اندازہ ہوگیا کہ کوئی اسے اس حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے' چنانچہ مسٹر شعور' ایک شریفانہ معاہدے کے تحت میں اس خنجر کو امانتاً آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں' آپ اسے محفوظ رکھئے گا اور سنئے زربانیوں کے بارے میں' میں نے خاصی معلومات حاصل کی ہیں' یہ ایک خاص فرقہ ہے جو عرصہ دراز سے اپنی پُراسرار روایت کے ساتھ زندہ ہے۔ اس کا سربراہ کوئی طور علی نامی شخص تھا' لیکن وہ تھا ہے نہیں' ہاں اس نام کو بڑے اطمینان یا اہتمام کے ساتھ زندہ رکھا گیا ہے اور مختلف لوگ اس کردار کو ادا کرتے رہے ہیں' زربانیوں کا موجودہ سربراہ بھی ایک شاطر اور چالاک شخص ہے اور وہ اس خنجر سے متعلق روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہے لیکن مسٹر شعور' یہ حقیقت ہے کہ یہ کوئی غیرانسانی کارنامہ نہیں ہے۔ انسان ہی اس سلسلے میں مصروفِ عمل ہے۔ تو کیا براہ کرم آپ دوستانہ بنیادوں پر یہ کام کرسکتے ہیں' آپ کے بارے میں مجھے علم ہوچکا ہے کہ آپ کچھ مالی الجھنوں کا شکار ہیں' میں آپ کی یہ مالی الجھنیں دور کرسکتا ہوں۔" کرون نے شینا کی طرف دیکھا' شینا وہاں سے ہٹی سامنے کی ایک الماری سے اس نے کچھ نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور میرے سامنے

ایک جگہ جمع کردیں' اچھی خاصی نوٹوں کی تعداد تھی۔ میں سرد نگاہوں سے کرون کو دیکھنے لگا تو کرون نے اپنے لباس سے وہ پُراسرار خنجر نکال کر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب مسٹر شعور آپ اس کی سرپرستی قبول فرمائیے۔" میرے ہاتھ تو خیر اس خنجر کی جانب کبھی نہیں بڑھ سکتے تھے لیکن اچانک ہی دروازے سے ایک آواز سنائی دی۔

"نہیں' مسٹر شعور اس کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ تم بھی زربانیوں کی نفرت کا شکار ہو جاؤ گے اور ہم اپنا فرض پورا کئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔" میں نے دیکھا کہ شینا کا چہرہ زرد ہو گیا' ادھر کرون بھی چونک سا پڑا اس نے برق رفتاری سے اپنے پاس رکھے ہوئے تکئے کے نیچے سے ریوالور نکالا' لیکن اس سے پہلے ہی آنے والے نے جو طور علی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا ہاتھ میں پکڑی ہوئی سیاہ رنگ کی وہ نالی سیدھی کی' جسے میں نے پہلے بھی اس کے ہاتھ میں دیکھا تھا' نالی سے ایک تیر نکلا اور کرون کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ کرون کا ریوالور والا ہاتھ اٹھنے کا اٹھا رہ گیا' شینا کی چیخ ابھری اور وہ دوڑ کر اس کمرے کے اندر والے کمرے میں جا گھسی' طور علی آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے وہ خنجر اپنے ہاتھ میں لے لیا جو کرون نے نکالا تھا' طور علی خنجر کو اپنے لباس میں رکھنے کے بعد بولا۔

"اصل میں اس خنجر کے حصول کے لئے زربانی دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں کوئی اسے مجرمانہ انداز میں حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اس کے لئے کامیابی ممکن نہیں ہے کوئی اگر اسے خریدنا چاہے تو یہ قابلِ فروخت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایک "مقدس عہد" ہے زربانیوں کے لئے اور زربانی کبھی اپنی آبرو فروخت نہیں کرتے۔ یہ تھوڑی سی رقم ہے اس بریف کیس میں مسٹر شعور' جو آپ کو انعام کے طور پر دی جاتی ہے اور

مبارکباد بھی کہ آپ نے اس خنجر کو ہاتھ نہیں لگایا ورنہ تو اس عہد کی تکمیل کے لئے آپ کو بھی ٹھکانے لگانا پڑتا۔" طور علی اس کے بعد خاموشی سے باہر نکل گیا۔

میرا ذہن منجمد ہو گیا تھا۔ میں دیر تک اس طرح سکتے میں رہا پھر جیسے مجھے ہوش آگیا سب سے پہلے میں نے دوسرے کمرے میں جاکر شینا کو دیکھا۔ وہ کمرے کے عین درمیان فرش پر بے ہوش پڑی تھی' میں دیر تک اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا رہا پھر مجھے فون کا خیال آیا اور میں نے سرفراز کو فون پر تلاش کیا۔ میری خوش قسمتی کہ وہ مجھے مل گیا۔ میں نے اسے فوراً اس جگہ بلا لیا اور جب وہ آگیا تو مجھے ڈھارس ہوئی۔ میں نے ساری تفصیل اسے سنائی تو وہ بھی دنگ رہ گیا۔

بہرحال کرون ایک بین الاقوامی مجرم تھا اور شینا اس کی دست راستِ' طور علی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا بابا عبدالحق کا کردار بھی واضح نہیں ہو سکا کہ کون تھے۔ میرے دوستوں نے بہرحال بھرپور دوستی کا ثبوت دیا۔ دونوں طرف سے مجھے جو رقم ملی تھی اسے میری تحویل میں رہنے دیا گیا اور اس سے میرا مستقبل بھی بن گیا۔ آج بھی جب مجھے وہ یہ پُراسرار خنجر یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں عجیب تکون تھی۔ طور علی' کرون اور شینا تمام ہی' اور اس تکون میں ایک پُراسرار خنجر پیوست تھا۔

☆=====ختم شد=====☆